...یہ تیرے پُراسرار بندے!

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

جہادِ افغانستان کی اَن کہی داستان

... یہ تیرے پُراسرار بندے!

جہادِ افغانستان کا منظر و پس منظر، چھاپہ مار جنگ کی آپ بیتی اور
آنکھوں دیکھی تفصیلات، دُنیا کی ایک عظیم طاقت پر مٹھی بھر نہتے
مجاہدین کی فتح کے ایمان افروز واقعات، جہاد کے بارے میں قرآن و
سنت کی تعلیمات، میدانِ کارزار میں اس کے معجزنما کرشمے اور
موجودہ دنیا پر اس کے عجیب وغریب اثرات

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

انْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(سورۃ التوبہ ۔ ۴۱)

(جب تمہیں جہاد کے لئے پکارا جائے تو) نکل پڑو (خواہ) تھوڑے سامان
سے (ہو) یا زیادہ سامان سے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے
جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو
(تو دیر مت کرو)

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

مجاہدین سے میرا رابطہ تو جہاد افغانستان شروع ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد قائم ہو گیا تھا، دارالعلوم کراچی کے بہت سے طلبہ بھی سالانہ تعطیلات میں شریک جہاد ہوتے تھے، ان میں سے کئی شہید اور بعض زخمی بھی ہوئے، لیکن مجھے خود محاذ پر جانے کی تمنا کرتے کرتے کئی سال بیت گئے۔۔۔ بالآخر اپریل ۱۹۸۸ء میں جبکہ جہاد عروج پر تھا اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری فرمائی، اور ناچیز کو بہت سے رفقاء کے ساتھ "ارگون" (صوبہ پکتیکا) کے ایک چھوٹے سے معرکے میں عملی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔۔۔ پھر اگست ۱۹۹۱ء میں جبکہ جہاد آخری مراحل میں تھا، اور "گردیز" پر فیصلہ کن حملے کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں، وہاں کے ایک چھوٹے سے معرکے میں شرکت کی غرض سے ہمارا دوسرا سفر ہوا۔

پہلے ہی سفر میں جہاد کی جو ایمان افروز صورت حال سامنے آئی، بے سروسامان مجاہدین کی سرفروشی کے جو ولولہ انگیز کارنامے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے حیرتناک واقعات آنکھوں سے دیکھے اور موقع پر سنے ۔۔۔ اور اس تاریخ ساز جہاد کے جو دور رس نتائج دنیا پر پڑنے والے تھے ان کا کچھ اندازہ ہوا، انہوں نے مجھ پر فوری طور سے دو اثر مرتب کئے۔

ایک یہ کہ میں جسمانی طور پر تو محاذ سے واپس آگیا لیکن دل و دماغ وہیں کے ہو کر رہ گئے، مجاہدین سے رابطے اور گہرے ہو گئے، شاید ہی کوئی دن یا ہفتہ ایسا گزرتا ہو جب وہاں کے تازہ ترین حالات براہ راست مجاہدین سے معلوم نہ ہوتے ہوں ۔۔۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ شدت سے یہ احساس دامن گیر ہوا کہ یہ تاریخ ساز جہاد ہمارے بالکل پڑوس میں ہو رہا ہے جس نے اسلام کے قرون اولیٰ کی داستانیں تازہ کر دی ہیں، مگر ہمارے عوام، بلکہ بہت سے خواص بھی اس کے منظر و پس منظر اور اس میں پیش آنے والے واقعات اور متوقع دور رس نتائج سے بالکل بے خبر ہیں، انہیں صرف وہی ایک دو سطری مبہم خبریں ملتی ہیں جو کبھی کبھی اخبارات یا ریڈیو پر آجاتی ہیں، جہاد کن حالات میں اور کس انداز سے ہو رہا ہے اس کی ہلکی سی جھلک بھی ان تک نہیں پہنچ سکی ۔۔۔ یہی احساس میری اس قلمی کاوش کا باعث بنا۔

یہ تحریر شروع تو ہوئی "سوئے ارغون" کے سفرنامے کے طور پر، لیکن جہاد جوں جوں اپنے پیچ و خم کے ساتھ فتح کی جانب بڑھتا رہا، یہ تصنیف بھی اس کے نقش قدم پر سست رفتاری سے چلتی رہی اور تازہ بہ تازہ منتخب حالات و واقعات اس کا جزو بنتے چلے گئے۔

یہ کتاب پورے جہاد افغانستان کی تاریخ تو نہیں، لیکن اتنا ضرور عرض کیا جاسکتا ہے کہ جب مورخ اس جہاد کی مفصل تاریخ مرتب کرے گا تو اسے ان شاء اللہ اس ناچیز تحریر میں جو کچھ ملے گا مستند ملے گا ۔۔۔ یوں تو اس کتاب میں جہاد کے بہت سے پہلو سامنے آئیں گے تاہم چند امور کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

(۱) ایسے بہت سے گمنام غازیوں اور شہیدوں کے کارنامے جن کی رسائی ذرائع

ابلاغ تک تھی' تو انھوں نے بھی اس طرف توجہ دی' میں نے خصوصیت سے بیان کئے ہیں کیونکہ فتوحات کے تذکرے میں قومی رہنماؤں' سپہ سالاروں اور بڑے کمانڈروں کے کارنامے تو سب ہی بیان کرتے ہیں' مگر ان تمام مجاہدین اور شہیدوں کو عموماً فراموش کر دیا جاتا ہے جن کی سرفروشی اور فداکاری کے بغیر فتح کے دروازے کھلنا بظاہر ممکن نہ تھا۔ افغانستان کی جدید آزادی بھی درحقیقت ایسے ہی فداکاروں کی مرہونِ منت ہے۔

(۲) چھاپہ مار جنگ کے جو طور طریقے افغانستان میں استعمال کئے گئے' ان کی جو جو باریک تفصیلات میں نے خود دیکھیں یا معلوم کیں' انہیں بھی خاص طور سے بیان کیا ہے' کیونکہ جہادِ افغانستان ہماری اس عالمگیر جہاد کا نقطہ آغاز ہے جس کی سرسراہٹ کشمیر' فلسطین' بوسنیا' چیچنیا (شیشان) اور تاجکستان میں سنائی دے رہی ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کتنے نئے محاذ اور کھلنے والے ہیں' چھاپہ مار جنگ کی ان تفصیلات سے امید ہے کہ مستقبل کے مجاہدین کو خاص رہنمائی مل سکے گی' اور میدانِ کارزار کا خوف دل سے نکل جائے گا۔۔۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر تقریباً ہر مناسب مقام پر اس موقع سے متعلق قرآن و سنت کی تعلیمات بھی درج کی ہیں۔

(۳) افغان مجاہدین کی تنظیموں اور عرب مجاہدین کے کارنامے تو عالمی رسائل و اخبارات میں کچھ چھپتے بھی رہے' لیکن پاکستانی مجاہدین اتنی کسمپرسی میں جو حیرتناک کارنامے انجام دیتے' اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے' ان کی خبر بہت کم لوگوں کو ہے' اس لئے میں نے وہ زیادہ تفصیل سے بیان کئے ہیں' اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرا سب سے زیادہ قریبی رابطہ انہی حضرات سے تھا' میں ان کے حالات و واقعات کو زیادہ تحقیق اور اعتماد سے لکھ سکتا تھا' افغان رہنماؤں اور تنظیموں کے جو کارنامے مجھے اتنی ہی تحقیق اور اعتماد سے حاصل ہو گئے انہیں بھی اہتمام سے بیان کیا ہے۔

(۴) واقعات کے بیان میں کڑی احتیاط کی خاطر میں نے ان امور کی پابندی کی ہے۔

الف۔ واقعہ جس مجاہد کے ساتھ یا جس کے سامنے پیش آیا حتی الامکان میں نے اس سے وہ خود سنا ہے اور بسا اوقات بار بار سن کر اسی وقت قلم بند کیا ہے اور دوسرے متعلقہ مجاہدین سے بھی اس کی امکانی تحقیق کی ہے جب تک کسی واقعے کی صداقت مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہیں ہوگئی تحریر نہیں کیا۔

ب۔ اس جہاد کی عجیب و غریب کرامتوں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے کچھ واقعات میں نے شیخ عبداللہ عزام کی عربی کتابوں سے بھی لئے ہیں جن کے حوالے ساتھ درج کئے ہیں۔ جہاد کے دوران میری ان سے بار بار ملاقات ہوئی ان کے تقویٰ احتیاط اور جہاد افغانستان کے حالات پر گہری نظر سے وہ حضرات بخوبی واقف ہیں جو ان سے ملے ہیں وہ آخر دم تک افغانستان کے مختلف محاذوں پر عرب مجاہدین کی قیادت کرتے رہے اور اسی کوششوں میں شہید ہوئے انہوں نے بھی اپنی کتاب " آیات الرحمن فی جہاد الافغان " (ص ۵ ۳) میں صراحت کی ہے کہ "میں نے یہ واقعات صرف ان مجاہدین سے لئے ہیں جن کے ساتھ یا جن کے سامنے وہ پیش آئے اور میں واقعہ بیان کرنے والے مجاہد سے بسا اوقات حلف بھی لیتا تھا۔"

ج۔ کچھ واقعات میں نے پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکت الجہاد الاسلامی" کے ماہنامے "الارشاد" کے حوالے سے لکھے ہیں لیکن ان واقعات کی تحقیق بھی میں نے ان مجاہدین سے خود مل کر کی ہے۔

واقعات کی اس کھود کرید میں مجاہد دوستوں کو بار بار زحمت دینا رہا ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اسے نہایت خوشدلی سے برداشت کیا بلکہ میرے ایسے سوالات سے بھی بدمزا نہیں ہوئے جو شاید ان کے نزدیک غیر ضروری ہوں مثلاً یہ کہ "جس پہاڑی کے دامن میں آپ کھڑے تھے وہ کتنی اونچی تھی؟ آپ اس کی کس سمت میں تھے؟ وہ خشک تھی یا سرسبز؟ آپ کے ساتھ اور کون کون تھے؟ وقت کیا تھا؟ موسم کیسا تھا؟" وغیرہ۔

اس تحریر کا آغاز ۱۹۸۸ء میں ہوا تھا، مسودہ جتنا جتنا تیار ہوتا گیا، ماہنامہ "البلاغ" کراچی اور "قومی ڈائجسٹ" لاہور میں "جہاد افغانستان میں" کے عنوان سے قسطوار چھپتا رہا۔ "البلاغ" میں یہ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ (دسمبر ۱۹۸۸ء) سے رمضان ۱۴۱۱ھ (اپریل ۱۹۹۱ء) تک بیس (۲۰) قسطوں میں (کئی وقفوں کے ساتھ) شائع ہوا۔ کچھ حصے "اردو ڈائجسٹ" لاہور، ہفت روزہ "تکبیر" کراچی اور روزنامہ "جنگ" میں بھی شائع ہوئے ___ مجاہدین کی تنظیم "حرکت الجہاد الاسلامی" نے بھی اس کتاب کے تین ایڈیشن ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک اس طرح شائع کئے کہ ہر سال تصنیف جہاں تک پہنچی تھی شائع کردی گئی۔

ملک اور بیرونِ ملک کے قارئین اور اہلِ قلم نے غیر معمولی انداز میں ان اشاعتوں کی پذیرائی فرمائی اور خطوط اور ملاقاتوں میں اس کی افادیت کا اظہار فرمایا، اسے پڑھ کر بہت سے مردوں اور خواتین نے مال اور سازوسامان سے مجاہدین کی امداد فرمائی، اور بہت سے نوجوان مجاہدین کے قافلے سے جا ملے ــ اس سے امید قائم ہوئی کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کوشش کو قبول فرمایا ہے۔

لیکن ان سب اشاعتوں میں صرف "ارغون" (صوبہ پکتیکا) کی فتح تک کے حالات آئے تھے، بعد میں لکھنے کا سلسلہ ذاتی مجبوریوں کے باعث تھوڑا تھوڑا چل کر طویل طویل عرصے تک رکتا رہا۔

یہ پانچواں ایڈیشن جو آپ کے ہاتھ میں ہے، آگے کے منتخب حالات پر بھی مشتمل ہے اور نظرِ ثانی شدہ ہے، اس میں دو سو سے زیادہ صفحات کا اضافہ ہوا ہے۔

یاد رہے کہ یہ جہادِ افغانستان کی روداد ہے، جس میں ۱۵ لاکھ شہیدوں نے اپنا خون دے کر نہ صرف افغانستان کو کفر سے دوبارہ آزاد کرایا، اور پاکستان کو اور اس کے گرم ساحل کے راستے سے مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کو ـ کمیونزم کی یلغار سے جو شدید خطرہ لاحق ہوگیا تھا اس کا سدِّباب کیا، بلکہ درجنوں ممالک پر آزادی کے دروازے کھول دیئے، ان آزاد ہونے والے ممالک میں ۶ مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔

یہ اس فساد کی روئداد نہیں جو فتح کے بعد افغانستان میں نفسانیت اور اقتدار کی چھینا جھپٹی نے برپا کیا جس کا خمیازہ یہ ہے کہ وہاں کے سیاسی گروہوں کے رہنما آج تک اپنے ملک کا مسئلہ حل نہ کر سکے۔

یہ شرمناک خانہ جنگی جو ہوس اقتدار نے برپا کر رکھی تھی اس نے دشمنان اسلام کو جہاد اور مجاہدین پر ہنسنے کا موقع فراہم کیا، لیکن طالبان کی صورت میں جو فیصلہ کن قوت اب افغانستان میں سامنے آئی ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ کفر کے مقابلے پر جو عظیم قربانیاں جہاد افغانستان میں دی گئی تھیں ان شاء اللہ اب وہ بار رنگ لا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ طالبان کی اس ابھرتی ہوئی امید افزا قوت کو نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اور دشمنان اسلام کی ہر سازش سے محفوظ رکھے اور اسے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توفیق اور ہدایت سے نوازے۔

فتح کابل کے بعد کے حالات امت مسلمہ کو یہ سبق بھی دیتے ہیں کہ ہمیں کھلے کافر دشمنوں سے ہی نہیں بلکہ اپنی نفسانیت سے بھی بھرپور جہاد ساتھ ساتھ کرنا ہوگا جس نے اس مقدس جہاد کے بہترین ثمرات سے امت کو اب تک محروم کیا ہوا ہے۔

بہرحال جہاد کی یہ روئداد امت مسلمہ کے لئے اس شاہراہ کی مفصل نشاندہی کرتی ہے جس پر چلتے مجاہدین نے ۱۴ سال چل کر دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ یہ شاہراہ صبر آزما ضرور ہے لیکن اس تابناک مستقبل تک پہنچاتی ہے جو ہمارا صدیوں سے منتظر ہے اور اس جہاد کی اوٹ سے جھانک رہا ہے بشرطیکہ اپنی نفسانیت سے بھی بھرپور جہاد کیا جائے۔

محو کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

محمد رفیع عثمانی
دار العلوم کراچی

۳ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
۱۲ جنوری ۱۹۹۹ء

فہرستِ مضامین

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ

تاجکستان
ازبکستان
ترکمانستان
بادغیس
هرات
سمنگان
ارزگان
هلمند
کندهار

پی آئی اے کا طیارہ صبح ٹھیک آٹھ بجے کراچی سے ملتان کے لئے روانہ ہوا تو دل کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی، ملتان کے بعد جو طویل سفر درپیش تھا اس کا خوشگوار تصور ہی دل میں سرور اور ولولہ پیدا کر رہا تھا ___ ہم جہاد افغانستان میں شرکت کے لئے صوبہ پکتیکا کے "ارغون" کے محاذ پر جا رہے تھے، افغانستان کے بارے میں "جنیوا سمجھوتے" پر ابھی دستخط نہیں ہوئے تھے، مذاکرات جاری تھے، جن کی گونج پوری دنیا میں سنائی دے رہی تھی۔

طیارہ مستقبل کی طرف بڑھا تو میرے تصورات ماضی میں جھانکنے لگے ___ بچپن سے جوانی، اور جوانی سے کہولت تک جہاد کے جتنے مواقع سامنے آئے تھے، سب کے بھولے بسرے مناظر یکے بعد دیگرے یاد آتے چلے گئے، جن میں پر شوق ولولے بھی تھے، عبرت آموز حسرتیں بھی۔ ان یادوں کا کوئی ذکر کئے بغیر آگے بڑھنا اس سفرنامے کے ساتھ ناانصافی سمجھتا ہوں کیونکہ سفر میں یہ بھی میرے ہم رکاب تھیں، بلکہ یہی یادیں اس سفر جہاد کا پس منظر بھی ہیں۔

بچپن ___ اور شوق جہاد

بچپن میں جب سے تاریخ اسلام کے ولولہ انگیز واقعات کانوں میں پڑنا شروع ہوئے جہاد کا شوق بھی عمر کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب تحریک قیام پاکستان شباب پر تھی، میرے بچپن کا زمانہ تھا، اپنے آبائی وطن "دیوبند" ضلع سہارنپور، یوپی میں ہم بچوں نے مل کر "بچہ مسلم لیگ" قائم کی تھی، جس میں تقریباً چھ سو بچے باقاعدہ رکن تھے۔ ہم ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالتے، دیوبند کے بازاروں اور اہم مقامات سے

گذرتا ہوا وہاں اقروز نعرے لگاتا ہوا یہ جلوس قصبہ دیوبند کی تحصیل اور پولیس تھانہ کی مشترک عمارت کے سامنے پہنچ کر دیر تک مظاہرہ کرتا۔ انگریز حکومت کے اہل کار جلوس کی آواز دور سے سنتے ہی عمارت کا گیٹ اندر سے بند کر لیتے۔ اس سے ہمارے حوصلے اور بڑھتے اور نعروں کا جوش و خروش عروج پر پہنچ جاتا ___ ہمارے مقابلے پر کانگریسی بچوں کے جلوس بھی نکلنے لگے۔ نعرہ بازی کا خوب مقابلہ ہوتا اور کبھی سنگ باری کی نوبت بھی آجاتی۔ اب تک وہ ولولہ انگیز نعرے آج بھی کانوں میں گونجتے ہیں۔ مسلمانوں کی جس نسل نے پاکستان بنایا تھا وہ تو تقریباً رخصت ہو چکی۔ جس نسل نے پاکستان بنتے دیکھا اب وہ بھی رخصت ہو رہی ہے۔ لیکن رخصت ہونے سے پہلے اس کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ ان تاریخ ساز نعروں کی آواز بازگشت نئی نسل کو پہنچاتی رہے ___ کیونکہ یہ صرف نعرے نہیں، ہمارا قومی منشور ہیں۔ جو ہمارے رہنماؤں نے خوب سوچ سمجھ کر ہمیں دیئے تھے۔

پاکستان کا مطلب کیا	لا الٰہ الا اللہ
مسلم مسلم	بھائی بھائی (ہمارا یہ نعرہ کانگریسیوں کے نعرے "ہندو مسلم بھائی بھائی" کے جواب میں ہوتا تھا۔)
لے کے رہیں گے	پاکستان
دینا پڑے گا	پاکستان
بٹ کے رہے گا	ہندوستان
بن کے رہے گا	پاکستان
اپنا سر کٹائیں گے	پاکستان بنائیں گے
سینہ پر گولی کھائیں گے	پاکستان بنائیں گے
خون کی ندیاں بہائیں گے	پاکستان بنائیں گے
پاکستان	زندہ باد
نعرہ تکبیر	اللہ اکبر

وقتاً فوقتاً ہمارے جلسے بھی ہوتے ان میں جہادی ولولہ انگیز نظمیں اور پرجوش تقریریں ہوتیں، جو ہمارے بزرگ ہمیں تیار کر کے دیا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان دنیا کے نقشہ پر ____ دنیا کے سب سے بڑے مسلم ملک کی حیثیت سے ____ نمودار ہوا تو میری عمر کا بارھواں سال تھا۔ ہندوؤں کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اچانک دہلی اور مشرقی پنجاب وغیرہ اور ہمارے گردوپیش میں آگ اور خون کا طوفان برپا ہو گیا، ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ ہم سب بھائیوں نے "بنوٹ" (لاٹھی سے لڑائی کا فن) بڑے بھائی جان جناب محمد زکی صاحب کیفی مرحوم سے سیکھا تھا، جو بلند پایہ شاعر[1] ہونے کے باوجود اس فن کے بھی ماہر تھے۔ اور شوق جہاد ان کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت یہ فن باضابطہ داخل نصاب تھا اور ہندو مسلم فسادات میں بہت کام آتا تھا، یہاں کے مسلمان اس فن میں طاق تھے اور مقامی ہندوؤں پر ان کا رعب رہتا تھا۔

آئے دن خبریں آتیں کہ آس پاس کے دیہات کے ہندو سکھ مل کر دیوبند کے مسلمانوں پر حملہ کرنے والے ہیں، راتوں کو مسلمان اپنے محلوں میں پہرہ دیتے اور ہم بچے نمازوں کے بعد بڑی بے تابی سے دعائیں کرتے کہ حملہ ہو جائے، خوب لڑائی ہو اور اس میں ہمیں بھی حصہ لینے کا موقع ملے۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نے جہاں ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے ہیں ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ:

"لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ،
فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ
تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ"

---

[1] ان کا مجموعہ کلام "کیفیات" کے نام سے چھپا ہے۔

"دشمن سے لڑائی کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو (یعنی
یہ دعا کرو کہ جنگ کی نوبت آئے ہی نہیں، دشمن بھاگ کھڑا ہو یا
ہمارے مطالبات تسلیم کر لے) اور جب دشمن سے مقابلے کی
نوبت آئے تو ڈٹ جاؤ اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کی چھاؤں
میں ہے۔"

(بخاری شریف کتاب الجہاد [illegible])

بہرحال! دشمن نے پیشقدمی کرنے کی بھی ہمت نہ کی۔ یوں لگتا ہے
جیسے بھائی جان مرحوم نے پہلے ہی زمانے میں کہا ہو کہ ؎

کیا خبر تھی جو اٹھیں دل کی جبیں کی حسرتیں!
دیکھ کر کشتی کو طوفاں رخ بدلتے جائیں گے

یہاں تک کہ مئی ۱۹۴۸ء میں ہم بھی "حسرت" اور عزم کا سمندر دل میں لئے
ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ـــ پاکستان کیا تھا؟ ـــ دلکش خوابوں کی تعبیر، امن اور
محبتوں کا گہوارہ، عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز، قیام امن ... اور معاشی طور پر ...
لامحدود وسائل اور بےحد وطنی کے وسیع میدانوں سے مالا مال ایک ملت کا وطن جو
جذبہ ایمان سے سرشار ہو کر اس پر سب کچھ قربان کر چکی تھی، سب کچھ قربان کرنے کے
لئے تیار تھی۔ سب کا یہ عقیدہ اور عزم کہ بقول بھائی جان مرحوم ؎

ہم ایک خدا کے قائل ہیں، پندار کا ہر بت توڑیں گے
ہم حق کا نشاں ہیں دنیا میں، باطل کو مٹا کر دم لیں گے
یہ سبز ہلالی پرچم ہے، ہر حال میں یہ لہرائے گا
یہ نغمہ ہے آزادی کا، دنیا کو سنا کر دم لیں گے
یہ بات عیاں ہے دنیا پر، ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
یا بزم جہاں مہکائیں گے، یا خوں میں نہا کر دم لیں گے

جس خونِ شہیداں سے اب تک، یہ پاک زمیں رنگین ہوئی
اس خون کے قطرے قطرے سے، طوفان اٹھا کر دم لیں گے

کاش! اسی وقت پوری قوم کو اس راہِ مستقیم پر رواں دواں کر دیا جاتا، جس کے لئے یہ بے قرار تھی اور جس کے لئے اپنا سب کچھ لٹا کر اس نے یہ وطن بڑے ارمانوں سے حاصل کیا تھا۔ کاش! ایسا ہوتا تو آج ہماری تاریخ اور جغرافیہ دونوں مختلف ہوتے۔

جہادِ کشمیر

اس وقت مجاہدینِ کشمیر کی تند و تیز یلغار کے سامنے بھارتی فوج کی تمام زور آزمائیاں ناکام ہو چکی تھیں، وہاں کی ہم نوا حکومت نے اس خوف سے کہ مجاہدین اب سری نگر میں بھی داخل ہونے ہی والے ہیں، دارالحکومت سری نگر سے جموں منتقل کر دیا تھا۔ مگر ٹھیک اسی وقت جبکہ جہادِ کشمیر فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا تھا، غیر مسلم عالمی طاقتوں نے بیچ میں پڑ کر چالبازیوں سے اس مقدس جہاد کو رکوا دیا۔ جانباز مجاہدین نے جو جنگ اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر میدانِ کارزار میں جیت لی تھی، اسے ہمارے قائدین نے مذاکرات کی میز پر ہار دیا۔ اس وقت بھی جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کی حسرت ہی رہی۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

پھر جب میری عمر تقریباً پندرہ سال تھی اور پاکستان کے سب سے پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملت خان لیاقت علی خان مرحوم نے یہ اعلان کیا کہ بھارت نے اپنی نوے فیصد فوج پاکستان کی سرحد پر لگا دی ہے، تو پورے ملک میں جہاد کا جوش و خروش قابلِ دید تھا۔ اس وقت ملک میں مسلم لیگ ہی تنہا سیاسی جماعت اور وہی برسرِ اقتدار تھی، وہ دور آج بھی یاد آتا ہے، جب پاکستان کے مسلمان نہ سیاسی جماعتوں میں بٹے تھے، نہ صوبائی اور لسانی

بہرکیف! بھارتی بزدل افواج تو کسی ڈھنگ کے بغیر ہی واپس ہو گئیں مگر ہمیں اس بہانے جہاد کی تربیت حاصل کرنے کا اچھا موقع مل گیا، پوری قوم میں جذبۂ جہاد از سرِ نو تازہ ہو گیا اور واہگہ اور لاہور کے درمیان مشہور "بی آر بی نہر" وجود میں آئی جس نے بعد میں ۱۹۶۵ء کے جہاد میں تاریخی کردار ادا کیا اور آخر تک بھارت کیلئے دردِ سر بنی رہی۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

جنگ نہر سویز

پھر تقریباً ۱۹۵۳ء میں جب برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مل کر نہر سویز پر اچانک حملہ کیا تو برادر ملک مصر کے دفاع کے لئے پاکستان کا بچہ بچہ بے تاب ہو گیا، یہ بے تابی اس قرآنی عقیدے کا فطری تقاضا تھی جس پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا کہ:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ"
(الحجرات: ۱۰)

"مسلمان سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مظہر تھی کہ:

"الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، إِنِ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ"

"سارے مسلمان شخصِ واحد (کے جسم) کی طرح ہیں کہ اس کی آنکھ دکھتی ہے تو پورا جسم دکھنے لگتا ہے، اور سر میں درد ہوتا ہے تو پورا جسم تکلیف زدہ ہو جاتا ہے۔"
(مسلم، کتاب البر ۲۵۸۶)

میری عمر اس وقت سترہ سال تھی' دارالعلوم کراچی کی قدیم عمارت (نانک واڑہ) میں درس نظامی کے ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھا ہم سب طلبہ اس جہاد میں شرکت کے لئے بے چین ہو گئے' ہمارے جذبہ جہاد کو دیکھتے ہوئے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ﷫ نے جو دارالعلوم کے صدر تھے ___ اور ہمارے بہنوئی جناب مولانا نور احمد صاحب ﷫ نے ___ جو دارالعلوم کے ناظم تھے ___ ان دونوں بزرگوں نے طلبہ کو نہ صرف اجازت دے دی' بلکہ مصر بھیجنے کے لئے ایک طیارہ بھی چارٹر کرنے کی تیاریاں کرلیں اور روانگی کے انتظامات مکمل ہونے تک ہمارے لئے دارالعلوم میں شہری دفاع اور ابتدائی طبی امداد کی تربیت شروع کرا دی۔

"عرب قومیت" کا بھوت

ہم نہایت ذوق شوق سے یہ تربیت حاصل کر رہے تھے اور مصر روانگی کے لئے بے تاب انتظار کا ایک ایک دن بھاری معلوم ہو رہا تھا' لیکن اچانک اس خبر نے تملا دیا کہ مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے جس پر نام نہاد "عرب قومیت" اور "عرب وطنیت" کا بھوت سوار تھا' پاکستانی رضاکاروں کی آمد پر پابندی لگا دی ہے ___ بحمد اللہ تربیت تو مکمل ہو گئی' لیکن جہاد مصر میں شریک نہ ہوسکنے کا ناقابل بیان غم ہوا' سب طلبہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے ___ اور جمال عبدالناصر نے خلیج عقبہ اپنے ہاتھ سے گنوا دی۔ اور بعد کی ایک جنگ میں مصر نے صحرا سینا' شام نے جولان کا پہاڑی علاقہ' اور اردن نے مسلمانوں کا قبلہ اول بھی ہاتھ سے کھو دیا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی' دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی' ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں' اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!؟

انھوں نے پاکستانی افواج اور عوام کو کلمہ ""لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"" پڑھ کر اس جہاد میں بھرپور حصہ لینے کی ترغیب دی ـــــ اس وقت دل کا کیا عالم تھا' جن حضرات نے وہ تقریر سنی ہے اس کی لذت اور اثر انگیزی ان کو آج تک یاد ہوگی ـــــ اس جہاد کے دوران سیالکوٹ اور چونڈا کے محاذ پر دنیا کی تاریخ میں دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ لڑی گئی مگر یہاں دشمن کو میجر عباس شہید جیسے جانبازوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر اس کی ساری سورمائی خاک میں ملا ڈالی۔

پاک فضائیہ کے شاہینوں نے تو چند ہی روز میں دشمن کی فضائیہ پر واضح برتری حاصل کرکے اسے تقریباً مفلوج کر ڈالا تھا' وہ بھارت کے اندر دور دور جاکر دشمن کی کمر توڑ رہے تھے ان کا پھینکا ہوا ہر بم دشمن کو یہ پیغام دے آتا تھا کہ ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

رفیقی شہید اور ایم ایم عالم جیسے ہوا باز' دشمن پر عقاب بن کر ایسے جھپٹے کہ فضائی جنگ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

سلام اس پہ کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں اک ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

مگر جب پاکستان کی مجاہد افواج بھارت میں گھس کر ""دہلی کراں"" کو فتح کرکے آگے بڑھ رہی تھیں اور غیر مسلم عالمی طاقتوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اس بپھرے ہوئے شیر کو روکنا اب بھارت کی ہمت شکستہ فوج کے بس کا روگ نہیں رہا تو پھر ""امن"" کی فکر دامن گیر ہوئی "اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے' جس پر ان طاقتوں کی اجارہ داری ہے 'فوراً ""جنگ بندی"" کا حکم صادر کر دیا' روس نے بڑی چابکدستی سے بیچ میں پڑ کر تاشقند میں پاک بھارت مذاکرات کرائے اور ""اعلان تاشقند"" کرا دیا' اس بار پھر سپر طاقتوں کا دباؤ قبول کرکے ہماری قیادت نے اس جنگ کو ہرا دیا جسے پاکستان کی دلیر افواج کے شوق شہادت

نے جیت لیا تھا۔

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

یہ جہاد تقریباً سترہ روز جاری رہا، اس کی ایک عجیب و غریب برکت یہ تھی کہ پوری قوم لگتا تھا کہ فرشتہ بن گئی ہے، وہ اپنے تمام فرقوں، تعصبات اور جماعتی مفادات کو بھول کر دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن گئی ان سترہ دنوں میں پورے ملک میں نہ کوئی چوری وغیرہ کی واردات ہوئی، نہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑے کی کوئی رپورٹ پولیس میں درج کرائی گئی۔ اس کے علاوہ اس مقدس جہاد کے دوران ہر محاذ پر ایسی عجیب و غریب کرامات کا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کا ظہور ہوا کہ دنیا بھر کے اخباری رپورٹر بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا پاکستانی مسلم فوج کی بے پناہ طاقت سے واقف ہوئی اور اس کی فنی مہارت اور جانبازی کا لوہا مانا گیا۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

میرے ایک دوست کے دوست اس جہاد میں راجستھان کے محاذ پر فوج میں افسر تھے، آزادانہ زندگی کے عادی تھے، نماز روزے سے بھی آزاد، انہوں نے میرے دوست کو وہاں سے خط میں لکھا کہ:

”اس جہاد میں میں نے اللہ تعالیٰ کو (گویا) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، سب گناہوں سے توبہ کر کے نماز کا پابند ہو چکا ہوں، اور اب فتح یا شہادت ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔“

رضاکاروں کو محاذ پر جانے کی نہ ضرورت سمجھی گئی، نہ اجازت تھی، عوام کو صرف شہری دفاع اور ابتدائی طبی امداد میں بھرپور حصہ لینے کی ہدایت کی گئی تھی، میں اس وقت دارالعلوم کراچی (کورنگی) میں ”مرحلہ عالیہ“ کا مدرس تھا، ہم یہاں کی کھلی فضاؤں میں پاک فضائیہ کے شاہینوں کو دشمن پر جھپٹتے، پلٹتے، پلٹ کر جھپٹتے اور اس کو بھگاتے اور گراتے

ہونے دیکھتے ۔ آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے اور دل دعاؤں سے لبریز ہو جاتا ۔ رضاکاروں کے ساتھ مل کر کچھ راتیں شہری دفاع کی خدمات میں گزارنے کی سعادت تو بحمداللہ نصیب ہوئی مگر محاذ پر جانے کی اس وقت بھی حسرت ہی رہی ۔

حدیث میں ہندوستان پر جہاد کی خاص فضیلت

یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہندوستان پر جہاد کرنے والوں کی فضیلت خاص اہمیت کے ساتھ یہ ارشاد فرمائی ہے کہ :

"عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ، عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ ، وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ"

"دو جماعتیں میری امت میں ایسی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات لکھ دی ہے ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر جہاد کرے گی دوسری وہ جماعت جو (آخر زمانہ میں) عیسیٰ علیہ السلام کے (نازل ہونے کے بعد ان کے) ساتھ ہوگی ۔"

(نسائی صفحہ ۵۲، ج ۲)

اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ہندوستان پر جہاد میں شریک ہونے کی تمنا تھی وہ فرماتے ہیں کہ :

"وَعَدَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ ، فَإِنْ أَدْرَكْتُهَا أُنْفِقْ فِيهَا نَفْسِي وَمَالِي ، فَإِنْ أُقْتَلْ كُنْتُ مِنْ أَفْضَلِ الشُّهَدَاءِ ،

إن ارجع فانا ابو هريرة المحرر"

"رسول اللہ ﷺ نے ہم (مسلمانوں) سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ فرمایا ہے اگر میں نے اپنی زندگی میں اسے پالیا تو میں اپنی جان اور مال اس میں خرچ کروں گا' پھر اگر میں اس میں قتل کر دیا گیا تو افضل ترین شہداء میں شامل ہو جاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں (جہنم سے) آزاد ابو ھریرہ ہوں گا۔"

(سنن النسائی ــ حدیث نمبر ۳۱۷۳، ۳۱۷۴)

مسلم قومیت ـــــ دو قومی نظریہ

۱۹۶۵ء کے بعد' بھارت نے اپنا طریقہ جنگ بدل دیا "مسلم قومیت" یا "اسلامی برادری" کی جس عظیم قوت نے دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک پاکستان عطا کیا تھا' اور مسلمانان عالم کی پر امید نظریں پاکستان پر مرکوز کر دی تھیں' بھارت نے عالمی طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے اسی قوت پر ضرب کاری لگانے کے لئے طویل منصوبہ بندی کی اور پاکستانی حکمرانوں کی اس غلط روش سے پورا فائدہ اٹھایا جو خود انہوں نے "مسلم قومیت" کے ساتھ اختیار کی ہوئی تھی۔

"مسلم قومیت" یا "اسلامی برادری" تحریک پاکستان کا صرف سیاسی نعرہ نہ تھی بلکہ قرآن وسنت کے اس اٹل فیصلے کی ترجمانی تھی کہ دنیا بھر کے مسلمان' خواہ ان کا تعلق کسی رنگ و نسل سے ہو' وہ کوئی بھی زبان بولتے اور کسی بھی علاقے میں رہتے ہوں' سب ایک برادری اور ایک ہی ملت ہیں' اور دنیا بھر کے غیر مسلم دوسری ملت۔ یہی "دو ملی نظریہ" ہے جسے اردو میں "دو قومی نظریہ" کہا جانے لگا۔ پاکستان اسی نظریہ کی بدولت وجود میں آیا تھا' یہی وہ رشتہ تھا جس نے نہ صرف مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو' بلکہ مغربی اور مشرقی پاکستان کو بھی ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یکجان کیا ہوا تھا' ۱۹۶۵ء کے جہاد میں اس کا بھرپور عملی مظاہرہ دنیا دیکھ چکی تھی۔

"دو ملی نظریہ" پاکستان کی روح اور اساس ہے۔ پاکستان کے لئے ساری قربانیاں اسی نظریہ کی خاطر دی گئیں۔ یہ اس بات کا عہد تھا کہ یہاں ایک ایسی برادری کی حکمرانی ہوگی جو "اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حاکمیت" پر ایمان رکھتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ واصحابہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت ہی کو سب سے بڑا اعزاز اور سب سے بڑی دانشمندی سمجھتی ہے۔ وہ یہاں ایسا معاشرہ اور نظام حکومت قائم کرے گی جو قرآن و سنت کی فطری تعلیمات پر مبنی ہوگا۔

اس نظریہ کا لازمی تقاضا یہ تھا:

۱۔ کہ یہ سرزمین جو نسلی، علاقائی اور لسانی رنگارنگی کے فطری حسن و جمال سے مالا مال ہے، اسے اسلامی اخوت، باہمی ایثار و محبت، اسلام کی عطا کردہ قانونی و معاشرتی مساوات اور معاشی عدل و انصاف کا گہوارہ بنایا جائے گا، مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر ہر بے کس و لاچار کی فریاد رسی کی جائے گی، ظالم ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے اور ہر مظلوم کو، خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت کا پیرو ہو، اپنے عمل سے بھی یہ اطمینا دلا دیا جائے گا کہ اسلام واقعی امن و سلامتی کا دین، اور غریبوں اور مظلوموں کا فریاد رس ہے، حتیٰ کہ وہ دشمن کے ساتھ بھی عین حالت جنگ میں ظلم اور بدعہدی کی اجازت نہیں دیتا، عین حالت جنگ میں بھی دشمن کی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، معذوروں اور ایسے عبادت گذاروں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا جو جنگی کارروائیوں میں شریک نہیں۔

۲۔ کہ اس سرزمین خداداد میں غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال، آبرو، اور ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہوں گی، ان کو اپنے عقیدے اور اس پر عمل کی آزادی ہوگی، انھیں معاشی میدان میں ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔

یہ ساری ہدایات قرآن و سنت نے کھول کھول کر بیان کی ہیں اور عہد صحابہ کی حکومتیں اس پر شاہد عدل ہیں۔ تاریخ اسلام میں ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں جنھوں نے ان ہدایات پر عمل کو اپنا قیمتی اعزاز اور اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا ہے۔ چنانچہ دستور پاکستان

کے دیباچے "قرارداد[1] مقاصد" میں بھی ان تمام امور کی صراحت کر دی گئی تھی۔

لسانی قومیت اور ۱۹۷۱ء کا المیہ

لیکن یہاں کے طالع آزما حکمرانوں کی ملک و ملت سے بے وفائی اس حد کو جا پہنچی کہ "دو قومی نظریہ" اور "مسلم قومیت" کے الفاظ صرف قیام پاکستان کی تاریخ میں لکھے رہ گئے۔ حکومتی پالیسیوں میں کہیں دور دور اس پاکیزہ معاشرے اور اسلامی عدل و انصاف کے آثار نہ تھے جس کی دنیا پاکستان سے امید کر رہی تھی۔ "بندر بانٹ" اور "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا جنگلی قانون پھیلتا چلا گیا۔ مسائل کا حل اور اسلامی عدل و انصاف اقلیت کو نصیب ہوئے نہ اکثریت کو۔ مشرقی و مغربی بازوؤں کے درمیان اسلام کا مضبوط رشتہ کمزور ہوتا اور بدگمانیوں اور نفرتوں کا زہر گھلتا چلا گیا جس نے دشمنوں کو "بنگالی قومیت" کا بت تراشنا آسان کر دیا۔ مشرقی پاکستان کی سرکاری تعلیم گاہوں میں ہندو اساتذہ نے اس میں بھرپور کردار ادا کیا۔

دشمنوں نے اس ناپاک مقصد کے لئے پاکستان کی بہت سی سیاسی، سرکاری، صحافتی اور ادبی شخصیات کے ضمیر نہ جانے کس کس قیمت پر خریدے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں صوبائی اور لسانی قومیت بلکہ نفرتوں کا صور پھونکا جانے لگا جو "مسلم قومیت" کی بھی عملاً نفی تھی اور رحمت للعالمین ﷺ کے اس دوٹوک فرمان کی بھی کہ:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى الْعَصَبِيَّةِ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ"

---

[1] اس "قرارداد مقاصد" کو بمطابق ۱۹۸۵ء سے آئین پاکستان کا مستقل قابل عمل حصہ قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے "اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور" دفعہ ۲ الف۔

"وہ لوگ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائیں اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی خاطر لڑیں اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جن کی موت عصبیت پر آئے"

(سنن ابی داؤد۔ حدیث ۵۱۲۱)

ٹی۔وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کو اسلامی اقدار اور دینی شعائر کے خلاف منظم طور پر استعمال کیا گیا "مسلم قومیت" اور جذبہ جہاد کو جس نے ۱۹۶۵ء میں پوری قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا تھا اور جس کی بدولت دنیائے اسلام کی ہمدردیاں ہمیں حاصل ہوئی تھیں مسلمانوں کے ذہنوں اور دلوں سے کھرچا جانے لگا۔ نئی نسل کو فیشن پرستی، عریانی و فحاشی، فضول خرچی، مغربی تہذیب اور تن آسانی کا مسلسل سبق پڑھایا گیا۔ طلبہ آزاد سیاسی شعبدہ بازوں نے طلبہ کو نعرہ بازی، بدنظمی، خود غرضی، آوارگی، لاقومیت اور مادر پدر آزادی کا ایسا سبق پڑھایا کہ وہ تعلیم و تربیت سے محروم اور تعلیم گاہیں اور یونیورسٹیاں سیاسی دنگل بن کر رہ گئیں۔ قوم کا شیرازہ منتشر ہوا اور غیر ملکی ایجنٹوں کو کھل کھیلنے کے پورے مواقع میسر آ گئے۔

ادھر "بنگالی قومیت" کے علمبردار جو مرکزی حکومت اور سرکاری افسران کی غلط کاریوں اور خلاف اسلام پالیسیوں کے نتیجے میں بیرونی امداد اور سرمایہ کے زور پر مشرقی پاکستان کی بساط سیاست پر چھا گئے تھے بھارتی فوج کا ہراول دستہ بن گئے۔ ادھر مرکز میں عالمی سازش کا جال فوجی ہائی کمان تک پھیل چکا تھا جس نے سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کے منتخب صدر جنرل محمد ایوب خان کی جگہ جنرل یحییٰ جیسے عیاش، مے خوار کو قوم کی گردن پر مسلط کر دیا۔ اس مے خوار نے حالات کو سیاست دانوں کی مدد سے آئینی اور سیاسی طور پر حل کرنے کے بجائے پاکستانی فوج کو تشدد کے ایسے ہولناک راستے پر ڈال دیا کہ بہت سے مقامات پر اس کی دست برد سے مشرقی بازو کے پرامن مسلمان بھی بلبلا اٹھے، اور فوج ان کے تعاون سے محروم ہو کر خوفناک دلدل میں جا پھنسی۔

اس ہمہ گیر تیاری کے بعد روس کی کھلی امداد اور مغربی طاقتوں کی شہ پر ۱۹۷۱ء

میں جب بھارتی سورما مشرقی پاکستان میں داخل ہوئے تو بظاہر اسباب میں انہیں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہ ہونا چاہئے تھا' لیکن ان حوصلہ شکن حالات میں بھی پاکستان کی غیور و جانباز فوج نے 'اور مشرقی پاکستان کے علماء کرام' دینی مدارس کے طلبہ' عام دیندار مسلمانوں اور رضاکاروں نے اس طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر اسلامی غیرت و حمیت اور مومنانہ ایثار و شجاعت کی مثالیں قائم کیں' ____ مغربی پاکستان میں بھی جذبہ جہاد تمام مخالفانہ سازشوں کے باوجود شعلہ جوالہ بن گیا' ہر بچہ اور بڑا جنگی تربیت لینے اور محاذ پر جانے کے لئے بیتاب تھا' دارالعلوم کراچی میں بھی رائفل ٹریننگ جاری تھی جس میں راقم الحروف کو بھی شرکت کا موقع ملا' ___ لیکن سیاسی بازی گروں اور عسکری قیادت کا گٹھ جوڑ کچھ اور ہی طے کر چکا تھا ____ اچانک یحیی خان نے مشرقی پاکستان میں اپنی ۹۳ ہزار مومن فوج کو بھارتی جرنل کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیدیا۔ ہتھیار ڈالنے کا شرمناک منظر ٹیلیویژنوں پر دکھا کر اس بہادر فوج کو رسوا کیا گیا' جس کی شجاعت و مہارت کا لوہا پوری دنیا میں مانا جاتا تھا۔

جب تک بھارتی سورما مشرقی پاکستان میں ننگی جارحیت کرتے رہے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل دم سادھے رہی' پاکستان کے دو لخت ہوتے ہی سلامتی کونسل نے چین کا سانس لیکر فیصلہ صادر کر دیا کہ "اب جنگ بند کر دی جائے"۔

ہمارے ۹۳ ہزار کڑیل جوان جو آخر دم تک بھارتی فوج سے لڑنے اور فتح یا شہادت کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھے' مشرقی پاکستان سے بھارت کی قید میں دھکیل دیئے گئے ____ مشرقی پاکستان کے جن علماء کرام' دینی مدارس کے طلبہ اور مجاہد رضاکاروں نے پاکستان اور نظریہ پاکستان کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی تھی ان پر وہ مظالم توڑے گئے کہ چنگیزیت بھی شرما جائے ____ عرب ممالک بھی جو اس وقت تک "عرب قومیت" کے جال سے آزاد نہیں ہوئے تھے اس خونی ڈرامے پر خاموش تماشائی بنے رہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بھارت کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے یہ خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ

"ہم نے دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے" اور ایک نجی مجلس میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ "اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہو گا۔"

چنانچہ اب سندھ میں بھی انہی ہتھکنڈوں سے بھارت اس حد تک کامیابی حاصل کر چکا ہے کہ اب جبکہ عرب ممالک تو "عربی قومیت" کے تلخ و سنگین نتائج بھگت کر "اسلامی قومیت" کی طرف واپس آرہے ہیں' بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر بھی "بنگالی قومیت" کا فریب کھل چکا ہے۔ لیکن پاکستان میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے۔ جن پر ملی وحدت کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ اصل دشمن کو پہچاننے کے بجائے لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹنے لگا ہے — آنحضرت ﷺ کی اس وصیت کو بھلا دیا گیا ہے جو آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دلسوزی سے فرمائی تھی کہ:

"لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"

"میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو۔"

(صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۱۸)

ہر خود ساختہ لسانی اور وطنی گروہ اپنے مقتولوں کو "شہید" کہتا ہے' لیکن رحمت اللعالمین ﷺ عصبیت جیسی ناحق لڑائی میں مارے جانے والوں اور مارنے والوں کے بارے میں بتا چکے ہیں کہ:

"اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ

"جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر آپس میں لڑیں اور
ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کر ڈالے تو قاتل اور مقتول
دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل
کرنے کا تھا)"

(سنن نسائی صفحہ ۳۰۳)

یہ سب حالات خود بخود بھارت کے لئے میدان ہموار کر رہے ہیں اور وہ بے تابی سے اس وقت کا منتظر ہے جب:

(۱)۔۔۔ پاکستان کی حکومت کمزور ہاتھوں میں چلی جائے اور یہاں لسانی اور وطنی قومیتوں کی بنیاد پر مزید خون خرابہ ہو۔

(۲)۔۔۔ آس پاس کے مسلم ممالک سے ہمارے تعلقات کشیدہ ہوں، پاکستان کو مجاہدین افغانستان کی امداد سے روک دیا جائے اور اسکے نتیجے میں پاکستان کو افغانستان کی برادرانہ دوستی سے پھر محروم کر دیا جائے۔ (جنیوا سمجھوتہ اسکا پہلا قدم ہے۔)

(۳)۔۔۔ پاکستان کی سیکولر سیاسی جماعتیں مشرقی پاکستان کی طرح عوام کو پھر سڑکوں پر لاکر اپنی ہی فوج سے بھڑوا دیں۔

اللہ وہ وقت کبھی نہ لائے مگر بھارت، روس اور امریکہ کی توانائیاں ان سب منصوبوں پر دریا دلی سے خرچ ہو رہی ہیں ان کے گماشتے ہمارے اندر گھس چکے ہیں۔۔۔۔۔
اس شور شرابے میں اقبال مرحوم کی یہ صدا کون سنے اور کون سنائے؟ کہ ؎

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے' تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ' زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

جہاز ملتان کی طرف محو پرواز تھا اور میرا تصور اس سے بھی تیز رفتاری سے پاکستان کے ماضی اور حال کی فضاؤں میں پرواز کرتے کرتے کبھی "سیاچن" کے برفستان میں پاکستانی فوج کے ان سرفروشوں کی بلائیں لینے لگتا جو ملک وملت کے دفاع کے لئے اکیس ہزار ۲۱۰۰۰ ہزار فٹ کی بلندی پر موت سے پنجہ آزمائی کر رہے ہیں۔ جن کے سینوں میں ایمان کی کڑکتی ہوئی بجلیاں برف کے بلاخیز طوفانوں کو جھلسا کر تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہی ہیں ـــــ اور کبھی یہ تصور افغانستان میں ان سرکف مجاہدین کا نظارہ کرنے لگتا جن کے نعرہ "اللہ اکبر" سے کمیونزم کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ جن کی توپوں کی گھن گرج امت مسلمہ کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ ؎

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ہم صبح ۹ بجے ملتان پہنچ گئے' پروگرام کے مطابق وہاں کے ایک معروف دینی مدرسے میں پہنچے' جہاں کچھ اور ساتھی بھی آکر قافلہ میں شامل ہوگئے۔ اور تقریباً ۱۱ بجے کرایہ کی ایک بڑی ویگن میں یہ قافلہ ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف روانہ ہوگیا۔

قافلے کے رفقاء:

ہمارا یہ قافلہ مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھا:

(۱) استاذ محترم حضرت مولانا سبحان محمود صاحب دامت برکاتہم (دارالعلوم کراچی)
(۲) استاذ محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
(بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس پاکستان)

(۳) جناب مولانا اسعد تھانوی صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر)

(۴) برادرِ عزیز جناب سید محمد بنوری صاحب (نائب مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

(۵) مولانا عزیز الرحمن صاحب (استاذ و نگران تعلیمات دارالعلوم کراچی)

(۶) مولانا محمد اسحاق صاحب (استاذ و مدیر دارالافتاء دارالعلوم کراچی)

(۷) (میرے بیٹے) مولوی محمد زبیر عثمانی (متعلم درجہ تخصص فی الفقہ دارالعلوم کراچی)

(۸) مولانا مفتی نظام الدین صاحب (استاذ و مفتی جامعہ فاروقیہ کراچی)

(۹) مولانا محمد عادل خان صاحب (استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی و مدیر ماہنامہ "الفاروق")

(۱۰) مولانا محمد عابد صاحب (استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی)

(۱۱) جناب مولانا قاری بدیع احمد صاحب (امام و خطیب جامع مسجد ... گلشن اقبال کراچی)

(۱۲) مولانا سعادت اللہ صاحب (ناظم المرکز الاسلامی کراچی)

(۱۳) مولانا شاہد محمود صاحب (ناظم المرکز الاسلامی اسلام آباد)

(۱۴) جناب سرور الحسن صاحب (منتظم ادارۃ المعارف کراچی)

(۱۵) جناب ہارون صاحب (کراچی)

(۱۶) جناب محسن منظر صاحب (منتظم جامعہ فاروقیہ کراچی ...)

(۱۷) ناچیز راقم الحروف (خادم دارالعلوم کراچی)

حسرتِ تکمیل

ویگن شمال کی طرف تیزی سے دوڑ رہی تھی، اور یہ تصور بڑا پُرکیف تھا کہ ہم مسلسل محاذِ افغانستان کی طرف بڑھ رہے ہیں، لیکن مجھے اب بھی یہ بات ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی کہ میں جہاد میں عملی حصہ لے سکوں گا۔ کیونکہ تقریباً ۱۸ سال سے ریڑھ کی ہڈی کے نچلے مہروں میں تکلیف ہے۔ ۱۹۷۰ء میں ان مہروں میں تجاوز کی ابتدا ہوئی کہ دس سال تک جسمانی محنت و مشقت کے کاموں سے تقریباً معذور رہا، اور جب ذرا بے احتیاطی ہوئی، ہفتوں صاحبِ فراش رہنا پڑا۔ اب تقریباً آٹھ سال سے مرض میں وہ شدت تو نہیں، لیکن ہر قدم اور حرکت میں احتیاط رکھنی پڑتی ہے۔ اب بھی سڑک اور ریل کے سفر سے

تکلیف بڑھ جاتی ہے ناہموار سڑک نہیں ہو سکتا ٹیک کے بغیر بیٹھنا بھی دشوار ہے۔

ساتھیوں نے اسی وجہ سے مجھے اگلی سیٹ پر بٹھا دیا تھا کہ وہ بھی [illegible] ہیں
اپنی اس حالت پر شرم آرہی تھی مگر اس خوف سے دم سادھے بیٹھا رہا کہ پیچھے کوئی بڑا جھٹکا
لگ گیا تو اس مقدس سفر ہی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ساتھیوں کو بھی تکلیف ہوگی۔

میں سوچ رہا تھا کہاں تو یہ جنون تھا کہ لڑکپن اور جوانی میں شوق جہاد کی خاطر جسموں کا زور
رہا، بندوق کا شکار، گھڑ سواری اور ورزش کی عادت بھی اسی شوق کی رہین منت تھی انہیں
وہی پسند تھے جو جہاد میں کام آسکیں ایسی اور اونچی چھلانگوں، دوڑ لگانے میں اپنے ہم
عمروں سے آگے رہتا تھا گرم پانی وضو میں استعمال کرتا تھا نہ غسل میں دسمبر اور جنوری کی
سخت سردیوں میں بھی جب پنجاب یا صوبہ سرحد جانا ہوا تو وہاں بھی صبح کو رات کے باسی
ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے عجیب کیف محسوس ہوتا تھا پیش نظر یہی تھا کہ کبھی جہاد کا موقع
نصیب ہوا تو یہ عادتیں کام آئیں گی ___ لیکن کمر کی اس مسلسل معذوری نے سارے
عزائم پر پانی پھیر دیا اسی وجہ سے مجھے اس تکلیف کا غم بہت ہے۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی قدر اب معلوم ہوتی ہے کہ:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ
الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ"

"دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکہ میں پڑے
رہتے ہیں صحت اور فراغت (کہ ان کی قدر نہیں کرتے جب
چھن جاتی ہیں تو پچھتاتے ہیں)۔"

(صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق [illegible])

تقریباً نو سال پہلے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جہادِ افغانستان شروع ہوا تو دیرینہ آرزو کی تکمیل کا وسیع میدان سامنے آگیا — لیکن صحت تھی تو جہاد کا موقع نہ ملا، موقع ملا تو صحت نہ رہی۔

یہیں سامنے ہے، شکستہ ہیں بازو
تہی ہو رہے ہیں، ہم آزاد ہو کر

مسرت و حسرت کے ساتھ جہادِ افغانستان کے ایمان افروز حالات پڑھتا اور سنتا رہا، افغان مجاہدین اور ان کے رہنماؤں سے بکثرت طویل ملاقاتیں ہوئیں، یہ حضرات دارالعلوم بھی تشریف لاتے رہے، جن میں کئی علماءِ کرام دارالعلوم کراچی کے فارغ التحصیل ہیں، دارالعلوم کے بہت سے طلبہ سالانہ تعطیلات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جہاد میں لگاتے رہے۔ مجاہدین سے افغانستان کی سیاسی اور حربی تفصیلات اور مختلف معرکوں کی چھوٹی چھوٹی جزئیات بھی معلوم کرتا رہا، لیکن جب وہ محاذ پر جانے کے لئے رخصت ہوتے تو میرے پاس اپنے جانے کی صرف حسرت رہ جاتی، اللہ تعالیٰ سے یہی مسنون دعا کرتا کہ:

"اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَّالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا قَوِّنِيْ عَلَى الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِكَ"

"یا اللہ! آپ جو کہ صبح کو نمودار کرنے والے، اور رات کو آرام کے لئے بنانے والے، اور سورج اور چاند کو وقت کے حساب کا ذریعہ بنانے والے ہیں، مجھے اپنے راستہ میں جہاد کی قوت عطا فرمادیجئے۔"

(مناجاتِ مقبول، ۲۴، ۱۶۱)

اور کبھی یہ دعا کرتا کہ:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ"

"اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما"

اور ناچاری کے عالم میں حضرت مرشد عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اکثر زبان پر آجاتا کہ:

اب ہوں کسی کے جذب کرم ہی کا منتظر
میری طلب تو ہے، مری تاب و تواں سے دور

یہ اسی "جذب کرم" کا صدقہ ہے کہ کمر کی اس تکلیف کے باوجود آج یہ ناکارہ بھی جوانی میں نہ سہی، عمر کی ۵۳ ویں منزل میں مجاہدین کے اس قافلے میں شامل ہو گیا ؏

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ملتان سے تقریباً ۷ بجے چلے تھے۔ ۱۰ بجے کے قریب راستے کے ایک قصبہ میں نماز ظہر ادا کی۔ مسجد کے امام صاحب اور کئی نمازیوں نے ہمیں پہچان لیا، وہ خوشی اور تواضع سے بچھے جا رہے تھے، اور گھر لے جانے پر مصر تھے، بمشکل ان سے اجازت لی، ایک سرائے نما ہوٹل میں کھانا کھایا، اور آگے روانہ ہو گئے ____ عصر کی نماز بھکر ضلع میانوالی کی ایک مضافاتی مسجد میں ادا کی، اور ویگن پھر تیزی سے شمال کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہمیں آج مغرب تک ڈیرہ اسماعیل خان پہنچنا تھا، اور رات ہی کے کسی حصہ میں اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جانا ضروری تھا۔ اس پورے سفر کا انتظام ہماری درخواست پر پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکت الجہاد الاسلامی" نے کیا تھا، جس کے کئی ذمہ دار حضرات ہمارے رفیق سفر تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم مغرب سے کچھ پہلے ہی ڈیرہ اسماعیل خان میں تنظیم کے مقامی دفتر پہنچ گئے، دفتر کے ناظم جناب قاری نعمت اللہ صاحب انتظار میں باہر کھڑے تھے، وہ اور ان کے ساتھی خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ سادہ سی دو منزلہ

عمارت کے ایک کمرے میں یہ دفتر' مجاہدین کے لئے راحت کی ایک منزل کا کام دیتا ہے — نہ جانے اب تک کتنے غازیوں اور شہیدوں کی منزل بن چکا ہے — جس صادق اور بے سروسامانی میں افغانستان کا یہ جہاد ہو رہا ہے ' وہی اس دفتر میں بھی نمایاں تھی —

اس تنظیم کے جواں سال بانی اور امیر اول جناب مولانا ارشاد احمد صاحب شہیدؒ اب سے صرف ۲ سال قبل جہاد افغانستان ہی کے ایک خونی معرکہ میں اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے ہیں — آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ان گمنام شہیدوں کے تذکرہ کو بھی ان کا حق سمجھتا ہوں کہ ان کی بے زبانی بھی کچھ کہہ رہی ہے — ؎

سر مزار شہیداں بیتے عناں درکش
کہ بے زبانی ما حرف گفتنی دارد

مولانا ارشاد احمد شہید

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب برادر ملک افغانستان پر روس نے بے پناہ فوجی طاقت کے ساتھ یورش کی تو دنیا یہ سمجھ رہی تھی کہ کمیونزم کا یہ سرخ سیلاب جو وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں اور تاشقند ' سمرقند اور بخارا کو تاراج کرتا ہوا افغانستان میں داخل ہوا ہے ' یہاں سے بھی اسلامی اقدار و شعائر کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا اور اس کا اگلا نشانہ پاکستان ہوگا — لیکن افغانستان کے غیور مسلمان انتہائی بے سروسامانی میں محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اور شوق شہادت سے سرشار ہوکر اس طوفان سے ٹکرا گئے — اور یہی جہاد افغانستان کا باقاعدہ آغاز تھا کہ ؎

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس وقت فیصل آباد کے مولانا ارشاد احمد صاحب شہیدؒ کراچی میں درس نظامی کے آخری سال یعنی "دورہ حدیث" میں زیر تعلیم تھے ' عمر کا بیسواں سال تھا ' جہاد کا شوق بچپن ہی سے موجزن تھا ' موقع غنیمت جان کر افغانستان جانے کے لئے تیار ہو گئے — دو اور طالب علم (مولانا) سیف اللہ اختر اور (مولانا) عبدالصمد سیال بھی جو مرحلہ عالیہ کے سال

اول میں زیر تعلیم تھے جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے اور تینوں بغیر کسی کو بتائے ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو بے سروسامانی میں کراچی سے نکل کھڑے ہوئے۔ ؂

تنہا راہِ شوق میں مَنت کشِ رہبر نہیں ہوتا
مرے داغِ جگر کافی ہیں میری رہنمائی کو

مولانا ارشاد احمد صاحب عمر اور علم میں بڑے تھے دونوں ساتھیوں نے سنت کے مطابق ان کو اپنا امیر مقرر کر لیا اس طرح یہ تین مجاہدوں پر مشتمل جماعت وجود میں آئی جو بڑھتے بڑھتے "حرکت الجہاد الاسلامی" کی صورت اختیار کر گئی اس تنظیم کے بانی اور امیر اول مولانا ارشاد صاحب ﷫ پر یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے کہ ؂

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

ان تینوں پر عزم نوجوانوں نے پشاور پہنچ کر افغانستان کے حالات اور وہاں کی مجاہد تنظیموں سے واقفیت حاصل کی اور افغانستان کے مشہور مجاہد عالم دین مولانا ارسلان رحمانی سے منسلک ہو کر معروفِ جہاد ہو گئے۔ پھر مولانا ارشاد احمد صاحب نے اگلے سال جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے دورہ حدیث کا امتحان دے کر سندِ فراغت حاصل کی اور دوبارہ افغانستان جا کر پوری یکسوئی سے جہاد میں منہمک ہو گئے افغان مجاہدین کے شانہ بشانہ مختلف محاذوں پر پاکستانی مجاہدین کی قیادت کرتے رہے اور انتہائی خطرناک مہمات میں پیش پیش رہے۔ ساتھ ہی انہوں نے پاکستان کے دینی مدارس اور جامعات میں دعوتِ جہاد کا کام بھی شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں یہاں کے طلبہ و علماء بھی سالانہ تعطیلات میں محاذ پر جانے لگے۔ ۱۹۸۲ء میں سعودی عرب اور افریقہ کا سفر بھی اسی مقصد سے کیا جس کے امید افزا نتائج سامنے آئے۔

مولانا ارشاد احمد صاحب کی تنظیم "حرکت الجہاد الاسلامی" نو وارد رضاکاروں کو افغانستان لے جا کر چند روز اپنے کیمپ میں تربیت دیتی اور محاذ پر پہنچا دیتی، دارالعلوم کے

بہت سے طلبہ بھی اسی طرح ان کی قیادت میں شریک جہاد ہوتے رہے۔ موصوف اور ان کے جانباز ساتھیوں نے مختلف محاذوں پر سرفروشی کے جو عظیم کارنامے انجام دیئے ان کی داستان بہت طویل ہے، افسوس ہے کہ میں اسے بیان نہ کر سکوں گا۔ لیکن ضرورت ہے کہ کوئی صاحب دل اور صاحب قلم اس کو مرتب کرے تاکہ ان گمنام سرفروشوں نے تاریخ اسلام میں جس حسین باب کا اضافہ کیا ہے، وہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائے۔

موصوف ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم کراچی تشریف لائے، جمعہ کی نماز دارالعلوم کی جامع مسجد میں ادا کی، اور نماز کے بعد میری فرمائش پر حاضرین سے خطاب فرمایا، فضائل جہاد اور افغانستان کے تازہ ترین حالات پر روشنی ڈالی۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ جہاد افغانستان کے سلسلہ میں اپنی آپ بیتی کے بھی کچھ واقعات سنائیں۔ مگر وہ دوسرے مجاہدین کے ایمان افروز کارنامے تو تفصیل سے سناتے رہے، اپنا کوئی واقعہ ذکر نہیں کیا۔ تواضع، تقویٰ اور اتباع سنت کا اہتمام ان کی ہر ادا سے نمایاں تھا، چہرہ پر خشیت و وجاہت کے آثار، گفتگو میں سلیقہ و متانت، مجاہدانہ وقار، دل جذبہ جہاد سے معمور اور خطابت میں وہ سادگی اور تاثیر کہ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا نمونہ ــــــ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔

اسی سال رمضان سے تین ماہ قبل والدین اور اہل خاندان کے اصرار پر فروری ۱۹۸۵ء میں شادی کی اور کچھ روز فیصل آباد میں گھر پر گذار کر پھر جہاد اور دعوت جہاد کی دھن میں نکل کھڑے ہوئے۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ اور عیدالفطر بھی محاذ پر گذری کہ ع

نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

زندگی کا آخری معرکہ

عیدالفطر کے بعد جب دینی مدارس اور جامعات کے طلبہ، سالانہ تعطیلات محاذ پر گذار کر حسب معمول اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں واپس جانے کے لئے پاکستان کا رخ

کر رہے تھے تو کچھ طلبہ نے امیر موصوف سے اصرار کیا کہ ہم واپسی سے قبل آپ کے دوش بدوش ایک اور معرکے میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت یہ حضرات صوبہ "پکتیکا" میں "اورغون" کے محاذ پر تھے مگر یہاں دشمن پر حملہ کرنے کے اسی وقت مواقع نہ تھے، طلبہ کے اصرار پر امیر موصوف صوبہ پکتیکا ہی کے ایک اور محاذ پر "شرنہ" کے افغان کمانڈر مولانا فریدالدین صاحب کے پاس گئے، جو مجاہدین کی کسی اور تنظیم کی طرف سے برسرپیکار تھے۔ امیر موصوف نے ان سے مل کر انہی کے علاقے میں شہر "شرنہ" کی ایک روسی چھاؤنی پر حملہ کا منصوبہ تیار کیا۔ اور مہم پر روانگی کے لئے ۶ شوال ۱۴۰۵ھ (۵ جون ۱۹۸۵ء) کی شام مقرر ہوگئی۔ دشمن کی جس چھاؤنی پر حملہ کا منصوبہ بنایا گیا تھا وہ یہاں سے کم از کم ۵ گھنٹے کی مسافت پر تھی، راستہ پہاڑی، کچا اور سخت دشوار گزار تھا۔۔۔ راستے میں جن جن مقامات سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ تھا وہاں کچھ پہرے داروں کو دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور بر موقع کارروائی کے لئے مامور کر دیا گیا۔

بے سروسامانی

مگر کوئی ایسی گاڑی دستیاب نہیں ہو رہی تھی جس میں مجاہدین اپنا اسلحہ سمیت اس مہم پر روانہ ہو سکیں۔ روانگی کچھ غیر یقینی سی ہوگئی تو جن پہرے داروں کو راستے کے پرخطر مقامات پر مقرر کیا گیا تھا انہیں یہ ہدایت بھی دینی پڑی کہ وہ ان مقامات پر رات کے صرف ۱۰ بجے تک رہیں، اس وقت تک ہم وہاں سے نہ گزریں تو وہ اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے جائیں اور سمجھ لیں کہ حملہ کا منصوبہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔

بالآخر ایک ٹریکٹر اور اس کے پیچھے بندھی ہوئی ایک ٹرالی کسی طرح مل گئی اور پروگرام کے مطابق ۶ شوال کو نماز عصر کے بعد ۵۹ مجاہدین کا دستہ وہاں کے ایک افغان کمانڈر مولانا حمید محمد صاحب کی قیادت میں ٹرالی میں روانہ ہو گیا، اس دستے میں محاذ "شرنہ" کے کئی افغان مجاہدین بھی شامل تھے۔ مغرب کی نماز راستے میں ادا کر کے سفر جاری رکھا گیا، پروگرام یہ تھا کہ رات کے ۱۱ بجے تک "شرنہ" کے قریب پہنچ کر حالات کا جائزہ

لیں گے اور صبح صادق کے فوراً بعد نماز فجر پڑھ کر چھاؤنی پر حملہ کر دیا جائے گا۔

تقدیر کا فیصلہ

ہوا یوں کہ مجاہدین کا یہ دستہ راستے کی غیر معمولی خرابی اور صعوبتوں کے باعث ان مقامات سے رات کے دس بجے تک نہ گذر سکا جہاں پہریدار مقرر کئے گئے تھے، وہ طے شدہ قرارداد کے مطابق دس بجے کے بعد وہاں سے ہٹ گئے اور یہ سمجھ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے گئے کہ حملہ ملتوی کر دیا گیا ہے ادھر دشمن کو مجاہدین کے دستہ کی مخبری ہو گئی تھی، اس نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی چھاؤنی سے کافی دور آگے آکر راستے کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر پوزیشن سنبھال لی، اور اپنی پشت پر بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک کھڑے کر دیئے۔ پہریداروں کے ہٹ جانے کے باعث یہ مقام اس کو خالی مل گیا تھا۔ رات کے تقریباً ۱۱ بجے جیسے ہی مجاہدین کی ٹولی وہاں پہنچی، دشمن نے تین طرف سے محاصرہ کر کے اچانک حملہ کر دیا۔ اس محاذ پر چھ سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ دشمن نے خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی جرأت کی تھی، جاسوسوں کی بروقت مخبری نے اس کو حوصلہ دے دیا تھا تاریکی میں مجاہدین کو حملہ کی خبر اس وقت ہوئی جب دشمن کا پہلا گرینیڈ (دستی بم) اس ٹولی پر آکر پھٹا جس سے یہ ٹولی بندھی ہوئی تھی، ٹرک میں آگ لگی تو دشمن کو اپنا ہدف صاف نظر آگیا۔

ٹولی پر گولوں، دستی بموں اور گولیوں کی بارش شروع ہو گئی، کچھ مجاہدین ٹولی سے چھلانگ لگا کر پوزیشن لینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ٹولی کی آڑ سے جوابی فائرنگ شروع کر دی، گولوں اور بموں کی خوفناک آوازوں سے سارے پہاڑ لرزہ براندام تھے، انہی آوازوں میں کچھ سرفروشوں کا نعرہ "اللہ اکبر" بھی گونج رہا تھا ــــ مولانا ارشاد احمد صاحب بھی ان جانبازوں میں شامل تھے جو ٹولی سے اترنے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر ان کو گولیوں کی باڑھ لگ چکی تھی، جس کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح چند قدم دشمن کی طرف کلاشنکوف چلاتے ہوئے بڑھے مگر جسم کا خون بہت بہہ چکا تھا، جذبے کی

سکت نہ رہی تو دشمن کی طرف پوزیشن لے کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا لگا کر فائر کرتے رہے ۔ اب ان کے نعرہ تکبیر کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا کلمہ بھی سنائی دے رہا تھا ' پھر یہ آواز بیٹھتے بیٹھتے خاموش ہو گئی ـــــ اس کلمہ پر جان دینے والا مجاہد اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا ـــــ شہادت کے وقت عمر ۱۸ سال اور ۲۰ دن تھی اور شادی کو صرف ۸۰ دن ہوئے تھے ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس وقت جنگ کی صورت حال یہ تھی کہ جو مجاہدین دشمن کی اندھا دھند فائرنگ کی وجہ سے فوراً ازالی سے نہ کود سکے وہ اسی میں گھرے رہ گئے ۔ جس میں لگی ہوئی آگ دم بدم بڑھ رہی تھی ' کچھ مجاہد ازالی کے اردگرد زخمی پڑے تھے ' کچھ جانباز ازالی کے اندر اور اس کے اردگرد جام شہادت نوش کر چکے تھے اور جن کو موقع مل گیا تھا ' وہ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح "فتح یا شہادت" کی جنگ لڑ رہے تھے ۔ اس مہم کے افغان امیر مولانا عبید محمد صاحب اور دارالعلوم کراچی کے طالب علم مولوی عبدالحلیم سلمہ گولوں اور گولیوں کی بارش میں زخمی ساتھیوں کو کندھے پر اٹھا اٹھا کر محفوظ مقامات پر پہنچانے لگے اور بحمداللہ سلامت رہے ۔

تائید غیبی

اسی دوران اس بارود نے آگ پکڑلی جو ازالی میں رکھا ہوا تھا ' وہ پھٹنا شروع ہوا اس کے خوفناک دھماکوں نے ایک نئی قیامت برپا کر دی ۔ ۔ ۔ لیکن جس ذات باری تعالیٰ کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس نے انہیں دھماکوں کو نصرت کا سامان بنا دیا کہ ازالی میں رکھے ہوئے راکٹ لانچروں میں سے ایک راکٹ کو قدرت کے غیبی نظام نے اس طرح چلایا کہ اس کے پچھلے حصے میں آگ لگی ' جس کے باعث راکٹ تیزی سے نکل کر سیدھا دشمن کی طرف بڑھا اور چشم زدن میں خوفناک دھماکے کے ساتھ ایک ٹینک تباہ

کو آپ لوگوں تک براہ راست یا ڈاک کے ذریعہ پہنچا دے گا۔"

چنانچہ میں ان کی شہادت کے بعد ہی گھر پہنچا تو صفحات کے اس وصیت نامہ کی ہر سطر ایمان افروز ہے تحریر یہاں اس کے خاص خاص حصے نقل کرتا ہوں۔ حمد وصلوۃ کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"بندہ گنہگار، رحمت حق کا امیدوار تحریر کرتا ہے میں بہ طیب خاطر جہاد فی سبیل اللہ کیلئے چند رفقاء ومخلصین کی معیت میں افغانستان جا رہا ہوں الحمد للہ جانے کا سبب زندگی سے کسی قسم کی مایوسی نہیں اور نہ ہی زندگی کی مشکلات سے گھبرا کر موت کی تلاش میں نکل رہا ہوں، بلکہ مقصد صرف ــــ اور صرف ــــ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ اعداء اسلام کے خلاف برسرپیکار ہونے کی توفیق عطا فرمائے کفر کو مغلوب بلکہ نیست و نابود فرمائے، اور کفر پر ایسی کاری ضرب لگائے کہ قیامت تک اسلام کی طرف آنکھ اٹھانے کے قابل نہ رہے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اور اس مقصد کیلئے بندہ، اللہ عزوجل و خدائے بزرگ و برتر سے ایک طویل زندگی کا خواستگار ہے کہ اس میں ایک منظم کوشش کروں کہ جس سے اللہ تعالیٰ اسلام کو پورے عالم اسلام میں پوری آب وتاب اور شان وشوکت کے ساتھ مکمل طور پر زندہ و نافذ فرمائیں" وإلى الله ترجع الأمور وهو الموفق لكل خير

لیکن موت نہ اپنی آمد سے پہلے اطلاع کرتی ہے اور نہ وقت

مقررہ سے مقدم مؤخر ہوتی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
الْمَوْت (ترجمہ) ہر نفس اپنے وقت مقررہ پر موت کو چکھ کر
رہے گا۔" اور خصوصاً جب آدمی میدان کارزار میں مختلف
ہو کر نکلتا ہے تو وہ موت کا بھی تمنائی نہیں مشتاق اور امیدوار
ہو جاتا ہے بعوض حیات کے۔"

آپ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں محمد احمد اور عزیز احمد کو دینی تعلیم حاصل کرنے کی مفصل ہدایت دے کر لکھتے ہیں کہ:

"اگر تم نے قرآن و حدیث اور فقہ کو باقاعدہ پڑھا اور سمجھا تو
معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کا آپ سے کیا تقاضہ ہے؟ اور
سرور کائنات سرور دوجہاں ﷺ نے اس مکمل ضابطہ حیات کو
دنیا کے اندر کس طرح رائج کیا؟ اس اسوۂ حسنہ کے تحت ہر
زمانے میں اسلام کو عالم میں رائج کیا جاسکتا ہے۔ علوم کی تکمیل
کے بعد اس عمر کے مقتضی کے مطابق اسلام کو مکمل طور پر
پوری دنیا میں رائج کرنے کی کوشش شروع کر دو۔ انجام واللہ
کے حوالے کر دو۔ اس کوشش میں اگر تمہاری زندگی صرف
ہوگئی تو اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔ لا تخافوا اتقی
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا! ان کاموں میں اس کی مدد پر اعتماد کر کے
توکل کیا جائے اگرچہ اس میں فن روزی کا بھی استعمال بقدر
کفایت ہو تو حرج نہیں یہ بھول جانا کہ یہ لوٹ یا تنخواہ وغیرہ کے
بھروسے پر خدمت دین کرو لیکن اگر حالات مجبور کر دیں تو بقدر
ضرورت تنخواہ وغیرہ لے کر دین کی خدمت کرنا بھی نہ کرنے سے
ہزاروں درجہ بہتر و افضل ہے۔ تحریر و تقریر اور اشاعت علم

بہت ضروری ہے اور یہ واجبات معاشرے کی روح ہوتے ہیں، لیکن دین کو اس میں محدود مت سمجھو بلکہ جہاد جیسے احکام کی طرف بھی اولیٰ اور پوری توجہ دو۔"

آگے اپنے والدین کو وصیت کرتے ہیں کہ:

"والد صاحب اور والدہ صاحبہ اور دیگر قرابت داروں سے گذارش ہے کہ اگر مجھے اس سیہ کاری کے باوجود بھی شہادت فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مقام نصیب ہو تو آپ لوگ سرعام خوشی منائیں اور یہ سمجھیں کہ ہماری محنت ضائع نہیں گئی ہم نے اللہ کی عطا کردہ اولاد کو اللہ کے نازل کردہ دین کی تعلیم دلانے کے بعد اللہ کے حکم کو بلند کرنے کیلئے قربان کر دیا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا جذبہ رکھنا چاہئے کہ وہ لوگ اپنی اور اپنے ابناء (بیٹوں) کی شہادت کو کتنا مرغوب و محبوب رکھتے تھے۔"

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے بر سر میداں مگر جھکی تو نہیں

آگے رشتہ داروں کو وصیت فرماتے ہیں کہ:

"نوحہ اگر یہ حد شرع سے متجاوز ہو کر ہرگز نہ کیا جائے اگر کسی کو توفیق ہو تو وہ میری شہادت یا سعادت پر ایسی خوشی منائے جیسی کہ لڑکا پیدا ہونے پر منائی جاتی ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور سب اقربا و احباب خصوصاً والد صاحب، والدہ محترمہ، بھائیوں، بہنوں کی جانب سے عرض ہے کہ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس قربانی کو قبول فرمائیں، اور نیت میں خدانخواستہ کوئی ریاء وغیرہ کا شائبہ ہو تو اس کو معاف فرمائیں اور اس عمل کو خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنائیں۔ والسلام آپ کا بیٹا نعمان، شہید ان شاء اللہ۔

○

ناچیز کو جب اس جوان سال امیر المجاہدین کی شہادت کی خبر ملی اور فیصل آباد جانا ہوا تو ان کے ضعیف والد صاحب کی خدمت میں بھی تعزیت کیلئے حاضر ہوا، صبر و استقامت کے اس پیکر کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو تو چھلک آئے مگر زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعاؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔

مولانا ارشاد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جن ۱۲ جانبازوں نے جام شہادت نوش کیا ان میں چھ افغان اور چھ پاکستان کے دینی مدارس کے طلبہ تھے، ان میں دو طلبہ دارالعلوم کراچی کے تھے۔

شرعی ضابطہ یہ ہے کہ معرکۂ جہاد میں شہید ہونے والوں کو نہ غسل دیا جاتا ہے نہ کفن، بلکہ اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ كَلْمٍ يُكْلَمُ
فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهِ
حِينَ كُلِمَ لَوْنُهُ لَوْنُ دَمٍ وَرِيحُهُ مِسْكٌ"

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو

زخم بھی اللہ کے راستے میں لگتا ہے وہ قیامت کے دن اسی حالت میں (بہتا ہوا) آئے گا جس حالت میں زخم لگنے کے وقت تھا، اس کا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی ۔"

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ ۔ صفحہ ۱۳۷)

یہ مجاہد طلبہ جب ۹ شوال کو محاذ کیلئے روانگی کی تیاری کر رہے تھے تو انہوں نے اس امید پر غسل کیا کہ شہید ہوں گے جن کو میسر ہوئی خوشبو بھی لگائی ۔ عجیب بات یہ ہے کہ غسل کرنے والے تمام ہی طلبہ کو شہادت نصیب ہوئی ۔

یہ گمنامی میں اپنا سفر حیات پورا کرنے والے پاکباز شہداء جو اسلام کی عظمت و حفاظت کیلئے جان کی بازی لگا کر خود تو انشاء اللہ بقول شاعر مشرق ؎

بے تکلف خندہ زن ہیں ، فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

مگر ان کے حالات تو کجا نام بھی معلوم نہیں ، کاش ! میں ہر ایک کے حالات لکھ کر ان کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کر سکتا ۔ :

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

تاہم اپنے ان چھ جگر گوشوں ——— دارالعلوم کراچی کے ہونہار طلبہ کا مختصر تذکرہ تو کر سکتا ہوں ، جو ہماری ہی بے پروائی سے سالانہ تعطیلات میں جدا ہوئے تھے ۔

(۱) قاری امیر احمد شہید گلگتی

حافظ شیر احمد خان کے یہ صاحبزادے گلگت میں پیدا ہوئے ، قرآن کریم حفظ کر کے فن قرات و تجوید کا دو سالہ نصاب مدرسہ تجوید القرآن راولپنڈی میں مکمل کر کے

درس نظامی کیلئے دارالعلوم کراچی میں "مرحلہ متوسطہ" میں داخل ہوئے اس وقت عمر ۱۲
یا ۱۳ سال تھی پھر آخر تک یہیں زیر تعلیم رہے' شہادت کے وقت عمر ۲۰ سال ہونے کو
تھی' مرحلہ عالیہ کی تکمیل کر چکے تھے' صرف ۲ سال کی تعلیم باقی رہ گئی تھی ۔۔۔
امتحانات میں اول آتے اور انعامات حاصل کرتے رہے۔

نماز پنجگانہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام تھا' ہر جمعرات اور پیر کو روزہ
رکھتے تقریباً نصف شب تک اسباق کے مطالعہ اور تکرار (مذاکرہ) میں مشغول رہتے'
اخیر شب میں پھر اٹھ کر اسباق کو یاد کرنے میں منہمک ہو جاتے۔ اپنی ان صفات کے باعث
اساتذہ کرام کے منظور نظر تھے۔

شہادت سے ایک سال قبل ۱۹۸۸ میں جب دارالعلوم کی سالانہ تعطیلات
ہوئیں تو والدین سے' اجازت پہلے سے لے رکھی تھی' یہاں سے سیدھے افغانستان جا کر
شریک جہاد ہوئے' اور تعطیلات ختم ہونے سے پہلے' وہیں سے چند روز کیلئے اپنے گھر ملتان
بھی گئے۔ کراچی واپسی کے وقت والدین سے آئندہ سال (تعطیلات میں) پھر جہاد میں
جانے کی اجازت طلب کی تو والد صاحب نے فرمایا:

"ایک مرتبہ تم جہاد میں حصہ لے چکے ہو' حافظ' قاری بھی
ہو چکے ہو' مزید تعلیم میں مشغول رہو' کہ تحصیل علم بھی بذات
خود جہاد ہے۔"

بیٹے نے ادب سے عرض کیا:

"جہاد افغانستان میں ہمیں جن حالات وواقعات کا مشاہدہ ہوا
ہے ان کی موجودگی میں خاموش تماشائی بن کر بیٹھ رہنا' غیرت
ایمانی کے خلاف ہوگا' وہاں ماؤں بہنوں کی عصمتیں لٹ گئیں'
مساجد اور مدارس کو مویشی خانہ بنا دیا گیا' آبادیاں ویران اور
فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔"

والد صاحب نے ان کا جذبہ دیکھ کر دوبارہ جہاد میں شرکت کی اجازت دیدی مگر ساتھ

کہا:

"بیٹا! ہمارا بھی تم پر حق ہے، سال بھر نظروں سے دور رہتے ہو، ہم تمہارے آنے پر خوشی مناتے ہیں، کم از کم تعطیلات تو ہمارے ساتھ گذار لیا کرو۔"

عظیم بیٹے نے لجاجت سے کہا:

"پیاری امی! میں نے دنیا کی چند روزہ خوشیاں آخرت کی دائمی خوشیوں پر قربان کردی ہیں، اب دنیا کی خوشیوں کی توقعات میرے ساتھ وابستہ نہ رکھیں، انشاء اللہ آخرت میں ہم سب کو دائمی خوشیاں ملیں گی۔"

ماں کی مامتا نے بھی اجازت دیدی۔

چنانچہ اگلے سال تعطیلات میں دوبارہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوست کے محاذ پر پہنچ گئے، اور ۵ شوال ۱۴۰۵ھ کو "خرنہ" کے خوں ریز معرکے میں جام شہادت نوش کیا۔ لیکن

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

(۴) حافظ محمد عبید اللہ شہید گلگتیؒ

حاجی عبدالخالق صاحب کے یہ ہونہار فرزند ۱۹۶۴ء کو گلگت میں پیدا ہوئے، مقامی اسکول میں چوتھی جماعت تک پڑھنے کے بعد اسکول کے ماحول سے دل اچاٹ ہوگیا، اور دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، مگر اس کے مواقع میسر نہ آئے تو پانچ ماہ تبلیغی جماعت میں لگایا، پھر سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کراچی میں داخل ہوئے، ان کے والد صاحب کا بیان ہے کہ "میں نے ان کو ہدایت کردی تھی کہ ۳ سال سے پہلے گھر نہ آنا" چنانچہ ۳ سال تک تعطیل کا زمانہ تبلیغ میں لگاتے رہے، ۳ سال بعد ۱۹۸۶ء میں گھر آئے تھے لیکن ۱۹۸۵ کی

تعطیلات سے پہلے انہوں نے ایک خط میں لکھا کہ:

"میری تمنا ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے حضور ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کروں اس لئے آپ مجھے جہاد افغانستان میں شرکت کی اجازت دیدیں۔"

میں نے تعطیلات میں محاذ پر جانے کی اجازت دیدی"۔

چنانچہ یہ بھی تعطیلات میں ارغون کے محاذ پر چلے گئے اور [illegible] شرنہ کے معرکے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ"

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے انہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے اور ان نعمتوں سے خوش ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔" (سورہ آل عمران ۱۶۹، ۱۷۰)

(۳) عبدالواحد شہید ایرانی

ایران کے سنی خاندان کے یہ فرزند ارجمند دینی تعلیم کی پیاس لے کر پاکستان آئے اور مختلف مدارس میں زیر تعلیم رہے پھر دار العلوم کراچی میں داخلہ لے لیا۔ ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ مسلم قوم کو جہاد کے بغیر عزت نہیں مل سکتی۔ [illegible] کی سالانہ تعطیلات میں ارغون کے محاذ پر مصروف جہاد رہے اور شرنہ کے معرکہ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔

سروری مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

(۴) عبدالرحمٰن شہید افغانی

یہ محمد اعظم صاحب زرمتی کے فرزند ہیں "افغانستان کے علاقے" "رستاق" صوبہ تخار میں پیدا ہوئے۔ ان کے بعض اہل خاندان اور رشتہ داروں کو ظالم روسی فوج نے شہید کر دیا تھا، یہ اس وقت بچے تھے، خاندان سے بچھڑ گئے، کسی نہ کسی طرح مہاجرین کے قافلہ میں شامل ہو کر پیدل چلتے ہوئے پاکستان پہنچے، اور مختلف دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۴۰۳ھ میں دارالعلوم کراچی میں داخل ہو گئے، اور سالانہ امتحان میں اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوتے رہے، انہیں سے جلد سازی کا کام سیکھ لیا تھا، فارغ اوقات میں طلبہ کی کتابوں کی جلدیں بنا کر جو پیسے مل جاتے ان سے کپڑے وغیرہ بنا لیتے۔ روسی کافروں سے انتقام لینے کا جذبہ انہیں بے چین رکھتا تھا۔ ۱۴۰۵ھ کی تعطیلات میں جبکہ درس نظامی سے فراغت میں صرف ایک سال باقی رہ گیا تھا، انہوں نے محاذ پر جا کر نمایاں کارنامے انجام دیئے، کئی روسیوں کو جہنم رسید کیا، اور تعطیلات کے آخر میں "خوست" کے محاذ پر دلیری سے لڑتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ اس وقت عمر کا چھبیسواں سال تھا۔

۹ شوال ۱۴۰۵ھ کی شام کو جب زندگی کے اس آخری معرکہ کیلئے روانہ ہو رہے تھے، اسی روز پاکستان آنے والے کسی ساتھی کو ایک خط دیا، جو میرے بھتیجے مولوی محمد زبیر عثمانی سلّمہ کے نام تھا۔ یہ دونوں باہم ہم جماعت تھے، وہ خط اس وقت میرے سامنے ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

"بندہ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، تاکہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور باقی سب مجاہدوں کو جہاد و ہجرت کی راہ میں استقامت اور صبر و ہمت عطا فرمائیں، اور اپنی راہ میں قبول فرمائیں، اور تمام مسلمانوں کو اس راستہ میں نکلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور آپ کو بھی، اس لئے کہ اس کے بعد زندگی گزارنا بدون جہاد مشکل ہے۔ جہاد

"ذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ"[1] اسی وقت بن سکتا ہے جب ہم اس دین کی حفاظت کیلئے پوری اپنی جان ومال قربان کردیں، آخر کو مرنا ہے پھر کیوں نہ شہید ہوکر مریں؟ "وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ"[2]

یہ خطاب کی شہادت کے بعد وصول ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ مگر

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

(۵) محمد اقبال شہید گلگتی

عبدالرحمٰن صاحب کے یہ فرزند گلگت میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں دارالعلوم کراچی میں داخل ہو گئے۔ طبیعت میں نفاست وذہانت مگر دل جذبہ جہاد سے معمور تھا۔ ۱۴۰۵ھ کی تعطیلات میں جبکہ تعلیم کا "مرحلہ ثانویہ خاصہ" مکمل کرچکے تھے اور عمر ۲۰ سال تھی، ارغون کے محاذ پر مصروف جہاد رہے، اور ۶ شوال کے معرکہ "شرنہ" میں اپنے امیر کے ساتھ شہادت پاکر ایثار وقربانی کی مثال قائم کرگئے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

(۶) مولوی محمد سلیم شہید برکی

عبدالہادی صاحب کے یہ سعادت مند صاحبزادے ۱۹۶۱ء میں ملک برماشی پیدا

---

[1] یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "جہاد دین کا بلند ترین مقام ہے"۔
[2] یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے "کسی کی جان کو موت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی"۔

ہوئے، وہیں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی اور مسلمانوں پر وہاں کی سوشلسٹ حکومت کے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے جن میں لاکھوں مسلمان اپنا دین اور عزت بچانے کیلئے ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ یہ اس نیت سے پاکستان آئے کہ اسلامی علوم حاصل کر کے اپنے بے کس ہم وطن مسلمانوں کو جہاد کیلئے تیار کریں گے، دارالعلوم کراچی میں ۳ سال زیر تعلیم رہے ۱۹۸۵ء تک مرحلہ عالیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ درس نظامی کے صرف دو سال باقی تھے، جہاد میں جاتے وقت ساتھیوں سے کہا "دعا کرنا کہ مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔"

طبیعت میں ظرافت تھی، محاذ پر عین اس وقت بھی جبکہ توپ اور گولوں کی بارش ہو رہی تھی مجاہدین ان کے مزاحیہ چٹکلوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ ایک مرتبہ انہیں تین رفقاء کے ساتھ گشت کی ڈیوٹی پر بھیجا گیا، واپسی میں یہ چاروں راستہ بھول گئے۔ ایک ساتھی نے مشورہ دیا "مقررہ قاعدہ کے مطابق فائر کرو، ہمارے ساتھی ان کی آواز سن کر جوابی فائر کریں گے، اس سے ہمیں سمت کا اندازہ ہو جائے گا۔" دوسرے ساتھی نے کہا "فائر کیسے کریں؟ ہم دشمن کی چوکی کے بالکل قریب ہیں۔" حلیم بولے:

"آہستہ سے فائر کر دو کہ دشمن نہ سن سکے۔"

۵۔۹۔۸۵ء کے ژرند کے معرکہ میں شدید زخمی ہوگئے، ان کو پاکستان لانے کیلئے ایک اونٹ پر باندھ دیا گیا کہ بیٹھنے پر قادر نہ تھے، دوسرے زخمی ساتھیوں کو بھی اسی طرح اونٹوں پر باندھنا پڑا ____ ابتدائی طبی امداد بھی دور دور میسر نہ تھی، جوان خون مسلسل بہتا رہا، یہاں تک کہ راستہ ہی میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، "ژرند" کے قریب ایک افغانی گاؤں "موسیٰ خیل" میں لاش پہنچائی گئی۔

یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ پچھلے گاؤں "لوٹ وال" کے لوگ آگئے اور "موسیٰ خیل" کے باشندوں سے کہا کہ ہم اس شہید کو بھی اپنے گاؤں لیجانا چاہتے ہیں، تاکہ جہاں ان کے یار اور دیگر شہداء کو رکھا گیا ہے اسی قبرستان میں ان کو بھی رکھا جائے۔ موسیٰ خیل والے کسی طرح تیار نہ ہوئے، ان کا کہنا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ہمیں بخشی ہے، ہم ان کو اپنی بستی میں رکھیں گے"۔ بحث و تکرار کے بعد بالآخر جب ان کو

"موش خیل" ہی میں سپرد خاک کیا جا رہا تھا تو گاؤں والوں کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسو اس پردیسی شہید کو نذرانِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

مرجائے شہیدے ، برگہائے نالہ ی باشم
کہ خونش بانشانِ ملتِ ما سازگار آمد

اس معرکے کے زخمی طلبہ

جو طلبہ زخمی ہو گئے تھے ان کو بروقت تمام تقریباً ۳ دن کے جان توڑ سفر کے بعد پاکستان کے شہر "ٹانک" پہنچا کر ہسپتال میں داخل کیا گیا، جیسے ہی یہ خبر دارالعلوم کراچی پہنچی، یہاں کے دارالطلبہ (ہوسٹل) کے ناظم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب جو طلبہ کیلئے شب و روز ماں باپ کی سی راحت رسانی کی فکر میں رہتے ہیں اور ہونہار طلبہ پر خصوصیت سے بہت شفیق ہیں، بے تاب ہو کر کراچی سے بذریعہ بس روانہ ہو گئے، ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوتے ہوئے ٹانک پہنچے اور ان شاہین بچوں کی دیکھ بھال میں تیمارداروں کا ہاتھ بٹایا۔

انہی زخمی طلبہ میں دارالعلوم کراچی کے طالب علم مولوی محمد سلیم مسلمہ تھے، جن کا دایاں بازو بم کے ٹکڑے اور گولی لگنے سے ٹوٹ گیا تھا، مجھے "شرنہ" کے معرکہ کی بہت سی تفصیلات انہی کی زبانی معلوم ہوئیں ـــــ (باقی تفصیلات حرکۃ الجہاد الاسلامی کے کتابچے "شہداء حرکت الجہاد الاسلامی" سے حاصل کی گئی ہیں۔)

ان گمنام مجاہدین اور شہداء کا تذکرہ اختصار کی پوری کوشش کے باوجود بھی خاصا طویل ہو گیا مگر ان کا حق تو اس سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس سفرنامے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جہادِ افغانستان جن حالات میں ہو رہا ہے اور مجاہدین جس اخلاص و للہیت کے ساتھ پاکستان اور عالمِ اسلام کیلئے امیدوں کے چراغ اپنے خون سے روشن کر رہے ہیں ان کی ایک جھلک قارئین کے سامنے آ جائے ـــــ بہرکیف اب سفر کی روداد وہاں چھوڑی

تھی وہیں سے شروع کرتا ہوں۔

دفتر میں آکر ہم نے مغرب کی نماز باجماعت ادا کی اور سفر کے اگلے مراحل کی تفصیلات طے کرنے لگے کھانا جو ناباًمجاہدین ہی نے تیار کیا تھا کھا کر عشاء کی نماز پڑھی اور دیر تک مجاہدین سے محاذ کی تازہ ترین صورت حال اور "جیجی کا محاذ" جس کے تذکرات جیجی میں چل رہے تھے اس کے مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔

یہ شعبان کی ۱۵ ویں شب یعنی "شب براءت" تھی اس میں ویسے بھی عبادت کیلئے جاگنا ہوتا ہے اس لئے طے ہوا کہ اسی وقت تو سب سو جائیں اور ۳ بجے اٹھ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور بس ہی میں تلاوت اور ذکر و دعا کرتے ہوئے سفر کو جاری رکھا جائے گا۔ گذشتہ رات جو کراچی میں گذری تھی اس میں صرف ۳ گھنٹے سو سکے تھے پھر نماز فجر سے اس وقت تک بھی کسی کو کمر سیدھی کرنے کا موقع نہ ملا تھا ۱۲ بجے کے قریب دفتر میں بچھے فرش پر جس کو جہاں موقع ملا پڑ کر سو گیا مجھے نیند ہمیشہ ہی بہت دیر سے آتی ہے اور آج تو محاذ پر جانے کا شوق بھی ہلچل میں تھا نہ جانے کب آنکھ لگی۔

اتوار ــ ۱۵/ شعبان ۱۴۰۸ھ ــ ۳/ اپریل ۱۹۸۸ء

اخیر شب میں ۳ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو دفتر کے اندر اور باہر اچھی خاصی چہل پہل تھی مجاہدین سفر کی تیاری کر رہے تھے ــ بس پہلے ہی کرایہ پر لے لی گئی تھی سب جلدی جلدی وضو وغیرہ کر کے سوار ہو گئے پھر بھی شہر سے نکلتے نکلتے ساڑھے چار بج چکے تھے ڈیرہ اسماعیل خان سے ہمارے قافلے میں یہاں کے مرکز کے ناظم جناب قاری نعمت اللہ صاحب اور دو مزید پاکستانی مجاہدین شامل ہو گئے اب یہ قافلہ بیس (۲۰) افراد پر مشتمل تھا بس رات کی تاریکی اور سناٹے کو چیرتی ہوئی تیزی سے شمال مغرب کی طرف دوڑنے لگی اور بیشتر ساتھی تلاوت اور ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے ــ یہ بس بڑی اور نئی تھی سیٹیں بھی آرام دہ ــ اخیر شب کی لطیف اور خنک ہوا میں تلاوت اور ذکر و مناجات "شب براءت کی نورانیت" اور سفر جہاد کے ایمان افروز جذبات نے مل کر ماحول پر وجد کی سی کیفیت طاری کر دی ــ دل

جا رہا تھا یہ سفر بھی ختم نہ ہو بقول حضرت مرشد عارفی ؒ

شراب بے خودی شوق بھی کیا جانے کیا شے ہے؟
برابر پی رہا ہوں، اور ذرا تسکیں نہیں ہوتی

سوا ۵ بجے کے قریب شہر "ٹانک" کے مضافات میں پہنچ گئے، مولانا محمد اسحاق صاحب نے، جو اس وقت رفیق سفر تھے، یاد دلایا کہ یہ وہی شہر ہے جہاں ۱۹۸۵ء میں "خوست" کے معرکہ میں زخمی ہونے والے طلبہ کو لا کر ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ مجھے اب احساس ہوا کہ مولانا موصوف کراچی سے بس کا کتنا لمبا سفر کر کے تنہا یہاں آئے تھے! یہاں پہنچنے میں کم از کم دو دن ضرور لگے ہوں گے مگر طلبہ کے ساتھ ان کی غیر معمولی محبت و شفقت ایسی پرخلوص ہے کہ کبھی انہوں نے اس سفر کی طوالت یا دشواری کا اشارتاً بھی ذکر نہ کیا تھا۔

سڑک کے کنارے ایک ناہموار میدان تھا، بس اس کے آخری حصہ میں ایک نیم پختہ ہوٹل کے سامنے جا کر رکی، ایک خالی بس پہلے سے کھڑی تھی، جس کے مسافر ہوٹل کے چبوترے پر باجماعت نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ وضع قطع سے یہ بھی افغانستان جانے والے مجاہدین معلوم ہوتے تھے، ہم تازہ وضو کر کے نماز کیلئے پہنچے تو یہ حضرات فارغ ہو کر تیزی سے آگے روانہ ہو رہے تھے۔ ماحول کچھ ایسا پر کیف محسوس ہوا، جیسا کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے، راستے کی منزلوں، "رابغ"، "مستورہ" اور "بدر" وغیرہ میں ہوا کرتا ہے۔ کراچی اور ملتان میں اچھی خاصی گرمی چھوڑ کر آئے تھے، یہاں خوشگوار سردی محسوس ہوئی۔

نماز باجماعت سے فارغ ہو کر ساتھیوں نے بتایا کہ اس ہوٹل میں جو کچھ میسر ہے اسی سے ناشتہ کر لیا جائے، آگے دوپہر سے پہلے کچھ نہ مل سکے گا، کچھ بسکٹ، ابلے ہوئے انڈے اور چائے مل گئی، اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی آگے روانہ ہو گئے۔ بس اب مغرب کی طرف دوڑ رہی تھی۔ شوق بلیوں اچھلنے لگا۔

بادِ صبا کی موج سے نشوونمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو

جنوبی وزیرستان میں

کافی دیر سیدھے چلنے کے بعد سڑک رفتہ رفتہ بل کھاتی ہوئی پہاڑی علاقے میں داخل ہوگئی "جنوبی وزیرستان" کا خوبصورت علاقہ شروع ہوگیا تھا۔ دونوں طرف چھوٹی بڑی پہاڑیاں اونچی نیچی زمین پر لہلہاتی کھیتیاں، دور تک پھیلی ہوئی خاموش وادیاں، گنگناتی پہاڑی ندیاں اور کہیں کہیں سرد و شیریں پانی کے قدرتی چشمے۔ یہ آزاد علاقہ ہے، جو عرفِ عام میں "علاقہ غیر" کہلاتا ہے۔ یہاں قبائلی زندگی کا راج ہے۔ ہر قبیلہ آزاد ہے کسی کی حکومت نہیں، جابجا پہاڑوں اور اونچے نیچے میدانوں میں بستیاں ہیں۔ ماشاءاللہ خوب آباد علاقہ ہے، بستیوں کے اندر اور باہر جابجا قلعہ نما بڑے بڑے احاطوں والے پکے مکانات بھی ہیں جو بلندیوں پر بنائے گئے ہیں۔ ان میں فائرنگ کے لئے باقاعدہ مورچے بنے ہوئے ہیں کیونکہ قبائل کے درمیان آئے دن جنگیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں سڑک کی چوڑائی کم ہوگئی، پہلے یہ بھی کچی تھی، جہادِ افغانستان کے دوران ہی پختہ بنی اور جنوبی وزیرستان کے مغربی کنارے تک مرتفع اور بل کھاتی چلی گئی ہے۔ مشہور ہے کہ آزاد علاقوں میں پختہ سڑک پر حکومتِ پاکستان کے قانون پر اور باقی تمام علاقے میں قبائلی روایات پر عمل ہوتا ہے، پاکستان کے آزاد علاقوں میں پہلے بھی جانا ہوا مگر "جنوبی وزیرستان" دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اسی آزاد علاقے کو عبور کر کے افغانستان کی وہ سرحد آتی ہے، جہاں سے ہمیں ارغون کے محاذ پر جانا تھا۔ اس علاقے میں تجارت و زراعت کے علاوہ بہت سے لوگوں کا ذریعہ معاش گلہ بانی ہے۔ جگہ جگہ بکریوں کے ریوڑ نظر آتے ہیں، جن کو عورتیں، مرد اور بچے جنگلوں میں چراتے ہیں۔ کہیں کہیں خانہ بدوشوں کے قافلے بھی نظر آئے، جو گرمیاں گذارنے کیلئے پہاڑوں کا رخ کر رہے تھے۔

"کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ"

۱۰ بجے کے قریب پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹا سا کچا ہوٹل، ایک پہاڑی نالے کے پاس نظر آیا، سب پیاسے تھے، پہاڑی نالے کا نہایت صاف شفاف ٹھنڈا پانی، خوب سیر ہو کر پیا، ایسا فرحت بخش پانی، کراچی میں تو بس خواب ہی میں نظر آجائے تو آجائے۔ بعض ساتھیوں نے چائے بھی پی، اور سب تروتازہ ہو کر پھر مغرب کی طرف روانہ ہوگئے۔ اب ہم جنوبی وزیرستان کے مرکزی شہر "وانا" کے قریب تھے، وہاں کے مشہور عالم دین مولانا نور محمد صاحب کا یہ پیغام، پیرو اسماعیل خان میں مل گیا تھا کہ "وانا" میں وہ ہمارے منتظر ہوں گے، اور دوپہر کا کھانا انہی کے ساتھ ہوگا۔

تقریباً ۱۱ بجے "وانا" شہر میں داخل ہوئے، یہاں کی پرشکوہ جامع مسجد کے سامنے بس رکی تو دروازے پر منتظر طلبہ نے جو پختون روایات کے مطابق کلاشنکوفوں سے مسلح تھے، بڑی محبت سے پرتپاک خیر مقدم کیا، مسجد کے دروازے میں داخل ہوئے تو مولانا نور محمد صاحب بھی تشریف لے آئے، سب سے بغل گیر ہو کر بڑی محبت و مسرت سے ملے، اور اپنے دفتر میں اوپر کی منزل میں لے گئے، مسجد اور دفتر کی ساری عمارتیں نہایت خوبصورت اور جدید طرز پر بنی ہیں، یہاں کے مسلمانوں کا یہ دینی جذبہ قابل دید ہے کہ "جنوبی وزیرستان" کے جس وسیع و عریض علاقے اور بستیوں سے گزرتے ہوئے ہم یہاں پہنچے تھے ان میں ــــ اور خود "وانا" میں بھی ــــ رہائشی مکانات تو کچے یا نیم پختہ، اور اکثر آبادی غریب ہے، مگر جامع مسجد ایسی شاندار بنائی ہے کہ پورے علاقے میں کوئی عمارت اس جیسی نظر نہیں آئی، دیواروں پر بھی ماربل اور موزائیک لگا ہوا ہے۔ مسجد کے پرشکوہ مینارے دور سے دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ دفتر میں ہر طرف الماریاں ہیں جن میں عربی، اردو اور فارسی کی اعلیٰ معیاری اور فنی کتابیں سلیقے سے لگی ہوئی علمی ذوق کا پتہ دیتی ہیں، مسجد سے ملحق ایک بڑا دینی مدرسہ "دارالعلوم وزیرستان وانا" ہے، جس میں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم و فنون اور انگریزی کی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔

مولانا نور محمد صاحب اس جامع مسجد کے خطیب اور دارالعلوم کے مہتمم ہیں، وزیرستان کی علمی، دینی اور سیاسی سطح پر بااثر اور معتمد شخصیت ہیں، ان کی ذہانت و شرافت

علمی ذوق ' معاملہ فہمی ' اور انکسار و تواضع کے باعث پہلی ہی ملاقات میں ان سے طبیعت مانوس ہو گئی ۔ اس علاقے میں مجاہدین افغانستان کے بہت بڑے حامی ہیں ۔ ان کی بدولت جنوبی وزیرستان میں مجاہدین کو راہداری کی سہولتیں میسر ہیں ۔

علاقے میں روسی گماشتوں ' اور ان کی سازشوں کی بھی کمی نہیں ' جو دن رات ' جہاد ' مجاہدین ' اور افغان مہاجرین کے خلاف پروپیگنڈے میں روس کی مالی امداد پانی کی طرح بہا رہے ہیں ۔ مگر مولانا اور ان کے رفقاء نے علاقے میں ان سازشوں کو بڑی حد تک ناکام بنا دیا ہے ' یہاں کے غیور و بہادر مسلمان ہر بڑی مہم میں محاذ پر جا کر شریک جہاد ہوتے ہیں ۔ ۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے ' شاہیں کا جہاں اور

مولانا نے ایک بلند پایہ علمی کتاب "جہاد افغانستان" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے ۔ جو ٦ ٣ ٣ صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک ایک نسخہ ہم سب کو عنایت فرمایا ۔ مولانا سے محاذ "ارغون" کے بارے میں تفصیل سے تبادلہ خیال ہوا انہوں نے ان سازشوں کی تفصیل سے بھی آگاہ کیا جو اس علاقے میں روسی گماشتے کرتے رہتے ہیں ۔

آزاد قبائل کا اعلان

مولانا نے بتایا کہ ہم (آزاد قبائل) نے فیصلہ کر لیا ہے ______ اور بہتر ہو گا کہ آپ حضرات بھی ہماری طرف سے اعلان فرما دیں ۔ ۔ کہ "جنیوا سمجھوتے " میں اگر مجاہدین افغانستان کے موقف کو نظر انداز کیا گیا ' یا ان کی امداد پر کسی قسم کی قدغن لگائی گئی ' تو حکومت پاکستان اگرچہ اس پر اپنی مجبوریوں کے تحت دستخط کر دے ' لیکن ہم (آزاد قبائل) پر وہ سمجھوتہ ہرگز لاگو نہیں ہو گا ' ہم ایسے ہر سمجھوتے کو ابھی سے مسترد کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جب تک روسی فوجیں اور مشیر افغانستان سے نہیں نکل جاتے اور پورے افغانستان پر مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی ' ہم مجاہدین کی بھرپور امداد جاری

رکھیں گے اور ان کے شانہ بشانہ لڑتے رہیں گے۔" کہ

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"

ظہر کی نماز ۱۲ بجے ہونے والی تھی مگر ہم نے کھانے سے فارغ ہو کر ایک بجے ہی الگ جماعت کر لی اور ٹھیک سوا بجے آگے روانہ ہو گئے۔ آج ہمیں غروب آفتاب سے پہلے جنوبی وزیرستان کے سرحدی قصبے "انگور اڈہ" پہنچنا تھا، جو پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر مجاہدین کا مرکز ہے، رات وہاں گذار کر اگلی صبح کو افغانستان کے صوبہ "پکتیکا" میں داخل ہونا تھا ______ بس پھر مغرب کی طرف دوڑ رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد قصبہ "اعظم وارسک" آیا، اس کی آبادی سے ذرا آگے جا کر پاکستان کی فوجی چوکی نظر آئی، یہی وہ چوکی ہے جس پر ایک مرتبہ روسی افغان طیاروں نے بمباری کی تھی، بس اس کے پاس سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی ______ پختہ سڑک یہاں ختم ہو گئی ______ ٹانک کے بعد صبح سے اب تک سفر بیشتر مغرب کی سمت میں ہوتا رہا مگر اب ہم وزیرستان کے بالکل آخری کنارے پہنچ گئے تھے، آگے فلک بوس پہاڑوں کی قدرتی فصیل نے راستہ روکا ہوا تھا، جو شمالاً جنوباً حد نگاہ تک چلی گئی ہے، اسی قدرتی فصیل کے پیچھے مغرب میں افغانستان ہے۔ یہاں سے ان ہیبت ناک پہاڑوں کو عبور کرکے افغانستان میں داخل ہونے کا یا تو راستہ نہیں، یا ہے تو وہ "ارغون" کے محاذ پر جا پہنچاتا، اس لئے بس اس پہاڑی سلسلہ کے دامن میں پہنچ کر شمال کو مڑ گئی۔ اب ہم ایک سنسان وادی میں سفر کر رہے تھے، جس کے دونوں طرف پہاڑی سلسلے ہیں، بائیں طرف وہی پہاڑی سلسلہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا جس کے پیچھے افغانستان ہے۔

اس سنگلاخ اور پراسرار سی وادی میں دور دور کسی آبادی کا نشان نظر نہیں آتا، کچی سڑک بھی نہیں، گاڑیوں کے گذرنے سے جہاں جیسے نشان پڑ گئے اور پھر ادھر ادھر سرک کر کچھ گم ہو گئے، بس کو وہی سڑک سمجھ لیجئے۔

چند میل آگے جا کر وادی تنگ ہو گئی اور بس رفتہ رفتہ بائیں طرف کے پہاڑی سلسلہ میں شمال کی طرف چڑھنے لگی ــ ہوا اور دل رفتار سے نہ جانے کتنے پہاڑ عبور کرنے

کے بعد سامنے ایک بہت اونچا سرسبز و شاداب پہاڑ نظر آیا۔ جنگل کے خوشنما اونچے اونچے درختوں سے ڈھکا ہوا۔ چوٹیاں برف کی چمک سے نورانی۔ رفتہ رفتہ اس پہاڑ پر چڑھنا شروع ہوئی۔ یہاں بھی تنگ اور پیچ دار سڑک پر جگہ جگہ نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے ہیں۔ بس بمشکل جھولے کی طرح جھولتی ہوئی رینگ رینگ کر اوپر چڑھ رہی تھی۔ نئی ہونے کے باوجود اس کی چول چول سے احتجاجی صدائیں آنے لگیں۔ میں نے اونچے پہاڑوں پر پیچ دار راستوں کے سفر بھی بہت کئے ہیں، لیکن گاڑی کو راستہ کی صعوبتوں کے سامنے ایسا بے بس شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ اسی وجہ سے یہاں کیلئے کرایہ کی گاڑی بہت مشکل سے ملتی ہے۔

احقر کے استاذ محترم حضرت مولانا سحبان محمود صاحب مدظلہم بھی ساتھ یہ سفر ہو رہا تھا۔ ان کو شوگر اور بلڈ پریشر کی تکلیف ہے۔ معالجوں نے کئی سال سے پہاڑی سفر سے منع کیا ہوا ہے، مگر شوق جہاد میں ہر تکلیف بھلا کر چل کھڑے ہوئے۔ ان کٹھن مراحل کا اندازہ نہ تھا، ورنہ احقر ہی کراچی میں ان سے درخواست کرتا کہ وہ اس سفر کا خطرہ مول نہ لیں۔ بہر حال یہ بڑی ہمت تھی کہ حضرت مدظلہم کا نفس بے قابو ہو گیا، مگر انہوں نے حسب عادت کسی کو نہ بتایا۔ اگلے دن افغانستان پہنچ کر اس وقت بتایا جب بحمداللہ طبیعت بحال ہونے لگی تھی۔ محاذ پر آنے کیلئے ہم سے تین چار روز قبل کراچی سے دینی مدارس کے طلبہ کا ایک قافلہ بذریعہ ریل روانہ ہوا تھا۔ اس میں احقر کے ایک ستر سالہ بزرگ جناب مقصود علی ہاشمی بھی شوق جہاد سے بے تاب ہو کر شامل ہو گئے تھے۔ اب ان کا دورہ کر خیال آ رہا تھا کہ وہ بھی شوگر کے مریض اور گھٹنوں سے تقریباً معذور ہیں۔ خدا جانے اس راستہ میں ان پر کیا گذری ہوگی؟

پاکستانی سرحد کے محافظین

اس چڑھائی کے دوران پاکستانی فوج کی ایک اور چھاؤنی (پاچوکی) کے کچھ حصے اور مورچے نظر آئے۔ احقر کے دل میں یہ قابل فخر سپاہی اس دور افتادہ تنگ پہاڑی کہسار میں نہ جانے کیسی کیسی سختیاں جھیل کر پاکستانی سرحدات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ بھی اپنی ماؤں

کے لاڈلے، سہاگنوں کے سہاگ اور معصوم بچوں کے باپ ہیں، جو یہاں کی اندھیری برفانی اور بھیانک راتوں میں پہرہ دے کر پوری قوم کیلئے راتوں کی میٹھی نیند کا سہارا بنے ہوئے ہیں، ہماری آبادیوں اور شہروں کی پررونق زندگی انہی کے دم خم سے رواں دواں ہے انہیں تو تربیت ہی یہ دی جاتی ہے کہ:

نہیں تیرا نشیمن، قصر سلطانی کے گنبد پر،
تو شاہیں ہے، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

مسلمانوں کی سرحدوں کو دشمن کے حملے سے بچانے کیلئے جو خدمات انجام دی جاتی ہیں احادیث نبویہ میں ان کو "الرباط" کہا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے جہاد کی اس صبر آزما خدمت کے خصوصی فضائل بڑی اہمیت سے ارشاد فرمائے ہیں، صحابۂ کرامؓ کی خاصی بڑی تعداد نے اس خدمت کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام کو اختیار فرمایا تھا، آج کل یہ فرائض ہماری رینجرز پولیس اور سرحدات پر متعین فوج انجام دیتی ہے اگر نیت اللہ تعالیٰ کیلئے اسلامی ملک کی حفاظت کرنے کی ہو تو تنخواہ لینے کے باوجود بھی یہ "الرباط" کے عظیم الشان ثواب کے مستحق ہیں۔[1]

صحیح بخاری و مسلم میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"رباط یوم خیر من الدنیا وما فیہا"

"ایک دن کا "رباط" یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا کام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" (رسالہ "جہاد" ص ۶۶)

صحیح مسلم میں ارشاد نبوی ہے کہ:

"رباط یوم ولیلۃ فی سبیل اللہ خیر من صیام

---

[1] رسالہ "جہاد" ص ۶۶ و ۶۷ از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ أُجْرِيَ عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ ‏

"ایک دن رات کا رباط (یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی خدمت انجام دینا) ایک مہینے کے روزوں اور راتوں کے تہجد سے بہتر ہے، اور جو شخص اس کام کے دوران مرجائے (تو قیامت تک) اس کے تمام نیک عمل جو وہ کیا کرتا تھا برابر اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے رہیں گے اور اس کا رزق اللہ کی طرف سے جاری کردیا جائے گا اور وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔" (رسالہ "جہاد" ص ۲۰)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

"عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"

"دو آنکھیں ایسی ہیں کہ انہیں آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو، اور ایک وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے رات گذاری ہو۔"

(جامع ترمذی فضائل جہاد حدیث ۱۶۳۹)

ایک گھنٹہ کی مسلسل چڑھائی کے بعد برف پوش چوٹیوں تک رسائی ہوئی اور

سب کو موٹر سے اترنا پڑے، یہاں سے تھوڑا آگے جانے کے بعد قصبہ "جیجو" آنے والا تھا، راستہ میں اتر کر ایک چشمہ کا پانی پیا، عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ بعض ساتھیوں نے وضو بھی کر لیا۔ پانی کیا، برفاب تھا، مگر ایسا نشاط انگیز کہ سارا تکان جاتا رہا۔ تھوڑا اور پیچھے جا کر "جیجو" کا علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں پہاڑوں میں مجاہدین کی مختلف تنظیموں کے کئی مراکز نظر آئے۔

مجاہدین کے سرحدی مرکز میں

پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" ——— جس کے زیر انتظام یہ سفر ہو رہا تھا ——— اس کا بھی ایک مرکز یہاں ہے، ہماری نظریں اسے ڈھونڈھ ہی رہی تھیں کہ بس مغرب کی طرف مڑی، اور ایک چشمہ کو عبور کرکے، پہاڑی ڈھلان کے سامنے اچانک رک گئی۔ ——— سامنے کے جذباتی منظر نے عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ ڈھلان پر نوجوان مجاہدین کا ایک چاق و چوبند دستہ کلاشنکوفوں کی سلامی دینے کیلئے مستعد کھڑا تھا، ان کی دو رویہ قطار کے آگے ہماری بس کے سامنے کراچی کے وہی ستر سالہ بزرگ جناب سید منصور علی ہاشمی صاحب جن کا ذکر ذرا پہلے ہوا ہے، کلاشنکوف لئے "اٹینشن" کھڑے تھے، یہ اس دستہ کی قیادت کر رہے تھے۔

نہ جانے کتنی کلاشنکوفوں کے ہوائی فائر فضا کو گونجے، اور ہم والہانہ بس سے اتر کر مجاہدین سے گلے ملنے لگے، آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے، جناب ہاشمی صاحب سے مل کر تو ہچکیاں بندھ گئیں ——— یہ رونا مسرت کا بھی تھا، ندامت کا بھی ——— بیشتر مجاہدین دینی مدارس کے طلبہ تھے جو کراچی سے دو روز قبل ہی یہاں پہنچے تھے، نہ جانے کب سے ہمارے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے!

ہمیں یہاں دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ڈھلان پر تھوڑا سا چڑھ کر تنظیم کا مرکز آ گیا، یہ عارضی طور پر چار کچے کمروں، ایک دو کوٹھریوں، اور چھپر کے ایک چھوٹے سے سائبان پر مشتمل تھا، سامنے نشیب و فراز لئے ہوئے کافی زمین ہے، پورا مرکز کسی مصنوعی احاطے کے بغیر ہی اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اور خود بھی بہت اونچے سلسلۂ کوہ پر واقع

ہے۔ برابر میں سامنے کے پہاڑ پر بھی برف گری ہوئی تھی، وہاں سے آنے والی برفانی ہواؤں میں تلوار کی سی کاٹ تھی، مجاہدین نے گرم پانی سے وضو کرایا، عصر کی نماز جماعت سے ادا کر کے سبز چائے پی، اور جو گرم ترین کپڑے موجود تھے، پہن کر مرکز دیکھنے کیلئے کمرے سے نکل آئے۔

مولانا ارسلان رحمانی

یہ مرکز درحقیقت افغانستان کے مجاہد رہنما جناب مولانا ارسلان رحمانی کا ہے، جو مشہور افغان رہنما "استاذ عبد رب الرسول سیاف" کی تنظیم "اتحاد اسلامی افغانستان" کے اہم ستون سمجھے جاتے ہیں، اور افغانستان کے صوبہ "پکتیکا" کے کمانڈر ہیں، ——— یہ وہی تنظیم ہے جس کے نائب امیر جناب انجینئر احمد شاہ کو افغانستان کی سات جماعتوں کے اتحاد نے متفقہ طور پر افغانستان کی عبوری حکومت کا صدر منتخب کیا ہے ———

مولانا ارسلان رحمانی چند ماہ قبل، مجاہد رہنماؤں کا ایک وفد لیکر دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے، عمر پچپن سال کے لگ بھگ ہوگی، نہایت متواضع، سادہ، کم سخن، اور محبت کرنے والے بزرگ ہیں، مگر جذبہ جہاد کا یہ حال کہ فی الحال محاذ جنگ کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں، پاکستان آنا کم ہوتا ہے، اسی وجہ سے پاکستان میں تو ان کی شہرت نہیں، لیکن کمیونسٹ فوجی انہیں اتنا جانتے ہیں کہ خوف کے مارے انہیں "آدم خور" کہنے لگے ہیں، کمیونسٹوں کی نام نہاد کابل حکومت نے انہیں زندہ یا مردہ پکڑ لانے پر کئی لاکھ افغانی کا انعام عرصہ دراز سے کیا ہوا ہے۔

ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر
باعدو فولاد و بایاراں حریر

"حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے بانی و امیر جناب مولانا ارشاد احمد صاحب شہید جب اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں جہاد کیلئے افغانستان پہنچے تو مولانا ارسلان رحمانی صاحب ہی کے ساتھ منسلک ہوگئے تھے، مولانا نے انتہائی پر خطر معرکوں میں ان

بجو مرکز کا گیٹ

بجو مرکز کا ایک اندرونی منظر

بگرام کے دونوں جانب بہنے والا نالہ ([illegible])

مجاہدین کے زیر استعمال اسلحہ

تینوں جانبازوں کی مثالی شجاعت وصلاحیت کے جوہر دیکھے تو انہیں دل وجان سے چاہنے لگے اور اپنی پدرانہ شفقت و تربیت میں لے لیا۔ اسی طرح "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کی تنظیم بھی ان کے ساتھ منسلک ہوگئی، یہ چونکہ افغان تنظیم نہیں، اس لئے اسلحہ اور دیگر سازوسامان کی جو امداد افغان مجاہدین کے لئے مختلف ممالک سے آتی ہے، وہ اس تنظیم کو براہ راست نہیں پہنچتی بلکہ امداد کا جتنا حصہ مولانا ارسلان رحمانی کو ملتا ہے، اسی میں وہ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کو بھی شریک کر لیتے ہیں، یہ صورت حال مجھے "ژاور" پہنچ کر ہی معلوم ہوئی، اور ان حضرات کی بے سروسامانی کا صحیح اندازہ ہوا، بحمد اللہ اسلحہ کی تو کمی نہیں، مگر باقی ہر قسم کے ضروری سامان سے یہ تنظیم تقریباً خالی ہاتھ ہے، حتیٰ کہ ابتدائی طبی امداد کا ضروری سامان بھی نہیں۔

روسی گاڑیوں کا قبرستان

مجاہدین نے ہمیں اپنے اس مرکز میں اسلحہ کے ذخیرے تفصیل سے دکھائے، مختلف قسم کے گولے، راکٹ اور میزائل پہلی مرتبہ اتنے قریب سے دیکھے اور چھونے کا موقع ملا، سامنے کی کھلی زمین، جو اس مرکز کیلئے بڑے صحن کا کام بھی دیتی ہے، درحقیقت فوجی گاڑیوں کا قبرستان ہے جو ان مجاہدین نے روسیوں سے چھینی ہیں، کئی روسی ٹرک، ایک بکتربند گاڑی، ایک ہیلی کاپٹر کا پچھلا حصہ، ایک ٹینک کی توپ کا دہانہ، اور ایک آئل ٹینکر، یہاں بکھرے پڑے نظر آئے۔

قابلِ رشک اخلاص وتواضع

ان میں سے ہر گاڑی کے ساتھ جانبازی و سرفروشی کی ایمان افروز داستان وابستہ ہے، جو بہت کھود کرید کر کے پوچھا جائے تو مجاہدین مختصراً سنا دیتے ہیں، از خود وہ کوئی داستان نہیں سناتے، اس کی انہیں فرصت ہے، نہ اس سے کوئی دلچسپی، ان کے دل میں تو بس ایک ہی جذبہ ہے کہ افغانستان سے کمیونسٹ راج کا خاتمہ کردیں یا شہادت سے سرفراز ہو جائیں، بلکہ میں نے تو اس سات روزہ سفر میں ہر جگہ یہ محسوس کیا کہ یہ حضرات اپنے

کارنامے سنانے سے قصداً احتراز کرتے ہیں ایسے کئی مجاہدین 'جو اس جہاد میں برسوں سے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے معرکوں میں ان کے نمایاں کارنامے مشہور ہیں' میں نے ان کے وہ واقعات براہ راست ان سے سننے چاہے مگر وہ یا تو بہت خوبصورتی سے ٹال جاتے ہیں 'یا اپنے کسی اور ساتھی کا کوئی کارنامہ سنا کر بات ختم کر دیتے ہیں۔

ان سے باتوں کے دوران مجھے اس کے دو سبب محسوس ہوئے ایک یہ کہ وہ ان واقعات کو اپنا کارنامہ نہیں بلکہ اللہ کا انعام سمجھتے ہیں انہیں خوف ہے کہ ڈینگیں مارنے سے کہیں اللہ جل شانہ کی نصرت سے محرومی نہ ہو جائے۔ دوسرا سبب یہ خوف ہے کہ آخرت کے جس عظیم ثواب کی خاطر جان عزیز کو داؤ پر لگایا کہیں ریاء کے باعث اس ثواب سے محرومی نہ ہو جائے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ اس وصف پر ان کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے 'اخلاص وللہیت اور تواضع و توکل کی یہ عظیم دولت 'جو خانقاہوں میں برسوں کے مجاہدوں اور مرشد کی طویل تربیت کے بعد ملتی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی برکت 'ضربوں کی بدولت بڑی فراوانی سے عطا فرمائی ہے۔ بقول حضرت مرشد عارفی

نشانِ کامراں اس کا' حیات جاوداں اس کی
جو دل لذت کشِ ذوقِ نگاہِ یار ہو جائے

یہاں ٹینک کی توپ کا جو لمبا دہانہ پڑا تھا' معلوم ہوا کہ یہ ایک نوجوان پاکستانی مجاہد "نصراللہ" کا ہے 'جواب تک نہ جانے کتنے روسی ٹینک تباہ کر چکا ہے اور ساتھی اسے "ٹینک شکن" کہنے لگے ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا ارسلان رحمانی نے اسے انعام دینا چاہا تو بسکٹوں کے ایک چھوٹے سے پیکٹ کے سوا کچھ میسر نہ تھا' وہی دے دیا' پھر جب نصراللہ نے یہ حیرتناک کارنامہ انجام دیا کہ چھ روسی ٹینکوں کا پورا کانوائے تن تنہا تعاقب کر کے ایک کو تباہ' اور کئی روسیوں کو جہنم رسید کر دیا تو مولانا نے ایک تباہ شدہ روسی ٹینک انعام میں دیدیا کہ اسے فروخت کر کے اپنی شادی کا انتظام کر لے۔ اس نے ٹینک کے تمام حصے کھول کھول

کر فروخت کر دیئے، توپ کا دہانہ گولے کے انتظار میں ہے ـــــ اس واقعہ کو کئی سال بیت گئے مگر شاید ابھی تک نہیں کی اس کی سوئی، چھپایا فی الحال صرف محاذ سے وابستہ ہیں ـــــ چھوٹی کاپٹروں سے تصادم کی جنگ کا واقعہ پہلے بھی کہیں مختصر سنا تھا اب بھی مختصر ہی سنا، وہ خود محاذ پر تھا، واقعہ کی تفصیل تو اس سے ملنے کا موقع آگے ملا تو ہی دوں گا تو میں بیان کروں گا۔

دشمن کے فوجی قافلے

گوریلوں کے اس قبرستان میں جو آج کل مختصر ہو رہا تھا، وہ ۴۵ سالہ افغان مجاہد محمد علی نے بڑے ورافی انداز میں چھپا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجاہدین نے اس جنگ کو کیسے دلچسپ کھیل بنا رکھا ہے ـــــ صورت حال یہ ہے کہ افغانستان کا اسی فیصد علاقہ مجاہدین بحمد اللہ آزاد کرا چکے ہیں۔ باقی بیس فیصد علاقہ، جس میں کابل سمیت کئی بڑے شہر اور بہت ساری فوجی چھاؤنیاں ہیں، کمیونسٹوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ شہر بھی مجاہدین کے حملوں سے محفوظ نہیں، چھاؤنیاں محاصرے کی سی حالت میں ہیں کہ ان کی رسد کمک کے راستوں پر مجاہدین قابض ہیں۔ ان چھاؤنیوں کا اسلحہ اور ساز و سامان ختم ہونے لگتا ہے تو روسی فوج انہیں بذریعہ رسد کمک تو طیاروں اور ہیلی کاپٹروں سے پہنچاتی ہے اور بیشتر کیلئے فوجی قافلہ جاتا ہے، جس میں سینکڑوں ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، جنگی ٹینکر وغیرہ اور ہزاروں فوجی ہوتے ہیں، انہیں تحفظ دینے کیلئے فضا میں جنگی طیارے اور ہیلی کاپٹر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ قافلے جس ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، وہ ان کے نزدیک ناقابل تسخیر ہوتا ہوگا لیکن شاہین صفت مجاہدین کو جیسے ہی قافلے کی خبر ملتی ہے، ان کے جوش و مسرت کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جو شکاریوں کی شکار دیکھ کر ہوتی ہے۔ تمام تنظیموں کے مجاہدین بڑی تیزی سے قافلے کے ممکنہ راستوں پر پہاڑوں وغیرہ میں پوزیشن لے لیتے ہیں، پاکستانی آزاد قبائل کے مجاہدین بھی پہنچ جاتے ہیں اور اس پر عقاب کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں۔ قافلے کو قدم قدم پر ان سے بھرپور جنگ کرنی پڑتی ہے، جو بسا اوقات ہفتوں جاری رہتی اور بڑی خون ریز ہوتی ہے۔ دشمن کے جہاز بھی کچھ

ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں وغیرہ بڑی تعداد میں تباہ ہوتی یا چھین لی جاتی ہیں' سینکڑوں فوجی جہنم رسید ہوتے ہیں' اور کچھ مجاہدین شہادت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں' دشمن کی بچی کھچی گاڑیاں یا تو واپس بھاگ کھڑی ہوتی ہیں' یا چھاؤنی میں بچا کھچا سامان پہنچا کر مستوں اپنی واپسی کیلئے موقع کی تلاش میں رہتی ہیں ــــ ہمارے اس سفر سے کچھ پہلے ایک ایسا ہی فوجی قافلہ' جو سنا ہے کہ اٹھارہ سو ٹینکوں بکتر بند گاڑیوں اور طرح طرح کی فوجی گاڑیوں پر مشتمل تھا' خوست چھاؤنی کو رسد کمک پہنچانے کیلئے روانہ ہوا تھا' اس بدنصیب قافلے کو بھی ڈیڑھ ماہ تک اس خونریز جنگ کا سامنا کرنا پڑا' جس کی خبریں دنیا کے اخبارات میں اب بھی گونج رہی ہیں' اٹھارہ سو میں سے صرف ایک سو گاڑیاں بمشکل چھاؤنی میں داخل ہو سکیں' باقی تباہ کر دی گئیں' یا واپس بھاگ کھڑی ہوئیں۔

اسی طرح کا ایک فوجی قافلہ صوبہ "پکتیکا" کی مشہور چھاؤنی "ارغون" کی طرف جا رہا تھا' یا وہاں سے واپس آ رہا تھا مجاہدین اس پر ہر طرف سے جھپٹ رہے تھے' دس سالہ افغان مجاہد "محمد علی" ایک پہاڑی پر چڑھ گیا' جس کے نیچے سے وہ قافلہ بل کھاتے ہوئے تنگ راستے سے گزر رہا تھا' یہاں ایک موڑ دائیں طرف' اور ایک بائیں طرف ہے' روسی گاڑیاں دائیں طرف مڑ رہی تھیں - ہر دو گاڑیوں کے درمیان دشمن کو فاصلہ رکھنا پڑتا ہے تاکہ سب گاڑیاں ایک ساتھ ہی مجاہدین کی زد میں نہ آ جائیں ــــ محمد علی نے ایک آئل ٹینکر کو تاک لیا' وہ جیسے ہی نیچے پہنچا یہ اس پر کود گیا اور لمحہ بھر میں ڈرائیور کو پرلے درجے کی بے پروائی سے نکال کر بائیں طرف کو موڑ دیا' قافلے کی گاڑیاں دائیں طرف مڑ گئیں اور یہ آئل ٹینکر' اور اس کے ڈرائیور کو لے کر اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا۔

مرکز میں گھومتے ہوئے' یہ تفصیلات ہم سن رہے تھے کہ مغرب کی اذان نے اقبال مرحوم کے اس شعر کو پوری معنویت کے ساتھ سامنے کر دیا۔

ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دلِ کہسار

نماز کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ان پکے کمروں کی بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ گرمیوں میں ٹھنڈے رہتے ہیں اور سردیوں میں گرم پھر بھی سردی اتنی زیادہ تھی کہ سب کمروں کے بیچوں بیچ پانی گرم کرنے والی ٹنکیاں رکھی تھیں جن کے نچلے حصے میں جلنے والی لکڑیوں کا دھواں ایک موٹے پائپ کے ذریعہ نکل کر چھت کے راستے باہر نکل رہا تھا۔ ٹنکی کی موجودگی میں فرش پر چھ بستر ساتھ ساتھ بچھ جانے کے بعد چلنے کی گنجائش مشکل ہی سے بچی تھی ہم چھ مسافروں کا سامان دیوار سے لگے ہوئے ایک لمبے تختے پر پہلے سے موجود دوسرے سامان کے ساتھ رکھ دیا گیا تھا دیواروں میں دو چار طاقچے تھے جن میں چھوٹی اشیاء رکھی جا سکتی تھیں۔

دو شہیدوں کا باپ

ڈیرہ اسماعیل خان سے جو تین مجاہد ہمارے قافلے میں شامل ہوئے تھے ان میں ایک "تونسہ شریف" ضلع ڈیرہ غازی خان کے تقریباً ستر سالہ بزرگ عالم دین جناب مولانا شمشیر علی صاحب جرار تھے' بڑے شوق اور جذبے سے محاذ پر جا رہے تھے ان کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ پہلے بھی اس محاذ پر آچکے ہیں' ساتھیوں نے بتایا کہ ان کے تین صاحبزادوں میں سے دو اسی محاذ پر ایک ایک سال کے وقفے سے شہید ہو چکے ہیں' تیسرا جو سب سے چھوٹا — اور اب اکلوتا بیٹا ہے — جامعہ فاروقیہ کراچی میں زیر تعلیم ہے' وہ بھی حسب تعطیلات میں پابندی سے جہاد میں حصہ لیتا ہے' مولانا موصوف اس وقت بھی اس کے منتظر تھے اور کراچی سے آنے والوں سے بے تابی سے پوچھ رہے تھے کہ وہ اب تک کیوں نہیں آیا؟

منجھلے صاحبزادے "نعیم اللہ ساجد شہید" جنہوں نے اسکول کی آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد صرف ڈیڑھ سال میں پورا قرآن کریم حفظ کیا' پھر جامعہ فاروقیہ کراچی میں درس نظامی کے سال چہارم تک ہر سال اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوتے رہے' سندھی' پشتو' سرائیکی' اردو اور فارسی زبانیں جانتے تھے' عربی کی تعلیم بھی چار سال کی

ہو چکی تھی ۱۴۰۵ھ میں سالِ چہارم کے وفاق المدارس کے امتحان میں پورے پاکستان کے طلبہ میں تیسری پوزیشن حاصل کی لیکن نتیجہ آنے سے پہلے ہی ۶ رشوال ۱۴۰۵ھ کو خوست کے اس خونی معرکے میں اپنے امیر کے ساتھ شہادت کے انعام سے سرفراز ہو گئے۔ جس کا مفصل حال پیچھے بیان ہوا ہے۔

بڑے صاحبزادے "مولانا خالد سیف اللہ جرار شہید" حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم دین تھے بی اے، ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کیا جہاد کے عملی میدان میں کئی بار شریک ہوئے اور کراچی میں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے دفتر میں بھی بڑی نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔ راقم سے اس سلسلے میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ اپنے چھوٹے بھائی (نعیم اللہ ساجد) کی شہادت کے اگلے سال محاذ پر آئے تو ۱۳ جولائی ۱۹۸۶ء کو "ارغون" کے علاقے "خرگوش" کے قریب ایک زبردست معرکہ ہوا، جبکہ میدان کارزار گرم تھا مجاہدین نے وقفہ وقفہ سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں کر کے نماز ظہر ادا کی، دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ دشمن کے گولے سے ایک مجاہد زخمی ہو گیا، سیف اللہ خالد اسے اٹھانے کیلئے مورچے سے نکلے مگر اسے لیکر کسی دوسرے ساتھی نے اٹھا لیا، سیف اللہ خالد اپنے مورچے کی طرف مڑے تو پیچھے سے ٹینک کا ایک اور گولہ آیا جس سے وہ اسی وقت شہید ہو گئے۔ آبائی گاؤں "بستی جت والا" تحصیل تونسہ شریف میں سپرد خاک کئے گئے۔

عجیب و غریب

اس محاذ کے کمانڈر خالد زبیر صاحب اور دیگر مجاہدین کا بیان ہے کہ شہید موصوف کو فوراً کمبل میں لپیٹ کر میدان کارزار سے پیچھے مرکز کی طرف روانہ کر دیا گیا، جنگ شام تک جاری رہنے کے بعد، دشمن اپنی کئی لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، دوسرے روز دوپہر کے وقت اس مرکز سے شہید کو پاکستان پہنچانے کیلئے ایک ٹرک مہیا ہوا، ساتھیوں نے اس پر رکھنے سے پہلے ان کے آخری دیدار کیلئے کمبل منہ سے ہٹایا تو گرمی کا

وقت تھا۔ کمانڈر خالد زبیر صاحب فرماتے ہیں کہ "ان کی پیشانی پر میں نے پسینے کے چمکتے ہوئے قطرے دیکھے' سوچا شاید کسی نے عطر ڈال دیا ہو' میں نے انگلی سے چھو کر دیکھا تو واقعی وہ پسینہ تھا" تمام حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا۔

ناصیش از خورشید وصد تابندہ تر
خاک قبرش از من و تو زندہ تر

شہدائے افغانستان کے اس طرح کے بیشمار عجیب و غریب واقعات جو ان کے ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں' ان کی شہرت درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے' یہاں جس مجاہد سے پوچھا جائے وہ اس طرح کے ان گنت واقعات اس طرح سناتا ہے' جیسے یہ روز کا معمول ہو' کتنے ہی شہیدوں کا خون' خوشبو بن کر مہکتا رہا' کسی کی قبر سے مہینوں خوشبو آتی رہی اور یہ بات تو عام طور پر مشہور ہے کہ ایک ہی مقام پر ایک ہی موسم میں' روسیوں اور کمیونسٹوں کی لاشیں تو ایک روز میں سڑنے لگتی ہیں مگر شہیدوں کے جسم میں کئی کئی دن تک کوئی تغیر نہیں آتا۔ بعد میں کمانڈر زبیر صاحب نے بھی اس طرح کے بہت سے واقعات مجھ سے بیان کئے۔

اس پورے سفر میں ہم چھاپہ مار جنگ' اور محاذ کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتے رہے' اب بھی کمرے میں یہی سلسلہ جاری تھا' باہر کا سارا ماحول گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا' سردی کی تند و تیز برفانی ہواؤں کی "سائیں سائیں" باہر کا موسم بتا رہی تھیں' اچانک چند حضرات جن کے بالوں اور کپڑوں پر چڑھا ہوا گرد و غبار لالٹین کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا' کمرے میں داخل ہوئے' یہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نوجوان مہتمم جناب مولانا عبدالرحمٰن عباسی اور ان کے رفقاء تھے' جو محاذ سے اسی وقت یہاں پہنچے تھے' مختصر تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بھی محاذ پر پہلی بار آئے تھے اور تقریباً دس روز کئی معرکوں میں شرکت کر کے آج لوٹے ہیں' رات کو قیام کر کے صبح وطن واپس ہو جائیں گے۔ ان کے ماشاءاللہ چار بچے اب بھی محاذ پر تھے جو

کئی سال سے تعطیلات محاذ پر ہی گزارتے ہیں۔ عشاء کی اذان ہونے والی تھی، اس مختصر وقت میں بھی ان سے محاذ پر ان کی روئداد معلوم کرتا رہا۔ وہ علامات قیامت کی بعض احادیث کے متعلق جن پر وہ خود تحقیقی کام کر رہے ہیں ۔۔۔ تبادلہ خیال اور مشورہ فرماتے رہے۔ دشمن کی ایک چوکی پر ان حضرات نے آج بھی توپوں سے حملہ کیا تھا، دشمن کے نقصانات کا صحیح اندازہ تو ابھی نہیں ہو سکا البتہ حملہ کے فوراً بعد اس چوکی سے دھواں اٹھتا ہوا اور ایمبولینس گاڑیاں وہاں سے ارغون کی روسی چھاؤنی کی طرف تیزی سے جاتی اور فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آتی ہوئی دیکھی گئیں۔ ہمارا کوئی نقصان سوائے اس کے نہیں ہوا کہ "مولانا کے چشمے کی ایک کمانی ٹوٹ گئی تھی۔"

توپوں سے کئے گئے حملے میں دشمن کے نقصانات کی تفصیل وقت پر معلوم نہیں ہوتی بلکہ ہر دو چار روز بعد دشمن کے جو مسلمان افغان فوجی موقع پاکر مجاہدین سے آملتے ہیں، وہ، یا مجاہدین کے جاسوس آکر پوری تفصیلات بتاتے ہیں، مجاہدین جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے، دشمن کے نقصانات کی تفصیل بتانے سے احتراز کرتے ہیں۔ دشمن کی فوج میں بہت سے مسلمان بھی ہیں جنہیں زبردستی اس جنگ میں جھونک دیا گیا ہے، وہ مختلف ذرائع سے اہم اطلاعات مجاہدین کو بھیجتے رہتے ہیں۔

روسی گن شپ ہیلی کاپٹر

جب سے جہاد افغانستان شروع ہوا، روس کے گن شپ ہیلی کاپٹروں کا ذکر اخبارات میں پڑھتے اور مجاہدین سے سنتے رہے تھے۔ اس سفر میں بھی بار بار سنا، مجاہدین کے اس مرکز میں جس ہیلی کاپٹر کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے، وہ بھی گن شپ ہیلی کاپٹر ہی کا ہے۔ مگر اسی سفر میں معلوم ہوا کہ یہ دشمن کا سب سے خطرناک ہتھیار تھا، جس کے ذریعہ روسیوں نے افغانستان کی بے شمار بستیوں کو ملبے کے ڈھیر میں بدل ڈالا، اور لاکھوں بے گناہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کا بے دردی سے قتل عام کیا۔

یہ ہیلی کاپٹر انتہائی نیچی اور بہت اونچی پرواز کر سکتا ہے، اڑتے اڑتے فضا میں

فضا میں بلند تین ہیلی کوپٹر

گن شپ ہیلی کوپٹر

اسٹنگر میزائل

راکٹ لانچر

میں ٹھہر بھی جاتا ہے کہ نیچے اور گرد و پیش کا پوری طرح جائزہ لے سکے، بم اور راکٹ برساتا اور گولیوں کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ اسے زمین پر اترنے کے لئے کسی میدان یا ہیلی پیڈ کی ضرورت نہیں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور ڈھلوانی کھیتوں میں بھی اتر کر چھپ جاتا ہے اور وہیں سے راکٹ اور گولیاں برسانا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی اس میں سے مسلح فوجی اتر کر بستیوں میں گھس جاتے اور بے گناہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر طرح طرح کے لرزہ خیز مظالم ڈھاتے ہیں۔ دو متوازی پہاڑی سلسلوں کے درمیان جو بل کھاتی ہوئی گلیاں سی ہوتی ہیں، میدان میں اور پہاڑی دروں میں انتہائی نیچی پرواز کر کے گھومتا ہے تاکہ دائیں بائیں پہاڑوں اور غاروں میں چھپے ہوئے مجاہدین کو بھی نشانہ بنا سکے۔ اس میں نصب شدہ جدید ترین کیمرے، چھوٹی سے چھوٹی چیز کا فوٹو بہت دور سے لے لیتے ہیں۔ غرض یہ ہیلی کاپٹر بیک وقت بمبار طیارہ، لڑاکا طیارہ، ٹرانسپورٹ طیارہ اور جاسوسی طیارہ بھی ہے، اڑنے والا بہت بڑا ٹینک بھی اور بہت بڑی بکتر بند گاڑی بھی۔ اس کی ہلاکت خیزیوں کی بے شمار خونی داستانیں افغانستان کے گاؤں گاؤں پر بکھری ہوئی ہیں۔ افغانی عوام (مجاہدین نہیں) اس کا ذکر قدرے ہراس کے ساتھ کرتے ہیں، بڑی حد تک اسی کی دہشت گردی کا نتیجہ افغان مہاجرین کا وہ مظلوم سیلاب ہے، جو پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔

کمیونسٹوں کی شرمناک چیرہ دستیاں

ان ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ کمیونسٹوں نے افغان مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کے بے شمار دردناک واقعات یہاں کے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ ایک واقعہ جو متعدد حضرات نے بیان کیا، مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں، جس سے ان کے گھناؤنے جرائم کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

ایک گاؤں پر چھ ہیلی کاپٹر آئے، کچھ زمین پر اتر گئے، باقی اوپر منڈلاتے رہے، اترنے والے کمیونسٹ فوجیوں نے گاؤں کے تمام بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو کلاشنکوفیں تان کر ایک جگہ جمع کیا (نوجوان مرد اس گاؤں میں تھے نہیں کیونکہ وہ یا تو جہاد

میں شہید ہو چکے تھے یا میدانِ جہاد میں برسرِ پیکار تھے اور کہا کہ تم نے جن مجاہدین کو پناہ دے رکھی ہے اُن کو ہمارے حوالے کر دو۔ گاؤں والوں نے رو رو کر قسمیں کھائیں کہ ہمارے پاس کوئی مجاہد پناہ گزین نہیں ہے۔ فوجیوں نے کہا تم آس پاس کے مجاہدین کو کھانے پینے کا سامان بھیجتے ہو جس کی سزا تم کو ضرور ملے گی، یہ کہہ کر خواتین کے سروں سے چادریں کھینچیں اور چھ روتی چلاتی خوبرو دوشیزاؤں کو ہیلی کاپٹروں میں گھسیٹ کر پرواز کر گئے۔ کئی گھنٹے بعد وہی چھ ہیلی کاپٹر واپس آئے اور کافی بلندی پر منڈلاتے رہے، اچانک گاؤں والوں نے دیکھا کہ ہر ہیلی کاپٹر سے کوئی بڑی سی چیز پھینکی گئی ہے۔ اس وقت تو کسی کو جرأت نہ ہوئی، ہیلی کاپٹروں کے واپس جاتے ہی نکل کر دیکھا تو کلیجے منہ کو آ گئے، یہ ان ہی چھ بے گناہ دوشیزاؤں کی برہنہ لاشیں تھیں، بعض کے ابھی تک جانکنی کے عالم میں کانپ رہے تھے، چند لمحوں میں وہ بھی ہمیشہ کیلئے ساکت ہو گئیں۔

لوگر اور لغمان میں بھی یہی خونی ڈرامہ اس فرق سے رچایا گیا کہ جن نوجوان لڑکیوں کو وہ ہیلی کاپٹروں میں گھسیٹ کر لے گئے تھے اوپر لے جا کر ان کی شلواریں نیچے گاؤں میں پھینک دیں ـــــ اب ماں باپ ان کی زندگی یا موت کا کھوج لگانے کی فکر میں خود زندہ درگور ہیں۔

ایسے ایک دو نہیں لاتعداد دردناک مظالم ہیں جنہوں نے افغانستان کے ہر غیرت مند مسلمان کو بپھرا ہوا شیر اور کمیونسٹوں کیلئے قہرِ الٰہی بنا دیا ہے۔

تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے، اب زنجیر دیکھ

جہادِ افغانستان کا آغاز کس طرح ہوا؟

افغانستان میں روس اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کی کوشش تو عرصہ دراز سے کر رہا تھا، وہ افغانستان کے سابق بادشاہ "ظاہر شاہ" کو استعمال کرتا رہا۔ لیکن یہاں کے مسلمان اس وقت چونکے جب ظاہر شاہ نے نام نہاد "ثقافتی انقلاب" برپا کیا۔ اس انقلاب کا مقصد یہ تھا

کہ "ثقافت و تہذیب کے نام پر یہاں سے اسلامی شعائر اور دینی قوتوں کو مٹا کر کمیونزم کا راستہ ہموار کر دیا جائے" اس سلسلہ میں جو اقدامات کئے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اسلامی پردے کے خلاف سرکاری سطح پر منظم تحریک چلائی گئی اور ایک قومی اجتماع میں ایک مسلم خاتون کے پردے کی چادر کو روند کر اعلان کیا گیا کہ "اب ہمیشہ کیلئے تاریکی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے"

اہل قندھار نے ان گھناؤنے اقدامات کے خلاف آواز اٹھائی تو ظاہر شاہ نے خان محمد کی قیادت میں فوج بھیج کر وہاں کے سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ اور اپنی جڑیں مضبوط کرنے اور انقلاب کو تقویت پہنچانے کیلئے اپنے بہنوئی اور چچازاد بھائی "محمد داؤد خان" کو جو سیکولر نظریات اور کمیونسٹوں سے گہرے تعلقات رکھتا تھا، وزیراعظم مقرر کر لیا۔ یہ دس سال وزیراعظم رہا۔ افغانستان کے کمیونسٹ لیڈر "نور محمد ترہ کئی"، "ببرک کارمل" اور "حفیظ اللہ امین" اسی کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

ظاہر شاہ کا عبرتناک انجام

ثقافتی انقلاب کے نام پر لادینیت اور کمیونزم کی جو تحریک چلائی گئی تھی اس کے مقابلے میں غیور اور عاقبت اندیش مسلمانوں کی کئی تنظیموں نے اپنے اپنے طریقہ پر کام شروع کیا۔ علماء کرام کی ایک تنظیم "خدام الفرقان" بھی بنی ہوئی تھی اس کے صدر مولانا شیخ محمد اسماعیل مجددی تھے۔ مولانا ارسلان رحمانی نے ___ جن کا کچھ حال پیچھے بیان ہوا ہے ___ اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ یہ تقریباً ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ ان حضرات نے ایک آرگن "ندائے حق" کے نام سے جاری کیا اور الحاد و بے دینی کے خلاف فکری محاذ پر ڈٹ گئے۔ ساتھ ہی مظاہروں اور کانفرنسوں کا سلسلہ جاری کر کے کمیونزم کے خلاف بڑے پیمانے پر تحریک شروع کی گئی۔ حضرات کو قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑیں۔

علاوہ ازیں پروفیسر غلام محمد نیازی نے اسلامی جماعت بنائی۔ اور یونیورسٹی کے طلبہ نے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام "نوجوانان اسلام" رکھا۔ اس تنظیم کے رہنماؤں

میں سرفہرست عبدالرحیم نیازی تھے۔ عبد رب الرسول سیاف اور برہان الدین ربانی ان اساتذہ میں شامل تھے جو اس تنظیم کی سرپرستی کر رہے تھے۔

۱۹۷۳ء میں جب روس نے ظاہر شاہ کو دینی قوتوں کو کچلنے میں ناکام دیکھا تو اسے تخت سلطنت سے معزول کروا کے محمد داؤد خان کو "جمہوریہ افغانستان" کا صدر بنوا دیا۔ ظاہر شاہ نے روس کی وفاداری میں ملک وملت سے جو غداری کی تھی اللہ تعالیٰ نے روس ہی کے ہاتھوں اسے یہ سزا دلوائی کہ وہ آج روم میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہا ہے۔

افغانستان کا اقتدار داؤد خان کو اس مقصد کیلئے دلوایا گیا تھا کہ وہ "زیادہ وفادار" ثابت ہو اور پوری سختی سے کام لیکر اسلامی قوتوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔ کیونکہ روس نے اپنے "سیاسی فرزندوں" سے یہاں جس ایجنڈے پر کام لینے کی ٹھان رکھی تھی اس کی تو پہلی شق ہی یہ تھی کہ

افغانوں کی غیرت دینی کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

داؤد کے دور صدارت میں حکومت کے تمام کلیدی عہدوں پر کمیونسٹ بٹھا دیئے گئے "خدام الفرقان" کے رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریاں ہونے لگیں، پروفیسر غلام محمد نیازی اور استاذ عبد رب الرسول سیاف کو بھی قید میں ڈال دیا گیا۔

لیکن تحریک مزاحمت تیز تر ہوتی گئی، انجینئر گلبدین حکمت یار اور استاذ برہان الدین ربانی چند نوجوانوں کے ساتھ پاکستان (پشاور) آ گئے اور آزاد قبائل کے علاقوں سے دیسی دستی بم اور پستول خرید کر افغانستان کے سرکاری مراکز اور پولیس چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ ادھر داؤد حکومت نے اکثر افغان رہنماؤں کو جیلوں میں ڈال کر مولوی حبیب الرحمن سمیت کئی زعماء کو عمر قید کی سزا سنا دی۔ لیکن اسلامی تحریک کو، جو حقیقی بیداری کا نتیجہ تھی دبایا نہ جا سکا وہ بڑھتی جا رہی تھی ــــ یہ صورت حال روس کی ہوس ملک گیری کو کیسے برداشت ہوتی؟ چنانچہ

صیاد و باغباں کی ہے کوشش بہ عارفی
گلشن میں میں رہوں نہ میرا آشیاں رہے

داؤد خان کا عبرتناک انجام

چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو روس کی شہ پر کمیونسٹ "خلق پارٹی" کے لیڈر "نور محمد ترہ کئی" نے صدر داؤد خان کو قتل کر کے "سرخ کمیونسٹ انقلاب" برپا کر دیا اور افغانستان پر کمیونسٹ حکومت قائم کر دی۔ اس طرح داؤد خان کو بھی ملک وملت سے غداری کی سزا مل گئی اور ظاہر شاہ کی طرح اس پر بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد صادق آکر رہا کہ

"مَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ"

"جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اللہ کی ناراضگی مول لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے انہی لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔" (ترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۴۱۴)

کافر حکومت کے قیام سے پورے ملک میں جہاد کی طاقتور لہر جاگ اٹھی۔

اعلان جہاد

سرخ انقلاب کے صرف دس دن بعد سب سے پہلے مولانا عبدالحق نے "پارچمیل" سے جہاد کا اعلان کیا اور اس کے بعد ملک بھر کے مفتیان کرام نے متفق طور پر جہاد کا فتویٰ دیدیا۔ مولانا ارسلان رحمانی نے فتویٰ ملتے ہی تنظیم "خدام الفرقان" کے علماء کرام کو ساتھ لیکر کوریلا کارروائیاں شروع کر دیں جن میں رفتہ رفتہ عوام بھی شامل ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے سب سے پہلے ان سرکاری تعلیمی اداروں کو تہس نہس

کرنا شروع کیا جن میں مسلم طلب کو کمیونسٹ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا تھا۔ علماء گرفتار کیے گئے' مولانا رحمانی کو بھی ارغون سے تین بار گرفتار کیا گیا' جب تیسری بار گرفتار کر کے انہیں ارغون جیل میں بند کیا گیا تو وہ اسی رات فرار ہو گئے' دینی مدارس بند ہوتے چلے گئے' جو بند نہیں ہوئے حکومت نے ان پر بلڈوزر چلا دیئے۔ مولانا رحمانی اور ان کے رفقاء راتوں کو چھپ چھپ کر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتے اور کمیونسٹ حکومت کے خلاف "شب نامے" تقسیم کر کے لوگوں کو سمجھاتے کہ یہ حکومت کافر ہے' اس کے خلاف میدان جہاد میں نکل آؤ۔ دیکھتے ہی دیکھتے نورستان' سمنگان' ہرات' بدخشاں' اور پنجشیر کے علماء اور عوام بھی میدان جہاد میں نکل آئے۔ تره کئی حکومت نے اس مقدس جہاد کو کچلنے کیلئے بھرپور فوجی طاقت جھونک ڈالی' مجاہدین پر نیپام برسائے' زہریلی گیس استعمال کی اور ۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء کو ہرات میں تقریباً بیس (۲۰) ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا' لیکن مسلمانوں کا جذبہ جہاد ان خونچکاں واقعات سے اور بھڑک اٹھا۔

"کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا"

انہوں نے جان کی بازی لگا کر پے در پے کئی اہم کامیابیاں حاصل کیں' مولانا ارسلان رحمانی' وران کے بے سروسامان رفقاء نے صوبہ "پکتیکا" میں ارغون' شرنہ' اور خیر کوٹ کے علاوہ سارا علاقہ فتح کر لیا' دوسرے علاقوں میں بھی تیزی سے مجاہدین کو فتوحات حاصل ہونے لگیں' انہوں نے ٹینکوں کو تہس نہس کیا' اور طیاروں کی پروا کئے بغیر اپنی کارروائیاں کابل کے قریب تک پھیلا دیں۔

تره کئی کا انجام

مجاہدین کو ایک بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ سرکاری فوج کا ایک بڑا حصہ مجاہدین کے ساتھ آ کر مل گیا' فوج میں صرف وہ لوگ رہ گئے جو کمیونسٹ ہو چکے تھے' یا کمزور ایمان والے مسلمان رہ گئے' جن پکے مسلمان فوجیوں کو راہ فرار نہ مل سکی' وہ موقع کی تاک میں رہے' وہ اب بھی موقع ملتے ہی مجاہدین سے آ ملتے ہیں۔ مجاہدین کے ساتھ ۹۸ فیصد عوام تھے جو ان کی خوراک اور چھپنے کا انتظام کرتے تھے' باقی صرف دو فیصد کمیونسٹ

تھے جو خلق پارٹی یا پرچم پارٹی سے وابستہ تھے۔ یہ دونوں پارٹیاں کمیونسٹوں پر مشتمل ہیں۔ فوج کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نکلتی تھی۔ ان کا کھانا پینا، رہنا سہنا سب ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں ہوتا تھا۔

روس نے ترہ کی حکومت کو ان بے سروسامان نہتے مجاہدین کے ہاتھوں اس طرح بے بس ہوتے دیکھ کر اپنے چوتھے مہرے "حفیظ اللہ امین" کو آگے بڑھایا، جس نے ترہ کی کو قتل کر کے کرسی صدارت پر قبضہ کر لیا۔ اس کا تعلق بھی "خلق پارٹی" سے تھا۔

حفیظ اللہ امین کا انجام اور روسی فوجوں کی یلغار

مگر اس واقعہ کے صرف ۳ ماہ بعد اسے بھی ناکام دیکھ کر روس نے پوری طرح محسوس کر لیا کہ اس طرح تو افغانستان ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لہٰذا ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اس نے تکلف برطرف کرتے ہوئے اپنی لڈی دل افواج افغانستان میں گھسا دیں اور حفیظ اللہ امین کی جگہ اپنے پانچویں مہرے "ببرک کارمل" کو افغانستان کا کٹھ پتلی صدر بنا دیا۔ یہ افغانستان کی کمیونسٹ "پرچم پارٹی" کا لیڈر تھا اور ترہ کی کے زمانے سے روسی کمیونسٹ ملک چیکوسلواکیہ کے دارالحکومت "پراگ" میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہا تھا۔

روس نے فوجیں داخل کرنے کا بہانہ یہ تراشا کہ کابل حکومت نے ہم سے بیرونی (مجاہدین کی) مداخلت کا مقابلہ کرنے کے لئے امداد طلب کی ہے، ہم اپنے دوست (کابل حکومت) کی مدد کو آئے ہیں۔[ع] ان کا خیال تھا کہ "چیکوسلواکیہ" اور بعض دوسرے ممالک کی طرح افغانستان بھی ایک تر نوالہ ثابت ہو گا اور اس کے بعد پاکستانی

ع یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو روسی فوجوں نے افغانستان میں داخل ہو کر صدر حفیظ اللہ امین کو قتل کر کے اسے برطرف کر دیا۔ اور اسی تاریخ کو تاشقند کے ریڈیو سے یہ خبر نشر کر دی کہ "ببرک کارمل" نے حفیظ اللہ امین کا تختہ الٹ کر افغانستان کا اقتدار سنبھال لیا ہے۔ حالانکہ ببرک کارمل اس وقت تک "پراگ" (چیکوسلواکیہ) میں مقیم تھا۔ اور یہ دو روز بعد اس وقت افغانستان پہنچا جب روسی فوجیں کابل میں حفیظ اللہ امین کا خاتمہ کر چکی تھیں۔ اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کابل کے اقتدار پر حفیظ اللہ امین کی جگہ پہلے روسی فوجوں نے قبضہ کیا۔ اس کے بعد آلۂ کار کے طور پر ببرک کارمل کو لا کر صدارت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے ڈاکٹر محمد علی البار کی عربی کتاب "افغانستان من الفتح الاسلامی الی الغزو الروسی" ص ۲۲۸ تا ۲۲۲)

بلوچستان کے ساحل سمندر تک اور وہاں شرق اوسط کے تیل تک ان کی رسائی ممکن ہو جائے گی۔ لیکن روسی فوجوں کے آتے ہی افغانستان کی بستی بستی اور گاؤں گاؤں سے علم جہاد بلند کر دیا اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود "فتح یا شہادت" تک سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ روسی کمیونسٹوں نے تھوڑے ہی عرصہ کی قسمت آزمائی کے بعد محسوس کر لیا کہ وہ افغانستان کو چیکو سلواکیہ اور وسط ایشیا کے ممالک پر قیاس کر کے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک قوم کو للکار دیا ہے جس کا ماضی غلامی کے داغ سے پاک اور جس کی لغت محکومی کے لفظ سے خالی ہے۔

ببرک کارمل کا انجام اور نجیب اللہ

جب ببرک کارمل کئی سال تک روسی فوج کی بھرپور طاقت اور جدید اسلحہ سے بھی جہاد کو نہ دبا سکا تو روس نے اسے بھی معزول کر کے اپنے چہیتے مہرے "نجیب اللہ" کو داؤ پر لگا دیا جو اب کابل کی گرتی ہوئی کرسی صدارت پر بیٹھا اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

اس کی دم توڑتی ہوئی نام نہاد حکومت اب صرف بڑے شہروں اور ان کی چھاؤنیوں تک رہ گئی ہے جس پر مجاہدین کے نعرہ تکبیر اور ان کی توپوں کی گھن گرج سے لرزہ طاری ہے[1] اور پورے ملک میں اب مجاہدین کی وہ اذان گونج رہی ہے جس کے بارے میں شاعر مشرق نے کہا تھا کہ

آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار

---

[1] آیات جہاد کی یہ تفصیلات مشہور عرب مجاہد ڈاکٹر عبداللہ عزام کی کتاب "عبر و بصائر للجہاد فی [illegible]" [illegible] اور ماہنامہ [illegible] اسلام آباد شمارہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ [illegible] سے لی گئی ہیں۔

مجاہدین کا اصل ہتھیار

سچ پوچھئے تو مجاہدین کا سب سے بڑا ہتھیار "اخلاص اور صبرو توکل" ہے' جو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں دشمن کیلئے ہمیشہ ناقابل تسخیر ثابت ہوا' اور اب بھی روس جیسی سپر طاقت کیلئے ناقابل تسخیر' مجاہدین کا یہی اخلاص اور صبرو توکل نت نئی کامیابیوں اور فتوحات کے دروازے کھول رہا ہے' ظاہری سازو سامان اور اسلحہ کا حصول بھی درحقیقت ان کے اخلاص اور صبرو توکل ہی کا رہین منت ہے۔ یہ جہاد انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اسی کے بھروسہ پر شروع کیا تھا' اس میں علمائے حق' اور دینی مدارس کے طلبہ بھی پیش پیش ہیں' جو ہر محاذ پر اپنے ساتھیوں کے شانہ بہ شانہ جان کی بازیاں لگا رہے ہیں' بے شمار علماء و طلبہ جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

"فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر"

"ان مومنین میں کچھ تو وہ ہیں' جو اپنا عہد پورا کر چکے (یہاں تک کہ شہید ہو گئے) اور کچھ وہ ہیں جو (شہید تو نہیں ہوئے مگر شہادت کے) مشتاق ہیں۔" (سورۃ الاحزاب ـ ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد

میدان کارزار میں ان بے سروسامان مجاہدین کو جو عجیب و غریب کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں' ان سے عقل انسانی حیرت زدہ اور ہکابکا رہ گئی ہے' ان واقعات کی توجیہ اس کے علاوہ ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل ہی اس جہاد کو اپنے دست قدرت سے چلا رہا ہے' اسی کی نہ سونے والی آنکھ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کی پاسبانی فرما رہی ہے۔ روسی ہیلی کاپٹروں کے حملے سے قبل پرندوں کا مجاہدین کو مطلع کر دینا' محض دعا سے طیاروں اور ٹینکوں کا تباہ ہو جانا' معرکہ جنگ میں بالکل اجنبی لوگوں کا مجاہدین کی طرف سے لڑنا' اور جنگ کے بعد غائب ہو جانا' یہ اور ان جیسے بے شمار عجیب و غریب واقعات نہ صرف مجاہدین کے ایمان و یقین کو ناقابل تسخیر بنا رہے ہیں بلکہ ان سے متاثر ہو کر اب تک یورپ

کے کئی غیر مسلم جو یہاں حالات کا جائزہ لینے آئے تھے مشرف با اسلام ہو چکے ہیں۔ اٹلی کے ایک صحافی نے اور فرانس کے ایک ڈاکٹر "مسون" نے افغانستان میں مجاہدین کے سامنے مشرف بہ اسلام ہونے کا اعلان کیا۔ فرانس کی ایک ڈاکٹر "یعمن گورنے" نے مشہور عرب مجاہد "ڈاکٹر عبداللہ عزام" کے سامنے اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر عبداللہ عزام نے جو کئی سال سے جہاد افغانستان میں اپنی زندگی وقف کر کے دشمن سے برسرپیکار ہیں، اپنی عربی کتاب "آیات الرحمن فی جہاد الافغان" میں یہاں کے مختلف محاذوں پر اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کے بہت سے عجیب و غریب اور ایمان افروز واقعات بیان کئے ہیں۔ تفصیل وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ سب واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

دشمن کے نقصانات

جنگ ملک گیر انداز میں ۹ سال سے جاری ہے۔ اس پورے عرصے کے اعداد و شمار تو اس وقت میرے پاس نہیں، صرف ۳ سال (۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء تک) کے اعداد و شمار پیش کرتا ہوں، جو ڈاکٹر عبداللہ عزام نے اپنی عربی کتاب "عبر و بصائر للجہاد" میں درج کئے ہیں۔ ان اعداد و شمار کا خلاصہ یہ ہے کہ:

مجاہدین نے ان تین برسوں میں دشمن کا مندرجہ ذیل اسلحہ اور فوجی سامان تباہ کیا:

۱۔ طیارے اور ہیلی کاپٹر	۸۰۰
۲۔ ٹینک	۳۰۳۶
۳۔ فوجی گاڑیاں	۷۰۳۲
۴۔ بھاری اسلحہ	۲۸۷

ان تین برسوں میں جو اسلحہ اور فوجی سامان صحیح حالت میں دشمن سے چھینا اس کے

اعداد و شمار یہ ہیں:

۱۔ ٹینک	۸۷
۲۔ فوجی گاڑیاں	۲۰۹
۳۔ بھاری اسلحہ	۸۰۷
۴۔ پلٹے تنصیبات	۱۷،۲۸۰

ان ۳ برسوں میں دشمن کے جانی نقصانات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے	۹۳،۲۶۵ (ان میں افسران کی تعداد ۳۸۱۸ ہے)
۲۔ مجاہدین کے ہاتھوں زخمی ہوئے	۴۲،۲۹۳ (ان میں افسران کی تعداد ۳،۰۰۰ ہے)
۳۔ مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے	۵۸۰ (ان میں افسران کی تعداد ۳۵۱ ہے)

ان کے علاوہ افغان فوج اور ملیشیا کے جو مسلمان ان تین برسوں میں موقع پا کر مجاہدین سے آملے ان کی تعداد ۸۴۳۰،۱۴ ہے جن میں ۷۷ فوجی افسر ہیں۔

یہ ۹ سال میں سے صرف ۳ سال کے اعداد و شمار ہیں، باقی چھ سال میں دشمن کے نقصانات کو ان پر کسی حد تک قیاس کیا جا سکتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز جس نے ایک مچھر سے نمرود کا غرور خاک میں ملوایا تھا، وہی ذات ہے جس نے اب روس جیسی متکبر طاقت کو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں رسوا اور تباہ کروا دیا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا؟
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نام نہاد امریکی امداد

اسلام اور مسلمانوں کا جتنا خطرناک دشمن روس ہے امریکہ اس سے کم خطرناک نہیں ' یہ امریکہ ہی ہے جس نے فلسطین 'کشمیر' اور مشرقی پاکستان وغیرہ کے معاملات میں ہر موقع پر مسلمانوں کو دھوکہ دیا ' وہ ہمیشہ بڑی چالاکی ' عیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ عالم اسلام کی جڑیں کھودتا ' اور اس کے دشمنوں کی حمایت کرتا رہا ہے۔ امریکہ اب جہاد افغانستان میں اپنی امداد کا ڈھنڈورا زور و شور سے پیٹ رہا ہے تاکہ مجاہدین نے جو فتوحات اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اپنی تاریخ ساز قربانیوں سے حاصل کی ہیں ' ان کا سہرا بھی اس کے سر بندھے ' جبکہ واقعہ یہ ہے کہ جہاد کے ابتدائی دو سالوں میں ' جو مجاہدین کیلئے انتہائی بے سرو سامانی کے سال تھے ' امریکہ نے کوئی امداد نہیں دی کیونکہ اس کا خیال غالباً یہ تھا کہ مجاہدین روسی فوج کے اس سیلاب کے سامنے دیر تک نہیں ٹھہر سکیں گے۔

لیکن یہ بھی ان مجاہدین اسلام کے اخلاص اور صبرو توکل ہی کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ نے ' جس نے فرعون کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی تھی ' اسی نے امریکہ جیسے کینہ ور دشمن کو مجاہدین کی امداد پر مجبور کر دیا۔ امریکہ نے جب دیکھ لیا کہ افغانستان کے غیور مسلمانوں نے دو سال میں اپنی لاشوں کے انبار لگا کر روسی سیلاب کے آگے بند باندھ دیا ہے تو وہ بھی روس سے ویتنام کا بدلہ چکانے کیلئے رفتہ رفتہ مجاہدین کو امداد بھیجنے لگا ' چین نے بھی اپنے سیاسی اور وقتی مفادات کے پیش نظر امداد دی ' جس کا اس نے چرچا نہیں کیا ' لیکن امریکہ نے جتنی امداد دی تشہیر اس سے کہیں زیادہ کی۔ مجاہدین کے جس مرکز میں ہم یہ سب معلومات جمع کر رہے تھے ' اس میں چین اور روس کا اسلحہ تو نظر آیا ' امریکی اسلحہ کا یہاں دور دور نشان نہیں تھا۔

مجاہدین اور جنیوا سمجھوتہ

اس پورے سفر میں ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ بحمداللہ یہ مجاہدین امریکہ کے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں، وہ خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ امداد اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی میں نہیں بلکہ خالص امریکی مفادات کے تحت دی جا رہی ہے اور جب امریکی مفادات کا تقاضا برعکس ہوگا تو وہ دوستی سے منتقل کر بھی مجاہدین کی پشت میں خنجر گھونپنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

"جنیوا سمجھوتے" کو بھی یہ ہرین اپنی پیٹھ میں امریکہ کا ایک خنجر ہی سمجھتے ہیں، جو اس نے روس سے مل کر اس نے تیار کیا ہے کہ جب روسی فوجیں افغانستان سے راہ فرار اختیار کریں، تو یہاں پاکستان کی حامی اسلامی حکومت کے بجائے ایسی سیکولر حکومت قائم ہو جس کا رشتہ پاکستان سے کٹا ہوا ہو، وہ امریکہ کی دست نگر ہو اور روس کے لئے بھی قابل قبول ہو۔ اس نام نہاد سمجھوتے کے تحت امریکہ تو مجاہدین کو ذکر حکم دیتے جا سکے گا لیکن پاکستان پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ مجاہدین کی کسی قسم کی امداد یا حمایت نہیں کرے گا، انہیں فوراً پاکستان سے نکل جانے پر مجبور کرے گا اور اپنی سرزمین میں کسی ایک مجاہد کا وجود بھی ایک لمحہ کیلئے برداشت نہیں کرے گا، اپنے ذرائع ابلاغ کو پابند کرے گا کہ ان کی حمایت میں ایک لفظ بھی منہ یا قلم سے نہ نکال سکیں۔ روسی فوج اور افغانستان کی کٹھ پتلی کمیونسٹ حکومت سے جنگ مجاہدین لڑیں گے مگر فتح کے بعد یہاں حکومت مجاہدین کی نہیں بلکہ "وسیع تر نمائندگی کی بنیاد" پر قائم ہوگی، بالفاظ دیگر ان لوگوں کی حکومت ہوگی جس سے امریکہ اور روس دونوں راضی ہوں۔ اسی لئے مجاہدین نے اس سمجھوتے پر دستخط ہونے سے پہلے ہی اسے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا ہے کہ:

> اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
> جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

امریکی اسٹنگر میزائل

اب سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے امریکہ نے ایک طرف تو مجاہدین کو "اسٹنگر میزائل" فراہم کئے جن سے بلاشبہ روسی طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو شکار کرنا بہت آسان ہو گیا چنانچہ صرف اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں مجاہدین تقریباً ۲۰۰ روسی طیارے اور ہیلی کاپٹر تباہ کر چکے ہیں اور کمیونسٹوں کے ہوائی حملوں سے ایک حد تک تحفظ مل گیا ہے' لیکن ٹھیک اسی زمانہ میں جبکہ یہ میزائل مجاہدین کو دیئے جا رہے تھے امریکہ نے "جنیوا مذاکرات" کا جال از سر نو پھیلانے' مجاہدین کی متوقع حکومت کے خلاف روس کو اپنے ساتھ ملانے' اور مجاہدین اور پاکستان پر ہر ممکن دباؤ ڈال کر "جنیوا سمجھوتے" پر دستخط کروانے کیلئے کٹر یہودی "آرمنڈ ہیمر" کی خدمات حاصل کیں' جس کا اصلی وطن روس ہے مگر زندگی امریکہ میں گذری ہے' یہ "آرمنڈ ہیمر" عالمی یہودی تنظیم "انٹرنیشنل جیوری" کا ممتاز رکن ہے' اور امریکہ' روس اور اسرائیل میں نمایاں اثر و رسوخ رکھتا ہے' امریکی صدر ریگن' اور روسی جنرل سیکریٹری گورباچوف اس کے ذاتی دوست ہیں۔ اس کا مضمون نیویارک ٹائمز میں ۲۰ جون ۱۹۸۸ء کو شائع ہوا ہے' جس میں اس نے اپنی ان کوششوں کا انکشاف کیا ہے' جو اس نے "جنیوا سمجھوتے" کو وجود میں لانے کیلئے انجام دیں۔ اس مضمون کے اہم اقتباسات ہفت روزہ "تکبیر" کراچی مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک اقتباس میں صراحت ہے کہ اس نے اپنی کوششوں کا آغاز فروری ۱۹۸۷ء میں کیا تھا۔ (یہ تقریباً وہی زمانہ ہے جب امریکہ کی طرف سے اسٹنگر میزائل مجاہدین کو فراہم کئے جا رہے تھے) اس کے بیان کے مطابق وہ ان کوششوں کے سلسلہ میں صرف ۱۸ ماہ کے عرصہ میں پانچ مرتبہ پاکستان آیا' جہاں اس نے پاکستان کے اعلیٰ ترین حکام سے ملاقاتیں کیں۔ اس کے علاوہ وہ "افغان چھاپہ مار دل" (اس نے مجاہدین کیلئے یہی لفظ استعمال کیا ہے) سے بھی ملا' واشنگٹن اور ماسکو میں کئی بار آیا گیا' جہاں اس کی

ملاقاتیں اعلیٰ ترین حکام سے ہوتی رہیں۔

امریکی منافقت اور مجاہدین کا جواب

خلاصہ یہ کہ جس وقت امریکہ مجاہدین کو اسٹینگر میزائل دے کر افغانستان سے روسی فوجوں کے بھاگنے کی رفتار بڑھانے کا سامان کر رہا تھا اسی وقت وہ مجاہدین پر بھی عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے اپنی دور رس سازشوں کا آغاز کر چکا تھا۔ اس مقصد کیلئے امریکہ اور روس دونوں نے مل کر پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ "جنیوا سمجھوتے" پر دستخط کر دے ــــ یہ ہے وہ امریکی امداد جس کا تذکرہ چلا ہے ــــ

جس کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زور پلنگ
بک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار

جناب انجینئر احمد شاہ جن کو افغانستان کی تمام مجاہد تنظیموں نے متفقہ طور پر افغانستان کی مجوزہ عبوری حکومت کا صدر منتخب کیا ہے حال ہی میں ان کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے اس میں صحافی نے ان سے سوال کیا کہ آپ حضرات کی طرف سے جنیوا سمجھوتے کو مسترد کئے جانے کے نتیجہ میں اگر امریکہ نے امداد بند کر دی تو آپ کیا کریں گے؟

انھوں نے جواب دیا کہ پہلی بات اور اصل بات تو یہ ہے کہ ہم نے یہ جہاد کسی انسانی یا امریکی امداد کے بھروسہ پر نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر شروع کیا تھا، چنانچہ دو سال تک ہمیں کوئی امریکی امداد نہیں ملی ہم محض اللہ تعالیٰ کی مدد سے برسرپیکار رہے "امریکی امداد تو دو سال کے بعد آنا شروع ہوئی۔ آئندہ بھی اگر امریکہ نے امداد بند کر دی تو ہمیں اس کی فکر نہیں کیونکہ جب تک ہمارا جہاد محض اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے اخلاص کے ساتھ جاری رہے گا اللہ تعالیٰ کی امداد ہمیں ملتی رہے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس جہاد نے ہمیں دشمن سے اسلحہ چھیننے کا فن خوب

سکتا ہے۔ لہٰذا جب تک روسی فوجیں یا ان کا اسلحہ افغانستان میں موجود ہے' انشاءاللہ ہمیں اسلحہ کی کوئی کمی پیش نہیں آئے گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ مجاہدین کی تعداد کم و بیش پانچ لاکھ ہے' پانچ لاکھ کی یہ عظیم فوج جو ۹ سال سے ایک سپر طاقت کے ساتھ مسلسل نبرد آزما ہے' اس نے جدید ترین ہتھیاروں کے استعمال میں بھی مہارت حاصل کر لی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب نصرت و عنایت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہی ہے۔ ۵ لاکھ کی ایسی جنگ جو' تجربہ کار' اور ایمان و یقین سے سرشار فوج' اس وقت دنیا کے کسی بھی ملک کے پاس موجود نہیں ——— اس لئے ہم "جنیوا سمجھوتے" کو تسلیم نہیں کریں گے' اور مکمل فتح تک جہاد کو انشاءاللہ ہر صورت میں جاری رکھیں گے۔

خدا کے پاک بندوں کو' حکومت میں' غلامی میں
زرہ کوئی' اگر محفوظ رکھتی ہے' تو استغنا

○

پاک افغان سرحد پر قصبہ "میراں" میں ہم مجاہدین کے جس مرکز میں رات گزارنے کیلئے ٹھہرے ہوئے تھے' یہ اگرچہ پاکستان کے آزاد قبائلی علاقے "جنوبی وزیرستان" میں واقع ہے' اور آزاد قبائل "جنیوا سمجھوتے" کو پہلے ہی مسترد کر کے صاف کر چکے ہیں کہ یہ سمجھوتہ ہم پر لاگو نہیں ہوگا' اور ہم پورے افغانستان میں مجاہدین کی حکومت قائم ہونے تک ان کی ہر قسم کی امداد جاری رکھیں گے لیکن مجاہدین نے بتایا کہ اگر پاکستان خدانخواستہ اس سمجھوتے پر دستخط کرنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو گیا' تو ہم یہ مرکز اور مجاہدین کے تمام مراکز یہاں سے فی الفور افغانستان منتقل کر لیں گے' جس کے انتظامات تیزی سے کئے جا رہے ہیں۔

روس کے ۳ جاسوس قیدی

یہیں روسی فوج کے تین افغانی جاسوس اور تخریب کار بھی قید تھے جنہیں مجاہدین نے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا، ہم سے ملاقات کرانے کیلئے انہیں کوٹھڑی سے ہتھکڑی لگا کر نکالا گیا۔ ان میں سے ایک کی گرفتاری اس طرح عمل میں آئی تھی کہ یہ "ارغون" کی روسی چھاؤنی سے ایک گدھے پر سوار ہو کر نکلا، جس پر ایک بوری بھی لدی ہوئی تھی گشتی ڈیوٹی کے مجاہدین نے روک کر تلاشی لی، بوری سے بہت سے پاکستانی اور افغانی نوٹ اور اہم خفیہ دستاویزات برآمد ہوئیں، جن سے کئی اور جاسوسوں کے نام بھی ملے، بالآخر اس نے اقرار کر لیا کہ یہ سب چیزیں وہ ان جاسوسوں کے پاس لے کر جا رہا تھا جو مجاہدین کے روپ میں مجاہدین ہی کے ساتھ رہتے ہیں، اسی کی نشاندہی اور دستاویزات کی مدد سے مولانا ارسلان رحمانی کے مرکز سے اس کے بقیہ دونوں ساتھیوں کو پکڑا گیا، ان میں سے ایک کے پاس سے، جو مولانا رحمانی کا اس جہاد میں دست راست بنا ہوا تھا، ایک خطرناک قسم کا زہر برآمد ہوا، اور اس نے بتایا کہ یہ روسیوں نے مولانا ارسلان رحمانی کو قتل کرنے کیلئے حال ہی میں بھیجا تھا۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا بلکہ میں نے روسیوں کو دھوکہ دینے اور ان کے راز حاصل کرنے کیلئے بہت عرصے سے ان سے ساز باز کر رکھی تھی، ہم نے پوچھا کہ پھر تم نے اپنے امیر "مولانا رحمانی" کو اپنا منصوبہ کیوں نہیں بتایا؟ اور ان سے اجازت کیوں نہیں لی؟ تو اس پر اس کی آنکھیں جھک گئیں اور بجلی ہی رہ گئیں۔

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے

مجاہدین کی شرعی عدالتیں

ہمیں بتایا گیا کہ مجاہدین نے افغانستان کے جو علاقے آزاد کرالئے ہیں' وہاں مستند علماء کرام پر مشتمل شرعی عدالتیں قائم کر دی ہیں' جو ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ شرعی ضوابط کے تحت کرتی ہیں' مجرم کو اپنی صفائی کے پورے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں' قیدیوں کو کھانا بھی وہی دیا جاتا ہے' جو مجاہدین کھاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان تین قیدیوں کا مقدمہ بھی افغانستان میں ایک عدالت کے سپرد ہے' جو عنقریب سماعت مکمل کر کے فیصلہ کرنے والی ہے۔

کلاشنکوف اور اسکی تربیت

رات کے کھانے اور عشاء کی نماز کے بعد ہمیں ایک ایک کلاشنکوف رجسٹر میں درج کر کے دیدی گئی' ہر کلاشنکوف کے ساتھ گولیوں سے بھری ایک ایک میگزین لگی تھی' ایک میگزین میں بیک وقت تیس گولیاں آجاتی ہیں' جو تھری ناٹ تھری رائفل کی گولیوں سے بڑی ہوتی ہیں۔ مزید تین تین بھری ہوئی میگزینیں بھی احتیاطاً ہر ایک کو دی گئیں' جو ایک فوجی طرز کے سینہ بند کی ۳ جیبوں میں رکھی ہوئی تھیں' سوتی زین کے یہ سینہ بند' میگزینیں رکھنے ہی کیلئے بنائے جاتے ہیں' ان میں لگی ہوئی مضبوط پٹیوں کو گردن اور مونڈھوں میں اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ تینوں جیبیں' سپاہی کے سینہ سے لگی رہتی ہیں' جب کلاشنکوف میں لگی ہوئی میگزین کی سب گولیاں استعمال کر لی جاتی ہیں' تو اس کی جگہ کلاشنکوف میں دوسری میگزین لگا دی جاتی ہے' وہ بھی ختم ہو جائے تو تیسری اور پھر چوتھی میگزین لگائی جاتی ہے۔

یہ کلاشنکوفیں اور میگزینیں احتیاطاً اس لئے دی گئی تھیں کہ صبح کو ہمارا قافلہ افغانستان میں داخل ہونے والا تھا' اور ارغون تک پہنچنے کیلئے کئی گھنٹہ کا سفر افغانستان ہی کی

سرزمین میں کرتا تھا' راستہ کا علاقہ بھی اگرچہ مجاہدین آزاد کرا چکے ہیں اور اب روسی ٹنکی کا پڑا اس علاقے میں آنے کی جرات نہیں کرتے' لیکن مجاہدین غیر متوقع طور پر ان کے آجانے کے امکان کو کسی وقت نظرانداز نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ہم سب کو کلاشنکوف کی ضروری تربیت بھی اسی وقت دی' جس میں اسے کھول کر صاف کرنے' پھر جوڑنے' بھرنے اور چلانے کے طریقے سکھائے گئے۔ نشانہ بازی کی مشق ارغون پہنچ کر کرنی تھی۔ مجھے بندوق' ریوالور اور تھری ناٹ تھری رائفل کی تو کچھ مشق پہلے سے ہے اور وقفوں وقفوں سے بحمداللہ جاری بھی رہتی ہے' مگر کلاشنکوف صرف دور سے دیکھی تھی' استعمال کی نوبت نہیں آئی اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کا وزن عام رائفلوں سے کم اور استعمال بہت آسان اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ میگزین میں بھری ہوئی تیس گولیوں کو الگ الگ ایک ایک فائر کر کے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے' اور چاہیں تو یکبارگی ایک ہی فائر میں تیس کی تیس گولیوں کی باڑھ بھی ماری جاسکتی ہے۔

تکان اور شدید سردی کے باعث گرم کمرے سے باہر نکل کر چہل قدمی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی' مگر معمول پورا کرنے کیلئے گرم چترالی جبہ ــــ جو کراچی سے ساتھ لایا تھا ــــ پہن کر باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ کچھ مجاہدین اسی وقت ارغون جا رہے ہیں' ان میں بعض وہ مجاہدین بھی تھے' جو ہمارے ساتھ دو روز کا سفر کر کے آج شام ہی یہاں پہنچے تھے' یہ حضرات' دھواں دار برفانی ہواؤں' کہسار کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور پراسرار سناٹے کی پروا کئے بغیر کھلی جیپ میں روانگی کیلئے سراپا شوق تھے' انہیں رخصت کر کے دیر تک ان کی تحفہ ادائیں آنکھوں میں گھومتی رہیں' یوں لگا جیسے شاعر مشرق نے انہی کے ذوق سفر کو دیکھ کر کہا ہو کہ

تو رہ نورد شوق ہے' منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

دو عدد کلاشنکوف، گولیاں اور دوسرا سامان جنگ

اینٹی ایئر کرافٹ

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کمرے میں واپس آیا تو سب ساتھی سو چکے تھے، میری حالت تقریباً بیس سال سے یہ ہے کہ انتہائی تکان کے باوجود بھی رات کو نیند کبھی ایک دو بجے سے پہلے نہیں آتی مگر یہ بھی جہاد ہی کی برکت سمجھتا ہوں کہ آج بیس سال میں پہلی بار ۱۱ بجے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

پیر۔ ۱۶ شعبان ۱۴۰۸ھ۔ ۴/ اپریل ۱۹۸۸ء

بھرپور نیند کے بعد آنکھ کھلی تو اذان کی دلکش آواز صبح نو کا مژدہ سنا رہی تھی ۔ اسی مرکز کا کوئی مجاہد خدا جانے دل کی کس گہرائی سے اذان دے رہا تھا ۔ شاعر مشرق نے شاید ایسی ہی اذان کے بارے میں کہا تھا کہ

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

نماز اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر تقریباً ۹ بجے ہمارا قافلہ تین جیپوں میں روانہ ہوا ۔ قصبہ "مچلگو" کی آبادی سے گذرتے ہوئے باہر نکلے تو یہاں بھی مجاہدین کے کئی مراکز ملے ، بعض مراکز میں مجاہدین وردیوں میں ملبوس پریڈ کرتے نظر آئے ، جن کے دمکتے ہوئے سرخ و سفید چہرے داڑھیوں کے نور سے آراستہ تھے ۔ــــــ اس پورے سفر میں یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کوئی مجاہد ، داڑھی سے محروم نہ تھا ، نماز روزے کی پابندی ان کا شعار ہے ، شریعت پر عمل کی فکر نمایاں نظر آتی ہے۔

افغانستان کے صوبہ "پکتیکا" میں

شمال مغرب کی طرف کچے پہاڑی راستے پر تقریباً ۱۵ منٹ چلنے کے بعد ایک قصبہ

"انگور اڈہ" آیا کوئی کہتا تھا یہ پاکستان میں ہے اور افغانستان کی حدود اس کے متصل بعد شروع ہوتی ہیں اور کوئی اسے افغانستان کا حصہ بتاتا تھا۔ تحقیق بات معلوم نہ ہو سکی البتہ یہاں بیشتر لوگ افغانستان ہی کے نظر آئے، دکانوں اور ہوٹلوں کے بورڈ بھی اکثر پشتو یا فارسی زبان میں تھے۔ کوئی فوجی یا سرحدی چوکی بھی ایسی نہ ملی جس سے معلوم ہو سکے کہ کہاں سے پاکستان کی حدود ختم ہو کر افغانستان کا علاقہ شروع ہو گیا ہے؟ یہاں سکہ پاکستان کا چلتا ہے اگرچہ افغانی بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ مجاہدین نے بتایا کہ افغانستان کا اتنا حصہ علاقہ جو آزاد ہو چکا ہے اس میں ہر جگہ دونوں سکے چلتے ہیں بلکہ پاکستانی سکہ کو زیادہ وقعت حاصل ہے۔

بستی کے ایک کنارے تینوں جیپیں روک کر ہمارے میزبان مجاہدین بازار سے ضرورت کی اشیاء خریدنے چلے گئے کیونکہ آگے ارغون تک کا سارا علاقہ اگرچہ آزاد ہو چکا ہے لیکن راستہ میں اب کوئی ایسی بستی باقی نہیں رہی جہاں سے اشیاء ضرورت مل سکیں، کمیونسٹوں نے اپنے تسلط کے دور میں اکثر بستیوں کو کھنڈر بنا ڈالا ہے اور ان کے جو مکین زندہ بچ رہے، وہ یا تو جہاد میں مختلف محاذوں پر مشغول ہیں، یا ہجرت کر کے پاکستان جا چکے ہیں۔ ارغون کے مرکز مجاہدین کیلئے بھی سامان "انگور اڈے" یا "میرم شاہ" ہی سے خریدا جاتا ہے۔ مجاہدین کی خواہش تھی کہ ہم جیپوں ہی میں بیٹھے رہیں کیونکہ یہاں دشمن کے جاسوس بھی ہوتے ہیں، جو یہاں سے غیر معمولی نقل و حرکت کی خبریں وائرلیس کے ذریعہ ارغون کی روسی چھاؤنی کو کرنے پر مقرر ہیں۔

مجاہدین ہماری آمد کو روسی چھاؤنی سے اس لئے مخفی رکھنا چاہتے تھے کہ آگے ارغون میں مجاہدین کے مرکز سے ذرا پہلے ہمیں ایک ایسے علاقے سے گذرنا تھا جو دشمن چھاؤنی کی دور مار توپوں کی زد میں ہے، دشمن کو اس قافلے کی خبر پہلے سے مل جائے تو اس کی طرف سے گولہ باری کا قوی اندیشہ تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد تینوں جیپیں پھر شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئیں۔

انگور اڈہ سے نکلتے ہی ہم یقینی طور پر افغانستان میں داخل ہو چکے تھے' اور افغانستان کا صوبہ "پکتیکا" شروع ہو گیا تھا۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ افغانستان کا ایک صوبہ "پکتیا" ہے' جو ایک بڑا صوبہ تھا' کمیونسٹوں نے اپنے تسلط کے دوران اسے تقسیم کر کے دو صوبے بنا دیے' ایک کا نام حسب سابق "پکتیا" رہا' اور دوسرے کا نام "پکتیکا" ہو گیا۔ "ارغون" جہاں ہم جا رہے تھے' صوبہ "پکتیکا" کے ایک ضلع کی حیثیت رکھتا ہے' اس صوبے کا مرکزی شہر "شرنہ" یا "شرانہ" ہے' جس کے ایک خونیں معرکے کا حال مولانا ارشاد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے واقعہ میں پیچھے بیان ہوا ہے۔ اب اس صوبہ کے یہی دو شہر اور ان کی چھاؤنیاں دشمن کے قبضہ میں رہ گئی ہیں' باقی پورا صوبہ آزاد ہو چکا ہے۔

انگور اڈے تک سرسبز و شاداب کہسار تھا' وہاں سے نکلتے ہی میدانی علاقہ شروع ہو گیا' جس میں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی نظر آتی' فاصلے فاصلے سے کئی گاؤں بھی راستے میں ملے مگر سب اجڑے ہوئے' ویران اور شکستہ حال' کسی کسی گاؤں میں سارے مکان سالم نظر آئے' لیکن آبادی کا یہاں بھی نام و نشان نہ تھا' ان کے مکین خدا جانے اب کہاں اور کس حال میں ہوں گے؟ ــــ پہاڑی ندیوں سے آنے والے پانی کی یہاں بھی کمی نہیں' آثار سے معلوم ہوتا تھا کہ چند سال پہلے یہاں بھی لہلہاتی کھیتیاں اور سرسبز باغات تھے' جو اسی پانی سے سیراب ہوتے تھے' مگر اب ان کھیتوں کے صرف دھندلے سے نشانات کہیں کہیں باقی رہ گئے ہیں' کہیں کہیں کچھ درخت اب بھی قطاروں میں کھڑے نظر آئے جو اپنے رکھوالوں کو ترستے ترستے پیلے پڑ چکے تھے' شمال مغرب کے پہاڑی سلسلے سے آنے والا یہ زرخیز پانی بھی اب کسمپرسی کے عالم میں ادھر ادھر اس طرح بہہ رہا تھا جیسے یہ پوری سرزمین بے اختیار آنسو بہا رہی ہو۔ کاش اس سے کوئی پوچھ سکتا کہ

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی؟
سر را بہ سنگ می زنی و می گریستی؟

افغانستان کی سرزمین میں سفر کرتے ہوئے تاریخ کے نہ جانے کتنے[1] ورق نگاہ تصور میں کھلتے چلے گئے، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہما کی شجاعت اور دینی غیرت و حمیت، اور محمود غزنوی اور ابدالی کے جاہ و جلال کی داستانیں حافظے میں سنائی دینے لگیں۔

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیٔ محفل کی یاد
جل چکا حاصل، مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

تقریباً ایک گھنٹہ تک میدانی علاقے میں چلنے کے بعد تینوں جیپیں پھر پہاڑی سلسلے کے پیچ و خم میں داخل ہوگئیں، یہ جیپیں کرایہ پر لی گئی تھیں، ڈرائیور افغانی مسلمان

---

[1] ۲۰ھ میں موجودہ افغانستان کے تمام شمالی اور مغربی علاقے، اور کچھ جنوبی اور مشرقی علاقے بھی فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کے زیر نگیں آچکے تھے، جن میں ہرات، مرو (بالا مرغاب) بلخ، جوزجان، بامیان، طالقان، فاریاب، غور، سیستان (سجستان — قندھار و زرنج) خاص طور سے قابل ذکر ہیں — افغانستان کے بقیہ تمام علاقے جن میں کابل اور غزنی بھی شامل ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت (۲۴ھ تا ۳۵ھ) میں فتح ہوئے۔
کابل کو سب سے پہلے ۳۱ھ میں نوجوان صحابی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فتح کیا جو بصرہ کے حاکم تھے، اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی، جب ان کی ولادت ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک فرمائی تھی۔ کابل کی فتح کے بعد جب ان کا لشکر واپس چلا گیا تو یہاں بغاوت ہوئی، اور کابل کی حکومت ۵ سال کیلئے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی، امیرالمؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم پر مشہور صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کابل کو دوبارہ حملہ کرکے فتح کیا، اور اس کے فوراً بعد غزنی کو بھی فتح کرلیا، ان کے ساتھ امیرالمؤمنین نے مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور فقہائے کرام کی ایک جماعت کو بھی بھیجا تھا، تاکہ یہاں اسلامی احکام کی ترویج و اشاعت اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کی جائے۔ ان کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد کابل میں پھر بغاوت ہوئی، جسے کچلنے کیلئے ۴۳ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی کو روانہ کیا، انہوں نے آس پاس کی شورشیں کچلنے کے بعد کابل کو ایک ماہ کے محاصرے میں منجنیقوں کی مدد سے فتح کیا، اس فتح کے دوران ایک برگزیدہ صحابی حضرت ابورفاعہ تمیم بن اسید العدوی رضی اللہ عنہ نے کابل میں جام شہادت نوش کیا، وہیں ان کا مزار ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہاں شہید ہونے والے صحابی "حضرت ابوقتادہ العدوی" تھے (الاصابہ ص ۱۸۶ ج ۴) افغانستان میں ظہور اسلام کی مفصل تاریخ اور یہاں کی تعلیمی و دینی خدمات کے مطالعہ کیلئے دیکھئے "ڈاکٹر محمد علی البار" کی کتاب "افغانستان من الفتح الاسلامی الی الغزو الروسی" (ص ۹۰ تا ۲۰۲، ۴۹۵ تا آخر کتاب) نیز دیکھئے "دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو" (ص ۹۵ تا ۵۹۲) — رفیع

تھے ۔ نگران بے چاروں میں جہاد کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نظر نہ آئی انہیں ہر وقت اپنی جیپوں کو، جو ان کا واحد ذریعہ معاش ہیں، دشمن کے ہیلی کاپٹروں اور توپوں سے بچائے رکھنے کی فکر دامن گیر تھی ۔

انہوں نے یہاں پہنچ کر ہیلی کاپٹروں کے موہوم خطرے کے باعث اس راستے کو چھوڑ دیا جس سے مجاہدین کی آمدورفت رہتی ہے، وہ راستہ بھی اگرچہ کچا اور پہاڑی پیچ و خم سے پر ہے لیکن اس سے ارغون تک کی مسافت صرف ساڑھے تین گھنٹے میں طے ہو جاتی ہے ۔ اس کے بجائے انہوں نے پہاڑی جنگلوں میں اپنی اٹکل سے چلنا شروع کر دیا جہاں کسی قسم کا راستہ سرے سے تھا ہی نہیں ۔ ہمارے میزبان مجاہدین نے لاکھ سمجھایا کہ اب یہاں عرصے سے کوئی ہیلی کاپٹر نہیں آتا مگر وہ جنگلوں میں چھپ چھپ کر ہی چلنے پر مصر رہے ۔ کچھ آگے جا کر انہوں نے مزید احتیاط کے لئے جیپیں ایک تنگ پہاڑی نالے میں چلانی شروع کر دیں جس میں پانی اگرچہ کم تھا اور کہیں پانی کی بجائے صرف نمی تھی مگر یہاں پیچ و خم اور زیادہ تھے جیپیں بار بار مڑتی تھیں، بعض جگہ ہنڈولے کی طرح جھولتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں کہیں پانی تیز آ جاتا تو جیپوں کو مجبوراً نالے سے نکال کر دائیں بائیں کے ٹیلوں پر چلانا پڑتا، پھر جہاں پانی کم نظر آتا نالے میں چلنے لگتیں ۔ مجھے کمر کی تکلیف کے باعث ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بٹھا دیا گیا تھا مگر پیچھے کی دونوں لمبی سیٹیں جو دائیں بائیں جیپ کی دیوار کے ساتھ بنائی گئی تھیں ان پر بیٹھے ہوئے رفقاء کا جھولتے جھولتے برا حال ہو رہا تھا میں وہاں ہوتا تو کمر چند ہی جھٹکوں میں دوہری ہو چکی ہوتی اسی لئے اگلی سیٹ پر ندامت کے ساتھ دم سادھے بیٹھا رہا ۔ ایک جیپ دو مرتبہ دلدل میں پھنسی تو اسے موٹی رسی باندھ کر دوسری جیپ کی مدد سے کھینچ کر نکالا گیا ۔ لیکن شوق جہاد میں راستے کی یہ صعوبتیں بھی ولولہ انگیز تھیں اور ایسی پر کیف کہ آج بھی یاد آتی ہیں ۔

بقول حضرت مرشد عارفی ؒ

کچھ تقاضائے جنون جستجو ہی دل میں ہے
کیا کشش ورنہ طلسم جادہ و منزل میں ہے

کئی گھنٹے کی اس ریاضت کے بعد ڈیڑھ بجے ایک چھوٹا سا قصبہ یا گاؤں "رباط" آیا جس میں دور سے کچھ آبادی بھی نظر آتی، معلوم ہوا کہ یہاں چھوٹے ہوٹل بھی ہیں مگر جیپیں اس سے گزر کر ایک پہاڑی کے دامن میں ندی کے کنارے جا کر رکیں' جیپوں سے باہر آ کر یہاں کا کھلا منظر اور سخت سردی میں ہر طرف چمکتی ہوئی دھوپ بڑی ہی اچھی معلوم ہوئی؛ ساتھ ہی یہ خوش خبری ملی کہ اب ارغون کے مرکز مجاہدین تک صرف دو گھنٹے کی مسافت رہ گئی ہے۔

جس قدر تھکے ہوئے محسوس ہوتے ہیں قدم
اعتبار قرب منزل اور بڑھتا جائے ہے
(حضرت عارف)

یہاں کی نشاط انگیز فضا میں چند قدم چل کر اور ندی کا انتہائی شفاف مصفا پانی پی کر چند ہی منٹ میں تھکن کا احساس جاتا رہا۔ سب نے وضو کیا اور اذان دے کر نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ پروگرام کے مطابق ہمیں ڈیڑھ بجے تک ارغون کے مرکز پہنچنا تھا' وہیں نماز ظہر پڑھ کر دوپہر کے کھانے کا انتظام تھا' لیکن راستے کی تبدیلی کے باعث دو گھنٹے بچ گئے' اور بھوک محسوس ہونے لگی' کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ جو انگور اڈا سے احتیاطاً خرید لئے گئے تھے' سب ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے گئے —— تینوں جیپیں پھر شمال مغرب کو روانہ ہو گئیں۔

وادی ارغون میں

یہاں سے وادی ارغون تک کا سفر پہاڑی جنگلوں میں ہوا' یہ ٹیلے زیادہ تر موٹی بجری اور مٹی کے تھے' پیچھے کی طرح سنگلاخ نہیں تھے' اس لئے رفتار نسبتاً تیز ہو گئی۔ ڈیڑھ گھنٹے تک اسی جنگل کے پیچ و خم میں اونچے نیچے ٹیلوں پر چلنے کے بعد جب ایک اور ٹیلے پر چڑھی' تو آگے کچھ نشیب میں "ایک بہت طویل و عریض وادی' جو چاروں طرف سے

کہساروں میں گھری ہوئی ہے، سامنے آگئی۔ اس کی لمبائی شمالاً جنوباً کم از کم بیس کلو میٹر اور چوڑائی شرقاً غرباً کم از کم ۵ کلو میٹر ہوگی، دریائے ترت روشا یا کرسی "وادی ارغون" ہے۔ ہم اس میں جنوب مشرقی کہسار سے اترنے والے تھے، وادی کے اس پار شمال مغرب میں پہاڑوں کے دامن میں قدرے بلندی پر مجاہدین کے مراکز جنت بنے نظر آرہے تھے۔ تین روز کے صبر آزما سفر کے بعد سامنے منزل دیکھ کر شوق کی برکیف لہریں جسم کے رگ وپے میں دوڑنے لگیں۔

دل کو تجسس شوق کی ہے لذت تمیم
مل تو گئی لیکن، بڑی مشکل سے ملی ہے
(حضرت عارفی)

اس وادی کے شمال میں یہاں سے تقریباً بیس کلو میٹر دور حقلف بڑی پہاڑ برف سے چمک رہے تھے انہی پہاڑوں کے دامن میں وادی کے کنارے ارغون شہر اور اس کی قلعہ بند روسی چھاؤنی ہے، یہ دونوں ارد گرد کے جنگلوں اور باغات کے باعث یہاں سے نظر نہیں آتے۔ اسی طرف چھاؤنی سے کچھ پہلے یعنی ہم سے تقریباً گیارہ کلو میٹر کے فاصلے پر روسیوں کی بڑی مضبوط تین روز چوکی (پوسٹ) "زامہ خولہ" ہے، جو انہوں نے ارغون شہر اور چھاؤنی کو مجاہدین کی یلغار سے بچانے کیلئے تین چار سال پہلے تعمیر کی ہے۔ زامہ خولہ اور چھاؤنی کے درمیان اور بھی کئی فوجی چوکیاں اسی مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں۔ زامہ خولہ میں دشمن کے ٹینک اور توپیں ہر وقت چوکس رہتی ہیں، جو تقریباً بیس کلو میٹر تک گولہ باری کر سکتی ہیں، چنانچہ یہ پوری وادی ان کی زد میں ہے۔ اور کیونسٹ فوجی اس وادی میں داخل ہونے والی ہر گاڑی پر ——— جو عموماً مجاہدین ہی کی ہوتی ہے ——— گولہ باری کرتے رہتے ہیں۔ مگر مجاہدین کی گاڑیاں شب و روز اس وادی کو عبور کرتی ہیں، یہ توپیں آج تک کسی کو نشانہ نہیں بنا سکیں۔

ابھی ہم پہاڑی ٹیلوں سے نکل کر وادی میں اترے تھے کہ چند کچے مکانوں

کے باہر دو چار مقامی باشندے کھڑے نظر آئے، وہ ہم سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ جیپیں ان کے پاس روک دی گئیں، انہوں نے شمال کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ وہاں ابھی کسی ہیلی کاپٹر کے آثار محسوس ہوئے ہیں، جو شاید سامنے کی جھاڑیوں میں اتر کر چھپا ہوا ہے۔ جیپیں مکانوں کی آڑ میں کھڑی کرکے ہم سب باہر نکل آئے۔ اسے دوربینوں سے تلاش کیا، بعض مجاہدین نے لیٹ کر زمین سے کان لگا کر اس کی آواز سننے کی کوشش کی، باقی حضرات نے اپنی اپنی کلاشنکوفیں تیار کرلیں۔ مگر چند منٹ کی چھان بین کے بعد غالب گمان یہی ہوا کہ مقامی باشندوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ لیکن اس سے ہمیں اس خوف و ہراس کا اندازہ ہوا جو ہیلی کاپٹروں سے وہاں کے عوام میں پھیلا ہوا ہے۔ تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ اس مغالطے نے ہمارے ڈرائیوروں کو اور زیادہ محتاط بنا دیا، جیپیں روانہ ہوئیں تو اب وہ سیدھے مرکز مجاہدین کی طرف جانے کے بجائے، وادی میں اگی ہوئی جھاڑیوں کی اوٹ میں چلنے کیلئے دور دراز کے چکر کاٹنے لگیں، جس سے سخت کوفت ہوتی رہی، اور وادی کو عبور کرنے میں نصف گھنٹہ خرچ ہو گیا ____ دشمن کی نظر شاید ہم پر نہیں پڑی تھی کوئی گولہ سرے سے آیا ہی نہیں۔

"دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است"

خانی قلعہ کے مرکز مجاہدین میں

وادی کو عبور کرکے ہم جیسے ہی اس مغربی کنارے میں داخل ہونے لگے جس میں مجاہدین کی مختلف تنظیموں کے مراکز ہیں، سامنے ایک پہاڑی کے دامن میں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے جوان سال باوردی مجاہدین کا ایک مسلح دستہ جو جیپ میں سوار تھا ہمارا منتظر نظر آیا۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی نعرہ تکبیر کے ساتھ یکبارگی کلاشنکوفوں سے ہوائی فائر کئے، اور فوراً جیپ میں آگے روانہ ہوگئے، ہماری جیپیں ان کی رہنمائی میں پیچھے پیچھے چلتی رہیں۔ پہاڑیوں کے پیچ و خم میں تقریباً دو فرلانگ تک بتدریج بلند ہوتی ہوئی کچی سڑک پر چلنے کے بعد جیپیں، اس مرکز کے پھاٹک اور چند مجاہدین کی دو رویہ قطار کے سامنے جا کر

رکھیں۔ "معسکر الجہاد الاسلامی" کے مرکزی کمانڈر جناب زبیر احمد خالد صاحب نے بڑی گرمجوشی اور محبت سے استقبال کیا۔ اور سب سے والہانہ بغلگیر ہوئے۔ ساتھ ہی مجاہدین کی نہ جانے کتنی توپوں نے سلامی دی، انجن کی پے در پے گرج سے پورا آسمان دیر تک لرزتا رہا۔ اور سچ پوچھئے تو پہلی مرتبہ پر تو بالکل اچھوتی تھی ___ ہم سب کی خوشیاں دوبالا ہو گئے تھے۔

دیکھ کر یہ رنگ عالم ہم بھی حیراں ہیں عارفی
جانے یہ کیا ہو رہا ہے، جانے کیا ہونے کو ہے؟

پھر جب ہم باوردی مجاہدین کی منظم اور چاق و چوبند قطاروں کے درمیان سے گذر رہے تھے تو انہوں نے بھی کلاشنکوفوں کے فائر کرکے سلامی پیش کی۔ قطاروں سے آگے بڑھے تو ہمارے مجاہدین اپنے امیر کے حکم سے قطاریں توڑ کر ہم سے ملنے دوڑ پڑے۔ ان میں اکثر پاکستان کے دینی مدارس کے طلبہ تھے ___ پاکستان کے دینی مدارس میں مختلف صوبوں اور دنیا کے مختلف ملکوں کے طلبہ زیر تعلیم رہتے ہیں، اس لئے یہاں بھی پاکستان کے مختلف صوبوں سمیت کشمیر، ایران، افغانستان، برما، بنگلہ دیش اور آسٹریلیا وغیرہ کے طلبہ موجود تھے، جو حسب معمول اپنی سالانہ تعطیلات، یہاں جہاد اور تربیت جہاد میں لگانے آئے ہوئے تھے، اپنے اساتذہ کو یہاں دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے، اکثر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور سب اپنے اساتذہ سے بغلگیر ہونے کیلئے بیتاب ___ عجیب جذباتی منظر تھا، جس کی خوشگوار یادیں شاید کبھی نہ بھلائی جاسکیں۔ اپنے ہونہار طلبہ کو اس دور افتادہ کہسار میں شاہین صفت مجاہدین کی حیثیت سے دیکھ کر ہماری بھی خوشی کی انتہا نہ تھی ___ طلبہ کے علاوہ کراچی اور پنجاب کے کئی فارغ التحصیل علماء، قراء اور عام شہری بھی ان مجاہدین میں شامل تھے، ان میں سے کئی حضرات نے تقریباً نو سال سے اپنی زندگیاں اسی جہاد میں وقف کی ہوئی ہیں۔ سب ہماری آمد پر خوشی سے بے تحاشا نعرے لگا رہے تھے جیسے کوئی بہت بڑا جشن منایا جا رہا ہو۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

مجاہدین کا یہ مرکز چند کشادہ سرسبز و شاداب ٹیلوں پر قائم ہے جو باہم ملے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے پر "خانی قلعہ" نامی ایک چھوٹی سی حویلی ہمارے سامنے تھی، جس میں ان دنوں مجاہدین کی رہائش تھی، ان ٹیلوں کے مشرق میں وادی ارغون ہے جسے عبور کرکے ہم یہاں پہنچے تھے، اور شمال، جنوب اور مغرب میں سرسبز و شاداب پہاڑوں کا طویل پیچیدہ سلسلہ میلوں تک چلا گیا ہے، خانی قلعہ خود بھی ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔

نوجوان کمانڈر نصر احمد خالد صاحب جو کمانڈر کی پوری وردی میں ملبوس تھے، وہ اور ان کے رفقاء ہمیں لے کر حویلی کے چھوٹے سے بیچ صحن میں داخل ہوئے جس کے دائیں بائیں اور سامنے لکڑیوں کی چھت والے کچے کمرے تھے، بائیں طرف کے کمروں کے آگے چھوٹا سا سائبان بھی تھا جس سے باورچی خانے کا کام لیا جا رہا تھا۔ اوپر کی منزل میں صرف دائیں طرف ایک کمرہ تھا، اس تک پہنچنے کے لئے سامنے صحن کے کونے میں مٹی کی ایک ڈھلان بنی ہوئی تھی، جس پر کہیں کہیں سیڑھی کی طرح کھانچے سے بنا دیئے گئے تھے، اس طرح یہ ڈھلان ہی زینہ کا کام دیتی تھی۔۔۔۔ اس کمرے میں پہنچے تو پونے پانچ بج رہے تھے ــــــ یہاں دسترخوان بچھے دیکھ کر بھوک اور چمک اٹھی، دوپہر کا کھانا میزبانوں نے بھی ہمارے انتظار میں نہیں کھایا تھا۔۔۔ فوراً ہی کھانا آگیا۔

مجاہدین کا کھانا

ان مجاہد طلبہ نے شوربہ اور تقریباً ایک گز قطر کی بہت بڑی بڑی نہایت پتلی پتلی چپاتیاں بالکل ویسی ہی بنائی تھیں جیسی ژاور کے مرکز میں افغان مجاہدین نے پکا کر کھلائی تھیں،

پلاؤ جس کا تجربہ شاید انہوں نے پہلی بار کیا ہوگا' وہ بھی بے چاروں نے کسی طرح پکا ہی لی تھی۔ برتنوں کی قلت کے باعث شوربہ بڑے بڑے پیالوں میں' اور پلاؤ بڑی گہری پلیٹوں میں رکھا گیا' اور ایک ایک برتن میں کئی کئی ساتھی شریک ہوگئے' بھوک کی شدت اور پرمسرت ماحول میں کھانا بڑی لذت سے کھایا گیا ____ معلوم ہوا کہ مجاہدین کے لئے ہر ہفتہ ایک گائے خرید کر ذبح کرلی جاتی ہے جو ایک دو دن کے لئے کافی ہوتی ہے' باقی دنوں میں گوشت کی بجائے ایک وقت آلو کی ورقیوں کا شوربہ' اور دوسرے وقت دال پکتی ہے ____ مگر ہمیں دو روزہ قیام کے دوران دونوں وقت گوشت کا شوربہ ملتا رہا' جس میں بہت ساری بوٹیاں اتنی چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں کہ ہر بوٹی ایک نوالہ میں کھائی جاسکے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی عصر کی نماز باجماعت ادا کی' اور سبز چائے (قہوہ) پی کر مولانا اسعد تھانوی صاحب اور قافلے کے دیگر نوجوان ساتھی نشانہ بازی کی مشق کیلئے باہر چلے گئے' ان کی فائرنگ کی لگاتار آوازیں مغرب تک آتی رہیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب' حضرت مولانا سبحان محمود صاحب' اور مجھ سمیت کئی رفقاء اسی کمرے میں بیٹھے کمانڈر زبیر احمد صاحب اور ان کے ساتھیوں سے یہاں کے حالات معلوم کرتے رہے۔ ہمارا ارادہ نشانہ بازی کی مشق صبح کو کرنے کا تھا۔

مجاہدین کے مراکز

معلوم ہوا کہ اس حویلی کا مالک ایک افغانی مسلمان ہے' جنگ کے باعث اپنے بال بچوں کو گرمی میں پہنچا کر یہ حویلی اور ملحقہ زمین اس نے عارضی طور پر مولانا ارسلان رحمانی کو دی ہوئی ہے' اور خود ہمیں مجاہدین کے ساتھ رہتا ہے۔ مولانا ارسلان رحمانی جو صوبہ پکتیکا کے مشہور جانباز عالم دین' اور صوبہ میں مجاہدین کے مرکزی کمانڈر ہیں' انہوں نے از راہ نوازش یہ پورا مرکز' پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے لئے خاص کیا ہوا ہے' اور خود افغان مجاہدین کے ساتھ یہاں کے ایک اور مرکز میں رہتے ہیں ____ افسوس کہ مولانا سے ملاقات نہ ہوسکی' وہ غزنی گئے ہوئے تھے ...

ان کے مرکز کے مجاہدین بھی آج کل بہت کم تھے کیونکہ شعبان میں پاکستان کے دینی مدارس کی سالانہ تعطیلات شروع ہوتے ہی یہاں مجاہد طلبہ کافی تعداد میں آگئے تو افغان مجاہدین کو بال بچوں کی خبرگیری کے لئے اپنے اپنے گھروں کو جانے کا موقع مل گیا۔ ان کی واپسی تک یہاں بیشتر جنگی کارروائیاں انہی طلبہ نے سنبھالی ہوئی تھیں اور اس علاقے کی کمان مولانا ارسلان رحمانی کی جگہ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نوجوان کمانڈر جناب زبیر احمد خالد کے پاس تھی۔ حرکۃ الجہاد الاسلامی کا یہ مرکز ایک سادہ سی چھاؤنی کا کام دیتا ہے' یہاں مجاہدین کی رہائش اور اسلحہ کے ذخائر ہیں اور یہیں مجاہدین کو فوجی تربیت دی جاتی ہے۔

دشمن کی ارغون چھاؤنی کی بڑی حفاظتی چوکی "زامہ خولہ" یہاں سے شمال میں چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے' جس پر ہمیں کل سہ پہر کو حملہ کرنا تھا' دشمن کی چھاؤنی اور حفاظتی چوکیوں پر نظر رکھنے' ان کے خلاف بروقت کارروائیاں اور حملے کرنے کے لئے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا ایک مرکز "زامہ خولہ" کے قریب پہاڑوں میں ہے' اس جگہ کا نام "مرزگاہ" ہے' اسی کے قریب ایک اور مرکز مولانا ارسلان رحمانی کا ہے' ان دونوں مرکزوں میں کہنہ مشق مجاہدین کو رکھا جاتا ہے جنہوں نے دشمن کے قریب تک پہاڑوں اور میدانوں میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خندقیں کھود کر مورچے بنائے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں پر مجاہدین کی مقررہ تعداد باری باری ہر وقت دوربینوں سے دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتی ہے' حتی کہ تاریک ترین راتوں میں عین برف باری کے دوران بھی۔

پاکستان کے سرحدی قصبے "انگور اڈہ" کے مرکز سے "خالی قلعہ" کا اور یہاں سے "مرزگاہ" کا رابطہ وائرلیس کے ذریعہ قائم ہے' تینوں مرکزوں کو ایک دوسرے کی تازہ ترین خبریں ملتی رہتی ہیں' اسی لئے کمانڈر زبیر احمد صاحب "واکی ٹاکی" کو اپنے سے کسی وقت جدا نہیں ہونے دیتے۔ اس علاقے میں افغان مجاہدین کی بعض دیگر تنظیموں کے مراکز بھی موجود ہیں۔ دشمن کے خلاف بڑے حملے یہ سب تنظیمیں مشترک منصوبہ بندی سے کرتی ہیں۔

خاکی قلعہ۔ حقیقت یہ سب مراکز بے سروسامانی کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ یہاں مجاہدین نے اپنا کوئی مستقل مرکز نہیں بنایا۔ کیونکہ جب ایک علاقہ فتح ہو جاتا ہے تو چھاپہ مار جنگ کے ساتھ یہ مراکز بھی آگے منتقل ہو جاتے ہیں۔

گذر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کار آشیاں بندی

ہر علاقے میں مجاہدین کو نئے مراکز قائم کرنے کیلئے ایسے محفوظ مکانات مل جاتے ہیں جن کے مکین پاکستان ہجرت کر چکے ہیں۔ ارغون کے علاقے میں مجاہدین کے ان تمام مراکز کا مشترک مقصد فی الحال ارغون شہر اس کی چھاؤنی اور حفاظتی چوکیاں کو فتح کرنا ہے۔

اللہ کے وعدے پہ مجاہد کو یقیں ہے
وہ فتح مبیں' فتح مبیں' فتح مبیں ہے

افغانستان کے مزید شہر بھی جو ابھی آزاد نہیں کرائے جاسکے ان کے گرد بھی مجاہدین کے ایسے ہی مراکز موجود ہیں' جو ان پر اپنا گھیرا تنگ سے تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

آٹھ اپریل کی یہ تاریخ تھی کراچی' ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان میں اچھی خاصی گرمی چھوڑ کر آئے تھے مگر یہاں سردی کی وہی شدت اور برفانی ہواؤں میں وہی کاٹ تھی' جو "جنوری" میں ملی تھی۔ ساتھ ہی آب و ہوا میں ایسا نشاط اور مناظر میں ایسی جاذبیت کہ سفر کا تکان تھوڑی ہی دیر میں جاتا رہا۔

ہمارے استقبال اور ملاقات کیلئے آس پاس کے مراکز اور اگلے مورچوں سے بھی کئی مجاہدین آئے ہوئے تھے' انہی میں ایک ہونہار طالب علم مولوی محمد یونس بھی تھے جو چترال کے باشندے اور دارالعلوم کراچی میں زیر تعلیم ہیں' یہ ۱۹۸۵ء میں محاذ پر دشمن کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگ سے سخت زخمی ہو گئے تھے اور ایک آنکھ شہید ہو گئی تھی' اب اس کی جگہ پتھر کی مصنوعی آنکھ نے لے لی ہے مگر سالانہ تعطیلات اب بھی اگلے مورچوں پر

گذارتے ہیں ۔ یہ حضرات اپنے مورچوں پر واپس جانے کیلئے نماز مغرب کے کچھ دیر بعد ہم سے رخصت ہو گئے ۔ سخت جاڑے کی اس تاریک رات میں انہیں اپنے مورچوں پر پہنچنے کیلئے پہاڑوں کے اندر ۲ گھنٹہ کا سفر پیدل کرنا تھا اور وہاں سے بھی آج پیدل ہی آئے تھے ۔ جسموں پر کپڑے بھی ناکافی' پاؤں میں جوتے بھی بوسیدہ ___ مگر ان کی بے باک اور پر عزم ادائیں کہہ رہی تھیں کہ

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پر دم ہے اگر تو' تو نہیں خطرہ افتاد

"نصر اللہ" اور چھ ہیلی کاپٹر

تقریباً ۲۰ سالہ پاکستانی مجاہد "نصر اللہ" جس نے چھ روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں کو تنہا شکست دی تھی' اس کا کچھ تذکرہ پیچھے آ چکا ہے' اس سے بھی یہیں ملاقات ہوئی ___ چھریرے بدن کے اس مسکین سے نوجوان سے مل کر یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ اسی نے وہ نادر الشان کارنامہ انجام دیا ہو گا' اور یہی دشمن کے اتنے ٹینک تباہ کر چکا ہے کہ ساتھی اسے "ٹینک شکن" کہنے لگے ___ خاموش طبع' نرم خو' انتہائی سادہ' سراپا محبت' اور شاعر مشرق کے اس "مرد مومن" کی تصویر کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ہم نے اس سے ہیلی کاپٹروں کی جنگ کا واقعہ سنانے کی فرمائش کی ___ لیکن پیچھے کہیں عرض کر چکا ہوں کہ ان مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص و انکساری کی دولت سے ایسا نوازا ہے کہ ان کے دامن کو نمود و نمائش اور شہرت طلبی کی رذالت سے داغدار نہیں ہونے دیا۔ یہ اپنے کارنامے سنانے سے گریز کرتے ہیں' ہر مجاہد دوسرے کا کارنامہ تو سنا بھی دیتا ہے' اپنا نہیں سناتا ___ نصر اللہ بھی ہماری فرمائش کے جواب میں ایک مختصر سا جملہ

ہیلی کاپٹروں نے مجھے دیکھ لیا تھا' لمحہ بھر میں وہ سر پر آگئے' اور سامنے آکر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کردی۔ تو میں اوٹ میں تھا' وہیں سے جوابی فائر کرتا رہا۔ اس وقت مجھے فائرنگ کے سوا کسی چیز کا ہوش نہ تھا' اپنے اس ساتھی کی بھی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟! اچانک میری ایک بارہ تہ گولیاں ایک ہیلی کاپٹر کو لگیں وہ دیکھتے ہی دیکھتے نیچے گرا' اور آگ نے بھڑک اٹھا' اس میں جو روسی سوار تھے وہ بھی غالباً ہلاک ہوگئے کیونکہ ان میں سے کسی کو میں نے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ باقی دو ہیلی کاپٹر فوراً زمین پر اتر گئے' اور ان میں سے فوجی باہر نکل کر چھلانگیں لگاتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھے اور باقی فائر کرتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے' وردیوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ فوج کے بڑے افسران ہیں۔ میں نے ان پر اندھا دھند فائرنگ شروع کردی' اور پوری میگزین کی ایک باڑھ ماری' جس سے کئی فوجی لہولہان ہوکر گرتے نظر آئے' ___ اس کے بعد کیا ہوا؟ مجھے خبر نہ رہی کیونکہ میں بے ہوش ہو گیا تھا ___

خدا جانے کتنے گھنٹے بعد ہوش آیا تو میں ایک کچے کمرے میں چارپائی پر پڑا تھا ___ میرے اوپر کمبل تھا' اچانک مجھے ران میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ دیکھا تو وہ کپڑے کی خون آلود پٹیوں سے بندھی ہوئی تھی ___ سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا ___ رفتہ رفتہ یادداشت واپس آنے لگی' وہ ساتھی یاد آیا جو اس سفر میں میرا رفیق تھا ___ پھر فوراً ہی ان ہیلی کاپٹروں کا قصہ یاد آیا' میں نے اٹھنا چاہا تو سر چکرا گیا' سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان نے فوراً اٹھ کر میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ "تمہیں تیز بخار ہے' آرام سے لیٹے رہو' انشاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے" ___ میں نے اپنے اس ساتھی کے متعلق پوچھا تو نوجوان باہر جاکر چند ہی منٹ میں اسے بلا لایا ___ اور بھی کئی آدمی آگئے۔ اپنے ساتھی کو زندہ سلامت دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مگر ران میں تکلیف کا احساس دم بدم بڑھتا جا رہا تھا' اب مجھے بتایا گیا کہ میں "ربط" کے ہوٹل میں ہوں۔

میرے ساتھی نے مبارکباد دی' اور بتایا کہ تم نے جب دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر تباہ کردیا اور باقی فوجی تمہاری طرف بڑھے تو تمہاری گولیوں سے کئی فوجی اسی وقت ہلاک

ہوگئے تھے ___ مگر اسی وقت تمہاری طرف سے فائر بند ہو گیا تو مجھے تشویش ہوئی میں
خالی ہاتھ تھا اور پہاڑی کی چوٹی کے پاس ایک بڑی چٹان کی اوٹ سے دشمن کی ساری
صورت حال دیکھ رہا تھا، دشمن نے مجھے نہیں دیکھا تھا ___ فوجیوں نے تمہاری طرف
بڑھتے ہوئے فائر کئے تھے ___ بعد میں معلوم ہوا کہ ایک گولی تمہاری ران پر لگی تھی جس
سے تم بے ہوش ہو گئے، فوجی تمہیں مردہ سمجھ کر واپس مڑے اور جلدی جلدی اپنے
ساتھیوں کی لاشوں اور زخمیوں کو ہیلی کاپٹروں میں ڈال کر پرواز کر گئے۔ میں فوراً نیچے اتر کر
تمہارے پاس آیا، ران سے خون بہہ رہا تھا۔ تھکے میں "رباط" کے لوگ وہاں آ کر جمع
ہوگئے، ہم نے تمہاری ٹانگ پر پٹیاں باندھیں اور یہاں لے آئے ___ زخم خطرناک
نہیں ان شاء اللہ بہت جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔

نصراللہ نے بتایا کہ میری ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، مجھے پاکستان لا کر ہسپتال میں
داخل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جلد ہی تندرست کر کے پھر یہاں
بھیج دیا ___ یہاں سے واپس جانے کو جی نہیں چاہتا، والدین میری شادی کرنا چاہتے
ہیں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ شادی سے پہلے ارغون فتح ہو جائے۔

مجھے نصراللہ میں اس قابل رشک غازی کی جھلک نظر آئی جس کی تحسین و ستائش
میں آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

"مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ
عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا
سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ، يَبْتَغِي الْقَتْلَ
وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ"

"لوگوں کے لئے زندگی کے بہترین حالات میں سے ایک یہ ہے کہ

"کوئی شخص اللہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اس پر
سوار اڑا جارہا ہو، جب بھی (دشمن کی) ڈراؤنی آواز (کسی
مظلوم کی) پکار سنے قتل اور موت کے مواقع ڈھونڈتا ہوا اڑ کر
وہاں جا پہنچے۔" (صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۸۸۹)

میں ـــــ اور مجاہدین

ان حضرات نے تو ماشاء اللہ اپنی جوانی کی ساری توانائیاں جہاد کیلئے وقف کر رکھی ہیں، مجھ جیسا کم ہمت کمر کا مریض ان کی حرص کرے تو کیسے کرے؟ لیکن یہ تمنا ضرور تھی کہ ان کے ساتھ اس مقدس جہاد میں زیادہ نہ سہی تو چند ہی معرکوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

جاں راہ تیری اور میری منزل غم اور
دو گام ہی مل جائے شرف ہم سفری کا

کیونکہ قدرت کے باوجود جہاد میں ادنیٰ حصہ لیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جانے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بڑا چونکا دینے والا ہے کہ:

"مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ"

"جو شخص اس حال میں مر گیا کہ کبھی نہ جہاد کیا نہ اپنے دل میں اس کا ارادہ کیا تو اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر ہوئی۔"
(صحیح مسلم کتاب الامارۃ ۱۹۱۰)

نیز یہ ارشاد کہ :

"مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ أَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ، لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيهِ ثُلْمَةٌ"

"جو شخص جہاد کے کسی نشان کے بغیر اللہ سے ملے گا تو اللہ سے ملنے کے وقت اس میں ایک عیب ہوگا۔"

(سنن ترمذی فضائل جہاد —— ۱۶۶۶)

اور آپ کا یہ ارشاد تو بدن میں جھرجھری پیدا کر دیتا ہے کہ :

"مَنْ لَمْ يَغْزُ أَوْ يُجَهِّزْ غَازِيًا أَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ، أَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

"جس نے کبھی نہ جہاد کیا، نہ کسی غازی کو سامان جہاد دیا، اور نہ کسی غازی کے پیچھے اس کے گھر والوں کی دیکھ بھال کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت سے پہلے کسی مصیبت میں ڈال دے گا۔"

(سنن ابی داؤد کتاب جہاد —— ۲۵۰۳)

ایسے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ ان مجاہدین کے طفیل مجھ ناکارہ کو بھی یہاں پہنچا دیا۔ اس کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ انہیں کے ساتھ حشر بھی فرما دے بقول حضرت مرشد عارفی

اک توشۂ امید کرم لے کے چلا ہوں
کچھ اس کے سوا پاس نہیں زادِ سفر اور

ایک خلش

لیکن ایک خلش یہ پیدا ہوگئی کہ اس سفر کے متعلق مجاہدین سے جو معلومات حاصل کی گئی تھیں ان سے ہم نے یہ غلط اندازہ لگایا کہ کراچی سے یہاں تک کا سفر صرف ایک دن رات میں ہو جائے گا اسی غلط اندازے کی بناء پر ہم نے اس پورے سفر کے لئے صرف سات دن نکالے تھے کہ دو دن آنے جانے میں خرچ ہوں گے اور پانچ روز محاذ پر مل جائیں گے اس طرح یہاں کی معرکوں میں شرکت کی امید تھی ـــــ اسی غلط اندازے کی بناء پر ہم نے واپسی کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان سے ملتان اور کراچی کی سیٹیں بھی ہوائی جہاز میں جمعہ کے روز کی بک کرائی تھیں اور کراچی واپسی پر دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کا اہم اجلاس بلایا ہوا تھا جس کی اطلاع ممبران کو بھیجی جا چکی تھی ـــــ لیکن یہ بات کہ کراچی سے یہاں تک پہنچنے ہی میں تین دن خرچ ہو جائیں گے، راستے میں اس وقت معلوم ہوئی جب ان سیٹوں کی تاریخ میں رد و بدل ممکن تھا، نہ کراچی میں ہونے والے اجلاس کی تاریخ میں ـــــ لہٰذا ہوا یہ کہ ہم سنیچر کی صبح کو کراچی سے روانہ ہو کر آج پیر کی شام کو یہاں پہنچے اور ڈیرہ اسماعیل خان سے جمعہ کی صبح کو جہاز پکڑنے کیلئے بدھ کی صبح کو یہاں سے روانہ ہو جانا لازمی تھا۔ اس طرح یہاں قیام کی مہلت صرف آج شام سے پرسوں بدھ کی صبح تک ملی ـــــ یہ مصرعہ نجانے کب اور کہاں پڑھا تھا لیکن اس کی پوری معنویت یہیں محسوس ہوئی کہ

"یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد"

یہی وہ خلش ہے جو اس سفر میں کانٹا بنی رہی اور اس وقت بھی جبکہ کئی ماہ بعد یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں اس کی کسک دل سے نہیں جاتی۔ بس حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے کچھ تسلی ہو جاتی ہے کہ

رہرو عشق کا امید نہ ہو
داغ حسرت نشان منزل ہے

اس خلش کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہوں ۔ مرشد عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ

اے ہجوم یاس! نہ مٹ جائے کہیں آہ
یہ ایک خلش درد جو ہے جان تمنا

اس مختصر مہلت قیام میں اب پروگرام یہ تھا کہ کل صبح ناشتہ کے بعد ہماری آمد کی خوشی میں مجاہدین کی پریڈ، فنون سپہ گری کا مظاہرہ اور ایک جلسہ ہونے والا تھا۔ پھر نشانہ بازی کی مشق کرنی تھی اور نماز ظہر کے بعد دشمن کی اس علاقے میں سب سے بڑی چھاؤنی "زامہ خولہ" پر حملے کے لئے روانگی ہونی تھی۔ جس کی منصوبہ بندی کمانڈر زبیر احمد صاحب پہلے ہی کر چکے تھے کیونکہ ہم نے یہاں آنے کیلئے شرط یہی رکھی تھی کہ ایسے وقت آئیں گے جب کوئی معرکہ ہونے والا ہو اور ہم اس میں عملی حصہ لے سکیں —— عام حالات میں حملہ کا پروگرام صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے، مجاہدین کو روانگی کے وقت بھی عموماً یہ نہیں بتایا جاتا کہ کہاں جانا ہے تاکہ دشمن کے جاسوسوں کو خبر نہ ہو جائے —— یہ احتیاط آنحضرت ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے —— مگر ہمارے ساتھ رعایت برتی گئی اور آج ہی پروگرام بتا دیا گیا۔

رات کی پہرہ داری

عشاء سے پہلے اچانک خیال آیا کہ اس مرکز کی حفاظت کے لئے رات کو پہرے داری کا نظام یہاں ضرور ہوگا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد صبح صادق تک مجاہدین کی کئی جماعتیں باری باری دو دو گھنٹے یہ خدمت انجام دیتی ہیں۔ اس خدمت کو شرعی اصطلاح میں "الرباط" کہا جاتا ہے۔ احادیث میں اس کے بہت ہی عظیم الشان فضائل بیان ہوئے ہیں، اس سلسلہ کی چند حدیثیں کئی ورق پیچھے "پاکستانی سرحد کے محافظین" کے عنوان میں نقل کر چکا ہوں۔

حالت جنگ میں فوجی کیمپوں کی پہرہ داری کا ایک خاص طریقہ ہے۔

شہید ملت خان لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں جب ہم رضا کاروں میں بھرتی ہو کر جہاد کی تربیت حاصل کر رہے تھے اس وقت کراچی سے باہر "ملیر" کے پیچھے پہاڑیوں میں جنگی مشقوں کے لئے ہمارا کئی روزہ کیمپ لگا تھا، وہیں پہرہ داری کے اس خاص طریقے کی بھی مشق کرائی گئی تھی ــــ سو قیمت جان کر میں نے اور بعض نوجوان ساتھیوں نے بھی اپنا نام آج رات ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک کی ڈیوٹی میں لکھوا لیا۔

مجاہدین کا لباس رنگین ہوتا ہے، جنگی کارروائیوں اور رات کی پہرہ داری وغیرہ میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ دور سے نظر نہیں آتا، رات کو تو قریب سے بھی مشکل سے نظر آتا ہے، مجاہدین کی اونی گرم ٹوپی بھی رنگین اور پر شکوہ ہوتی ہے جو یہاں کے موسم اور جنگی حالات کے لئے بڑی موزوں ہے ــ ایک ٹوپی جناب شاہد محمود صاحب نے مجھے افغانستان میں داخل ہونے سے پہلے ہی عنایت فرما دی تھی، یہاں وہی استعمال میں رہی ــــ نماز عشاء اور کھانے سے فارغ ہو کر وہ ٹوپی اوڑھی، اور موٹا اونی جبہ پہنا، جس میں سفید کپڑے چھپ گئے، میگزینوں کا سینہ بند کسا اور کلاشنکوف لیکر ۱۰ بجے ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔

کیمپ کی پہرہ داری کا خاص طریقہ

محافظین کی کمان پر قاری نعمت اللہ صاحب مقرر تھے، انہوں نے پہرہ داری کا طریقہ سمجھایا، اور "کوڈ ورڈ" (علامتی لفظ) بھی جو آج رات کیلئے مقرر تھا بتایا ــــ طریقہ یہ ہے کہ ہر رات اپنے کیمپ کے لوگوں کی علامت کے طور پر کوئی کوڈ ورڈ (علامتی لفظ) مقرر کر کے وہ لفظ تمام محافظین اور متعلقہ افراد کو بتا دیا جاتا ہے، مثلاً "کتاب، لکڑی، گلاب، ملتان" یا کوئی اور لفظ ــ کوشش کی جاتی ہے کہ کیمپ سے باہر کسی شخص کو پتہ نہ چلے کہ آج رات کے لئے کونسا لفظ مقرر ہوا ہے ــ ہر محافظ کی حدود مقرر ہوتی ہیں کہ وہ یہاں سے وہاں تک کے علاقے کا پہرہ دے گا ــ اس کا فرض ہے کہ جیسے ہی اسے کوئی آہٹ سنائی دے، یا کوئی غیر معمولی چیز حرکت کرتی نظر آئے، وہ فوراً پوزیشن لیکر رائفل اس کی طرف تان کر رعب دار آواز میں اسے روکے اور حکم دے کہ "دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ گولی مار دوں

کا -"اگر وہ ہاتھ نہ اٹھائے تو گولی ماردی جائے" ہاتھ اٹھائے تو اس سے پوچھا جائے "تم
کون ہو؟" اگر وہ جواب میں وہی مقررہ لفظ بول دے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اپنا
آدمی ہے لہٰذا اسے اکرام کے ساتھ پاس بلاکر اس کی حیثیت کے مطابق عمل کیا جائے۔ اگر
وہ علامتی لفظ نہیں بولتا تو یہ اس کے اجنبی ہونے کی علامت ہے لہٰذا رائفل اس کی طرف
تانے ہوئے فوراً آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لی جائے کوئی ہتھیار برآمد ہو تو اپنے قبضے میں
لے لیا جائے پھر اسے رائفل کی نوک پر آگے آگے چلاتے ہوئے کیمپ کے اندر لائیں
اور پوچھ گچھ کیلئے دوسرے حضرات کے سپرد کردیں۔

اس طریقہ کا مجھے پہلے سے تجربہ تھا فرق صرف اتنا ہوا کہ کوڈ جو مکالمہ اپنے سامنے
کے شخص سے کرتا ہے وہ ہمیں انگریزی میں سکھایا گیا تھا یہاں پشتو الفاظ سکھائے گئے۔

محافظین کے کمانڈر صاحب نے مجھے کسی خاص علاقے کی پہرہ داری پر لگانے کے
بجائے یہ کہہ کر اپنے ساتھ لے لیا کہ ہم دونوں مل کر محافظین کے کام کی نگرانی کریں گے
___ ۱۱ بجے کے قریب فضا میں بہت بلندی پر ایک ستارہ سا حرکت کرتا نظر آیا قاری
صاحب نے بتایا کہ یہ مسافر طیارہ ہے کابل سے دہلی جارہا ہے ہم مسافر طیاروں کو نشانہ
نہیں بناتے اس لئے یہ فی الحال یہاں سے بے خطر گذرتے ہیں۔

قاری صاحب نے بعض محافظین کا امتحان بھی لیا جو ماشاءاللہ پوری طرح مستعد
پائے گئے انہوں نے ہمیں دور سے گرجدار آواز میں روکا "پوزیشن لیکر ہمارے دونوں
ہاتھ اوپر اٹھوائے نام پوچھا اور جب ہم نے وہ مقررہ لفظ بتایا تو پاس آکر ادب سے سلام
کرکے ڈیوٹی میں مشغول ہوگئے۔

"کوڈ ورڈ" کا استعمال عہد رسالت میں

فوجی کیمپ کی پہرہ داری وغیرہ میں "کوڈ ورڈ" کے استعمال کو شاید نئے دور کی
ایجاد سمجھا جاتا ہو لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد میں اس کا استعمال عہد رسالت
میں رائج تھا اور "کوڈ ورڈ" کو "شعار" کہا جاتا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف (باب القتال فی

اخبار) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ :

"اِنْ بَیَّتَکُمُ الْعَدُوُّ، فَلْیَکُنْ شِعَارُکُمْ حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ"

"اگر دشمن تم پر آج شب خون مارے تو تمہارا شعار (کوڈ ورڈ) "حم لا ینصرون" ہوگا۔"

(جامع ترمذی فضائل جہاد ۔ ۱۶۸۲)

مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ایک روایت ہے کہ :

"کَانَ شِعَارُ الْمُہَاجِرِیْنَ "عَبْدُ اللّٰہِ" وَشِعَارُ الْاَنْصَارِ "عَبْدُ الرَّحْمٰنِ"—

"(ایک موقع پر) مہاجرین کا شعار "عبداللہ" مقرر کیا گیا تھا اور انصار کا شعار "عبدالرحمٰن"۔ (سنن ابی داؤد)

اسی باب میں حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں گئے اور دشمن پر شب خون مارا۔ آگے فرماتے ہیں کہ :

"وَکَانَ شِعَارُنَا تِلْکَ اللَّیْلَۃَ اَمِتْ اَمِتْ"—

"اور اس رات ہمارا شعار "امت امت" تھا"۔

(سنن ابی داؤد)

۱۱ بجے کے قریب کمانڈر زبیر صاحب بھی ہمارے کشت میں شامل ہوگئے اور ہم ان سے خاص خاص معرکوں کے واقعات سننے لگے ۔۔۔ یہ سلسلہ اتنا دلچسپ تھا کہ ایک بجنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ بادل نخواستہ ان سے رخصت ہوکر واپس آیا تو کمرے کے ساتھی جو تقریباً دس

تھے سو چکے تھے - میں بھی اپنے لئے بچھے ہوئے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا کل جس معرکے میں شرکت کا موقع ملنے والا تھا دیر تک اس کے تصورات میں کھویا رہا۔

جلوہ ہائے عالم حیرت سے دل لبریز ہے
اللہ اللہ! بے خودی بھی کیا تصور خیز ہے
(حضرت عارفی)

منگل ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ ۵ اپریل ۱۹۸۸ء

سویرے آنکھ کھلی تو برفانی فضا میں کسی مجاہد کی اذان گونج رہی تھی "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاح" کے ولولہ انگیز کلمات پیغام دے رہے تھے کہ:

مسلم خوابیدہ اٹھ! ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق، گرم تقاضا تو بھی ہو

مجاہدین اپنی بے سروسامانی کے باوجود ہمیں راحت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے، ہر نماز کے وقت گرم پانی سے وضو کرانے کیلئے سب مہمانوں کے پاس ایک ایک میزبان پہنچ جاتا۔ وہ خود قضائے حاجت کیلئے جنگل جاتے ہیں، مگر ہمارے لئے انہوں نے حویلی کے باہر برفانی ہواؤں سے بچاؤ کیلئے ایک عارضی بیت الخلاء بنا دیا تھا جس کی صفائی کا خودکار طریقہ بھی انہی کی ایجاد تھا۔

سردی سخت تھی نماز فجر کے بعد ہم تو اپنے کمروں میں رہے مگر معلوم ہوا کمانڈر زبیر صاحب زیر تربیت مجاہدین کا دستہ لیکر پہاڑوں میں جا چکے ہیں، جہاں ان کو چھاپہ مار جنگ کی تربیت دیتے ہیں ـــــ یہاں کا روز کا معمول ہے۔

ہم نے ناشتہ کی عادت رات کے بچے ہوئے شوربے، چپاتیوں اور بسکٹوں سے پوری کی اور جانے کو تیار ہو کر حویلی کے باہر آئے تو مرکز کے سب لوگوں کو کمانڈر صاحب کا

منتظر پایا' وہ ۹ بجے یہاں پہنچنے والے تھے۔ ٹھیک ۹ بجے ایک ٹیلے سے وہ اوران کا دستہ دو قطاروں میں "وکٹری مارچ" کرتا ہوا نمودار ہوا' یہ بڑا پرکیف منظر تھا' دیکھتے ہی دیکھتے یہ باوردی چاق وچوبند دستہ ہمارے سامنے آکر رک گیا' اس دستے کے ایک نوعمر مجاہد کی طرف' ایک صاحب نے اشارہ کرکے بتایا کہ یہ "قاری سعید الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے ہیں" —— قاری سعید الرحمٰن صاحب سے ناچیز کا قلبی تعلق بہت دیرینہ ہے' وہ خود بھی ماشاءاللہ صاحب فضل ہیں* اور ایک بہت عظیم دینی شخصیت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں' جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے ۔ قاری صاحب کے لخت جگر کو اس کم عمری میں شاہین صفت مجاہد کی حیثیت سے دیکھ کر بہت ہی مسرت ہوئی' اور باپ بیٹے دونوں کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔

تقریباً پون گھنٹہ تک ان مجاہدین نے پریڈ اور فنون سپہ گری کا ولولہ انگیز مظاہرہ کیا' جس میں کمند ڈال کر اس پر چڑھنے کا مقابلہ خاص طور سے دلچسپ تھا' اس میں ہمارے قافلے کے ایک نوجوان ساتھی ہارون صاحب نے بھی جو کراچی سے پہلی بار محاذ پر آئے تھے نہ صرف حصہ لیا بلکہ مقابلہ جیت لیا۔

جھپٹنا' پلٹنا' پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

مجاہدین کے حملوں کی خبریں اخبارات میں پڑھ کر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنے اونچے پہاڑوں پر یہ توپیں کس طرح لیکر چڑھتے ہوں گے؟ اور کس طرح ان کو ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر منتقل کرتے ہوں گے؟ اس مظاہرے سے یہ عقدہ بھی حل

---

* ۱۹۹۰ء اس وقت جبکہ یہ مضمون شائع کیا جارہا ہے' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قاری صاحب موصوف' نومبر ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوکر صوبائی وزیر مذہبی امور کی ذمہ داریاں سنبھال چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم و صحت کے ساتھ بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

ہو گیا' ہمارے سامنے کئی قسم کی توپیں نصب تھیں' مارٹر توپ اور اینٹی ایئرکرافٹ وغیرہ۔ ہر توپ پر دو تین مجاہد پہنچے اور گھڑی دیکھ کر مقررہ منٹوں میں اس کا ایک ایک پرزہ الگ کر دیا' پھر ہر توپ کو چند ہی منٹوں میں دوبارہ جوڑ کر مورچے میں نصب کر دیا۔ یہ سب وہی دینی مدارس کے طلبہ تھے جن کے بارے میں عام طور سے کہا جاتا ہے کہ انہیں اپنی کتابوں کے سوا کسی چیز کی خبر نہیں۔ مگر جو لوگ "ملا کے پرے" سمجھتے ہی سے الرجک ہوں وہ کیا جانیں کہ

"ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ"

یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہو رہی تھی کہ کمانڈر صاحب اور یہ مجاہدین نماز فجر کے بعد سے اب تک پر مشقت سرگرمیوں میں منہمک تھے' ناشتہ بھی نہ کیا تھا' لیکن ـــ نظر بد دور ـــ ان کے فولادی جسم تھکان کی ہر علامت سے عاری اور چہرے گلاب کی طرح تازہ تھے۔ اَللّٰھم احفظھم

کمانڈر زبیر احمد خالد

خصوصاً کمانڈر زبیر صاحب کا ہر دم مسکراتا ہوا پر سکون چہرہ دیکھ کر تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ رات بھی ایک بجے کے بعد تک چوکیداری کے گشت میں شامل تھے' اور آج ہی دشمن پر حملے کی کمان بھی کرنی ہے۔ اپنی جان توڑ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ واکی ٹاکی کبھی ان کے کانوں پر نظر آتی' کبھی منہ پر' وہ اگلے مورچوں اور پیچھے "مرکز" کے مرکز سے مسلسل رابطہ کئے ہوئے تھے' اور آج سہ پہر کو دشمن پر جو حملہ کیا جانے والا تھا' اس کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً وائرلیس پر ہدایات دے رہے تھے۔

پھریرے بدن کے اس ۲۴ سالہ نوجوان کی شادی کو ابھی صرف ڈیڑھ سال ہوا ہے' جہاد کی لگن' شہادت کے شوق' ملک وملت کے درد' مسلسل جفاکشی' خداداد ذہانت اور میدان کارزار کے آٹھ سالہ سرد و گرم نے اس بجلی صفت غازی کو پختہ کار سپہ سالار بنا دیا ہے۔ یہ جہاد افغانستان کے سلسلہ میں پہلے بھی دارالعلوم کراچی میں مجھ سے مل چکے

ہیں مگر ان کی تمام قابل رشک صفات اور قائدانہ صلاحیتوں کے جوہر یہیں کھلے ـــــ میانہ قد، سرخی مائل سانولا رنگ، زلفیں کاندھوں کو چھوتی ہوئی، شجاعت و مردانگی کا چمکیلا، نظروں میں عقاب کی تیزی، بیشتر اداؤں میں سنت کی جھلک، چہرے پر تبسم لیے ہیں، دھیما پن، باتوں میں سوز اور مٹھاس، مزاج میں انکسار و تواضع، ہر وقت فل بوٹ سمیت وردی میں، ہر دم مسلح اور مستعد، ہاتھ میں وائی ٹاکی ـــــ اپنے ساتھیوں پر دل و جان سے فریفتہ، ان کیلئے مجاہدین بھی وہی باپ بھی وہی ان کا استاد بھی طبیب بھی، سالار بھی اور دوست بھی، بھائی بھی اور حاکم بھی۔ بے تکلف بھی باوقار بھی، محبوب بھی اور معظم بھی ـــــ ساتھی ان کے ایک اشارے پر جانیں دینے کیلئے تیار ہی نہیں بیتاب نظر آتے ہیں۔

درس نظامی کے چوتھے سال تک باقاعدہ تعلیم حاصل کر پائے تھے کہ ۱۹۸۱ء میں جہاد کا شوق محاذ پر کھینچ لایا، یہاں بھی خندقوں میں کبھی مورچوں میں کبھی کیمپ میں، جب اور جس طرح موقع ملا اپنے امیر مولانا ارشاد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے درسی کتابیں پڑھتے رہے، یوں جہادی اسی سرگرمیوں میں چھٹے سال تک کی تعلیم بھی کسی نہ کسی طرح پوری کر لی ـ ۱۹۸۵ء میں اپنے امیر کی شہادت کے چند ماہ بعد حرکۃ الجہاد الاسلامی کی مجلس شوریٰ نے ان کو مرکزی کمانڈر منتخب کیا اس وقت سے یہی خدمت اوڑھنا بچھونا ہے ـــــ کسی شہید کو اس کے گھر پہنچانے، اس کے پسماندگان کی تعزیت کرنے، زخمیوں کو ہسپتال داخل کرنے، یا تنظیمی کاموں کے سلسلے میں پاکستان جانا ہوتا ہے تو چند گھنٹوں کیلئے اپنے گاؤں "دوحبہ الحکیم" تحصیل کبیروالا ضلع ملتان بھی ہو آتے ہیں۔

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

ان سے دو ہی دن کی رفاقت میں ایسا انس ہو گیا کہ افغانستان سے واپسی کے بعد بھی

ان کا خوشگوار تصور دل و دماغ پر چھایا رہا۔ اب جبکہ یہ سطور لکھ رہا ہوں کراچی اور لاہور میں بھی اب تک ان سے کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں' ہر ملاقات سے دل میں محبت کے نقوش اور گہرے ہو گئے ۔ اس شخص کے قابل رشک حالات دیکھ کر اور باتیں کر کے محسوس ہوتا ہے کہ اسے فتح سے زیادہ شہادت کا شوق ہے' جو زبان حال سے بے ساختہ کہہ رہا ہے کہ

سوار ناقہ و محمل نہیں میں
نشان جادہ ہوں' منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے خاشاک سوزی
فقط بجلی ہوں میں' حاصل نہیں میں

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سبحان محمود صاحب دامت برکاتہم کو جمعہ کی صبح کراچی سے عمرے کیلئے روانہ ہونا تھا' اس لئے وہ اور قافلے کے ایک اور ساتھی جناب قاری بلال احمد صاحب بھی کسی مجبوری سے آج ہی صبح دس بجے کے قریب ایک جیپ میں پاکستان کیلئے روانہ ہو گئے تاکہ جمعرات کی شام تک کراچی پہنچ جائیں' ڈیرہ اسماعیل خان تک پہنچانے کے لئے دو تین مجاہد بھی ساتھ گئے ۔

مجاہدین کا جلسہ

پروگرام کے مطابق جلسہ منعقد ہوا تو کمانڈر زبیر صاحب نے ہم مسافروں کی آمد پر بے پناہ مسرت و ممنونیت کا اظہار فرمایا ان کی تقریر کے الفاظ تو اب یاد نہیں رہے حاصل مضمون یہ تھا کہ

"آپ حضرات کی تشریف آوری سے ہمارے حوصلوں کو جو قوت ملی ہے اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے' میرے پاس بھی اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت

ہمارا وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی بدولت ہم دنیا کی ظالم ترین سپر طاقت سے ٹکر لے رہے ہیں۔ امریکہ کی دوغلی پالیسی اور پُرفریب دشمنی سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اس کے متعلق کبھی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے' وہ ہم پر عرصہ حیات تنگ کرنے' اور افغانستان کو اسلامی حکومت کے قیام سے محروم کرنے کیلئے اب روس کے ساتھ مل کر ہم پر جنیوا سمجھوتہ مسلط کرنا چاہتا ہے' مگر ہم نے محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس سمجھوتے کو مسترد کر دیا ہے' اس طرح ہمیں دونوں سپر طاقتوں کی خطرناک سازش کا سامنا ہے۔ لیکن الحمد للہ شہیدوں کا خون رنگ لا رہا ہے' آپ بزرگوں کی سرپرستی اور دعاؤں سے انشاء اللہ اب وہ وقت دور نہیں جب افغانستان کمیونسٹوں کے جبر و استبداد سے آزاد ہوگا' کابل پر اسلام کا پرچم لہرائے گا' یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی' اور ہمارے مظلوم افغان مہاجر بھائی یہاں آکر دوبارہ آباد ہوں گے۔

میدان کارزار کی خندقوں اور مورچوں میں گولوں کی بارش اور خونریز معرکوں میں' یہ تصور ہمارے لئے ہمیشہ باعث تقویت رہا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی حمایت' اور آپ بزرگوں کی خصوصاً' سرپرستی اور دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری سے یہ تصور اب حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے' جس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔"

پھر رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگے:

"میں نے آج رات امیر شہید رحمۃ اللہ علیہ (مولانا ارشاد احمد صاحب) کو خواب میں دیکھا ہے۔"

یہ کہتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ ادھر سامنے مجاہد اپنے شہید امیر کا نام سن کر زار و قطار رونے لگے، پورے مجمع سے دبی دبی سسکیاں خالی رہنے لگیں۔ __ انہوں نے بمشکل اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"میں نے خواب میں دیکھا جیسے امیر شہید مجھ سے وہ شکایت کر رہے ہیں کہ "تم نے مجھے پہلے سے کیوں نہ بتایا کہ ہمارے بزرگ اور علماء کرام تشریف لا رہے ہیں، مجھے ان کی تشریف آوری کا بہت عرصے سے انتظار تھا مگر اب میں غزنی کے محاذ پر ایک مہم میں مشغول ہو چکا ہوں جسے چھوڑ کر آنا ممکن نہیں۔"

جلسے سے ہم مہمانوں نے بھی مختصر خطاب کیا جس کے دوران بھی فلک شگاف نعرے گونجتے رہے اور کبھی بولنے اور سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک آتے۔

کیوں بزمِ دین و جہاں میں ہلچل ہے خدا جانے
یاد آ گئے پھر شاید بھولے ہوئے افسانے؟
(حضرت عارفی)

ایک دینی فریضہ __ اسلحہ میں خود کفالت

قرآن کریم نے مسلمانوں پر ایک فریضہ یہ عائد کیا ہے کہ:

"وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ"

"اور ان (کفار) کے لئے جتنی تم سے ہوسکے قوت تیار کرو۔"
(الانفال : ۶۰)

"قوت" کے مفہوم میں تمام جنگی اسلحہ اور متعلقہ سازوسامان بھی داخل ہے اور اپنے بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا اور ان کی مشق کرنا بھی ۔ قرآن حکیم نے اس جگہ اس زمانہ کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ "قوت" کا عام لفظ اختیار فرماکر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانے اور ہر ملک و مقام میں مختلف ہو سکتی ہے ۔ اس زمانے کے اسلحہ تیر، تلوار، نیزے اور منجنیق تھے اس کے بعد بندوق اور توپ کا زمانہ آیا، پھر بموں، راکٹوں اور میزائیلوں کا وقت آگیا، لفظ "قوت" ان سب کو شامل ہے اس لئے آج کے مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ بقدر استطاعت ایٹمی قوت، جدید ترین میزائل، ٹینک، طیارے، آبدوزیں وغیرہ تیار کریں کیونکہ یہ اسی "قوت" کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس کے لئے جس علم و فن اور ٹیکنالوجی کو سیکھنے کی ضرورت پڑے وہ سب اگر اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے دفاع اور کفار کے مقابلے کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے ۔ (تفسیر معارف القرآن)

آنحضرت ﷺ کے دو صحابی "حضرت عروۃ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غیلان بن اسلم رضی اللہ عنہ" غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محض اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سازوسامان کی صنعت سیکھنے کے لئے ملک شام کے شہر "جرش" گئے ہوئے تھے جہاں خاص قسم کی جنگی گاڑیاں "دبابہ" اور "ضبور" بنائی جاتی تھیں ان گاڑیوں سے اس وقت آج کل کے ٹینکوں جیسا کام لیا جاتا تھا اسی طرح "منجنیق" کی صنعت بھی وہاں تھی جس سے بھاری بھاری پتھر قلعوں پر پھینک کر دشمن تو پوں کا کام لیا جاتا تھا ـــــ یہ صنعتیں سیکھنے کیلئے ان دونوں صحابہ کرام نے ملک شام کا سفر فرمایا[1]

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر زمانے کے

---

[1] رسالہ جہاد ص ۱۵ تا ۱۷ ۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ

جدید ترین وسلحہ ٔ جنگی ساز وسامان اور ٹیکنالوجی میں مہارت پیدا کر کے خود کفیل ہو جائیں ' دوسروں کے محتاج نہ رہیں ' ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ جنگی گاڑیاں اور منجنیق وہاں سے خرید کر درآمد کر لی جاتیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے کافی نہیں سمجھا بلکہ خود اپنے یہاں تیار کرنے کی حکمت عملی اختیار فرمائی ۔

ہمارا فرض ہے کہ اس پر پورا غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ کو تو وہ روحانی ربانی طاقت ونصرت حاصل تھی جس کے ہوتے ہوئے مادی سامان کی ضرورت نہ ہوتی لیکن پھر بھی آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا تو ہم جیسے ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی ضرورت کس قدر زیادہ ہے ۔ ہمیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ موجودہ دور کے جدید ترین اسلحہ ایٹم بم وغیرہ اور ان کی جدید ترین ٹیکنالوجی میں خود کفیل نہ ہو کر ہم دینی لحاظ سے بھی کتنی مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں ؟ ۔ ۔ ۔ دیانت داری ' محنت ' جفاکشی ' سادگی اور کفایت شعاری کو اپنا کر پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کیلئے خود کفالت کی یہ ناگزیر منزل حاصل کر لینا ۔ ۔ ۔ مشکل ضرور ہے ۔ ۔ ۔ ناممکن ہرگز نہیں ۔ اور اس مشکل مرحلے کو سر کرنے کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ کار بھی نہیں کیونکہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

نشانہ بازی ــــ عظیم عبادت

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت میں جس " قوت " کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے اس کی تفسیر آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ

" اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ، اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ "

"یاد رکھو! وہ قوت "الرمی" ہے، یاد رکھو! وہ قوت "الرمی" ہے، یاد رکھو! وہ قوت "الرمی" ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ ۔ حدیث ۱۹۱۷)

لفظ "الرمی" کے معنی ہیں "پھینک کر مارنا" یا "نشانہ لگانا"۔ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے یوں تو جہاد کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور سازوسامان تیار کرنا مسلمانوں کا شرعی فریضہ قرار دیا ہے، اور وہ سب کے سب "قوۃ" کے قرآنی مفہوم میں داخل ہیں لیکن ان میں سے بھی جو ہتھیار پھینک کر مارے جاتے ہیں مثلاً تیر، گولی، بم، راکٹ، میزائل وغیرہ اسلام میں ان کی خاص تاکید و اہمیت ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں تو ساری کی ساری جنگیں بری ہوں، یا بحری یا فضائی ــــــ بلکہ خلائی بھی ۔ اسی "الرمی" کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہیں اس لئے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں یہ مستقبل کی خبر بھی پنہاں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب جنگیں صرف دور سے ہوا کریں گی، اور جنگی قوت کا مدار صرف "الرمی" (پھینک کر مارنے یا نشانہ لگانے) پر رہ جائے گا۔ پاس کی جنگ جو خنجر، تلوار، نیزے جیسے ہتھیاروں سے ہوتی ہے، متروک ہو جائے گی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تیراندازی کی بڑی تاکید فرمائی اور اس سے متعلقہ امور کے تعلق خاص طور سے ارشاد فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ:

"إن الله يدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر في الجنة صانعه يحتسب في صنعته الخير، والرامي به، ومنبله، فارموا واركبوا، وأن ترموا أحب إلي من أن تركبوا۔"

"اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے، (ایک) اس کے بنانے والے کو جس نے اچھی

"تم پر زمینیں فتح ہوں گی اور اللہ تمہاری کفالت فرمائے گا لیکن (اس زمانہ امن وامان میں) تم اپنے تیروں کے کھیل سے عاجز نہ ہو جانا (کہ مشق چھوڑ بیٹھو)"

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ حدیث ۱۹۱۸)

جس طرح قرآن کریم حفظ کر کے بھلا دینا گناہ ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے نشانہ بازی سیکھ کر اسے بھلا دینے کو سخت گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

"مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، أَوْ قَدْ عَصَى"

"جس نے نشانہ لگانا سیکھا پھر بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں (راوی کہتے ہیں کہ) یا یوں فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔"

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث ۱۹۱۹)

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا جس میں تحریر تھا کہ:

"إِذَا لَهَوْتُمْ فَالْهُوا بِالرَّمْيِ، وَإِذَا تَحَدَّثْتُمْ فَتَحَدَّثُوا بِالْفَرَائِضِ"

(رواہ الحاکم فی معرفۃ الصحابہ)

"جب تم کھیلو تو نشانہ بازی کا کھیل کھیلو اور آپس میں باتیں کرو تو مسائل میراث کی باتیں کرو۔"

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے نشانہ بازی کا شوق بچپن سے ہے۔ بندوق ریوالور اور رائفل کی تربیت بھی مختلف مرحلوں میں حاصل کی۔ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے لائسنس بنوا کر مجھے کئی اسلحہ اسی لئے دلوائے تھے کہ شکار وغیرہ کے ذریعہ مشق کا سلسلہ

جاری رہے۔ ان کی وفات کے بعد اب ذمہ داریوں اور مشاغل کے انبار میں اس مشق کے دب جانے کا نتیجہ ہو گیا۔ اس لئے نشانہ بازی کے مواقع کا منتظر رہتا ہوں کہ

اے شیخ! بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیابانی میں فاروقی و سلمانی

جب سے فارغ ہو کر ظہر تک ہم نے کلاشنکوف سے نشانہ بازی کی دل کھول کر مشق کی۔ نشانہ خاصی دور اور بلندی پر تھا۔ کمانڈر زبیر صاحب صحیح نشانے لگانے پر بڑے ادب اور مسرت سے داد دیتے رہے۔ ایک اور بڑی گن (س ۔ زی) سے بھی نشانہ بازی کا موقع ملا۔ اس سے ایک فائر میں لگاتار سو گولیاں نکلتی ہیں۔ اینٹی ایئر کرافٹ گن ہے، مجاہدین مقامی زبان میں "دوشکہ" کہتے ہیں۔ اس سے بھی فائر کئے۔ یہ طیارہ شکن توپ ہے مگر زمین سے زمین پر بھی مار کرتی ہے۔ اس کی گرج سے پورا کہسار لرزتا محسوس ہوا۔ غیر متوقع بات یہ ہوئی کہ ہم نے اس سے بھی "ٹھیک ٹھیک نشانے لگائے۔" والحمد للہ

حملے کیلئے روانگی

نماز ظہر اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوئے تو تقریباً ۲ بجے سب مسلح ہو کر حویلی کے باہر جمع ہو گئے۔ میزبانوں اور ہم مہمانوں کو ملا کر تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ ہر ایک کے پاس کلاشنکوف اور گولیوں سے بھری ہوئی چار چار میگزینیں تھیں۔ بہت سے مجاہدین نے احتیاطاً مزید گولیاں اپنی جیکٹوں کی جیبوں میں مونگ پھلیوں کی طرح بھر رکھی تھیں۔ کمانڈر زبیر صاحب، جو سب کی توجہ کا مرکز تھے، روانگی کے انتظامات کا جائزہ لے رہے تھے۔ وائی ٹاکی پر ان کا رابطہ گردوپیش کے مراکز اور اگلے مورچوں سے قائم تھا۔ مختلف قسم کی توپیں ان کے اجزاء الگ الگ کر کے ایک بہت بڑے دیوہیکل "ٹرک" میں رکھی جا چکی تھیں۔ ان کے بہت سارے گولے اور راکٹ لانچر گرنیڈ (ہ ۔ بم) وغیرہ بھی اسی ٹرک میں تھے۔ جن کو مرکز کی حفاظت کے لئے رکھنا تھا ان کے علاوہ سب مجاہدین

اسی ٹرک میں کھچا کھچ بھر گئے، دو مجاہد رکے ہوئے ہیں دو مجاہد سوار تھے انہی کے پاس کمانڈر زبیر صاحب کو بیٹھنا تھا۔ ہم مہمانوں کے لئے دو جیپوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

کمانڈر زبیر صاحب کے سوار ہوتے ہی ٹھیک دو بجے قافلہ روانہ ہوا۔ آگے آگے اسلحہ اور مجاہدین سے بھرا ہوا ٹرک پیچھے ہماری جیپیں۔ ہمارا راستہ اڑگرائی کے دامن میں چٹانوں کا زیاں وادی ارغون کے کنارے کنارے شمال کو روانہ ہوگئیں، جہاں دشمن کی بڑی مضبوط زمین دوز فوجی چوکی ''زامہ تولہ'' ہے۔

لے تو چلی ہے ہمت پرواز سوئے گل
پہنچائیں جتنی دور بھی اب بال و پر مجھے
(حضرت عارفی ؒ)

ارغون چھاؤنی کی فوجی اہمیت

ارغون چھاؤنی جس کی حفاظت کیلئے زامہ تولہ اور دیگر فوجی چوکیاں قائم کی گئی ہیں، دشمن کی بڑی مضبوط سرحدی چھاؤنی ہے، اس میں جدید ترین اسلحہ، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں پر مشتمل ایک بریگیڈ فوج ہر وقت موجود رہتی ہے، اس کے علاوہ چھ سو جنگجو قبائلی فوجیوں پر مشتمل ملیشیا بھی موجود ہے۔ ایک فوجی ائیرپورٹ بھی ہے جو رسد پہنچانے اور جنگی ہیلی کاپٹروں کیلئے استعمال ہوتا ہے، اس کے ذریعے چھاؤنی کو رسد ملتی رہتی ہے۔ روسی اور افغان کٹھ پتلی اس چھاؤنی کو خاص اہمیت دیتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان رہنے والے جنگجو قبائل کے قریب ہے۔ سرحدی قبائل کو لڑانے اور ان کو مجاہدین کے خلاف استعمال کرنے کیلئے یہ چھاؤنی اہم رابطے کا کام دیتی ہے۔

دوسری یہ کہ پاکستانی سرحد کے قریب ہونے کے باعث وہ یہاں سے پاکستان پر دباؤ رکھنا چاہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سمت سے کابل تک گاڑیوں کا یہی ایک قریبی راستہ ہے۔ اس چھاؤنی کی قوت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''صوبہ پکتیکا'' کا اس طرف کا

سارا علاقہ مجاہدین آزاد کرا چکے ہیں' لیکن اس چھاؤنی اور اس کی حفاظتی چوکیوں پر اب تک دشمن کا قبضہ ہے۔

پوسٹ "زامہ خولہ"

کمانڈر زبیر صاحب نے رات ہی بتایا تھا کہ تین چار سال پہلے یہ چوکی نہیں تھی' ہم براہ راست چھاؤنی پر حملے کرتے تھے' ایک مرتبہ منصوبہ بندی کر کے اس پر بھرپور حملہ کیا' اور چھاؤنی کے اندر جا گھسے' دشمن جم کر قدم قدم پر ہمارا مقابلہ کرتا رہا' اور بالآخر بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہوتا رہا' ہمارا بھی کچھ جانی نقصان ہوا' تاہم نصف سے زیادہ چھاؤنی پر ہمارا قبضہ ہو گیا' اس کے بعد ہم چھاؤنی کے جس علاقے میں بھی پہنچے' دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے' یا بھاگ کھڑا ہوا' فوج کے بڑے بڑے افسر اپنے دفتر اور گھر کھلے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے بہت سے گرفتار ہو گئے' پھر بھی چھاؤنی کے ایک حصے پر وہ جمے رہے' ہم اس طرف بڑھے تو راکٹوں کی بارش ہونے لگی' اس دن ہمارے ساتھ روسیوں سے چھینا ہوا ایک ٹینک بھی تھا جو گولے داغ رہا تھا' اور اس کی آڑ سے مجاہدین گولیاں برسا رہے تھے۔ ہمارے سب ساتھی ہر طرف سے سمٹ کر پوری طاقت اسی حصے پر خرچ کرنے لگے' مکمل فتح سامنے نظر آرہی تھی کہ اچانک پانسہ پلٹ گیا' ہمارے ٹینک کا توپچی ایک راکٹ سے شہید ہو کر ٹینک سے باہر لٹک پڑا' ڈرائیور نے اسے اٹھانا چاہا تو ایک راکٹ سے وہ بھی سخت زخمی ہو کر گر گیا۔ ہماری پیش قدمی رک گئی' کوئی متبادل ڈرائیور اور توپچی ساتھ نہیں تھا۔ مجبوراً واپس ہونا پڑا۔

یہ واقعہ سنا کر کمانڈر زبیر صاحب نے پرسکون تبسم کے ساتھ کہا

"حضرت! اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے' اس میں بھی خدا جانے کتنی حکمتیں ہوں گی' شاید ایک حکمت یہ ہو کہ چھاؤنی فتح ہو جاتی تو کروڑوں روپے کا مال غنیمت ہاتھ آتا' اور ایک ایک مجاہد لکھ پتی بن جاتا' ہو سکتا ہے وہ مال و دولت ہمارے لئے دنیا کی محبت اور جہاد سے سستی کا سبب بن جاتا۔

اس واقعہ نے ہمیں ایک سبق یہ دیا کہ اس روز ہمیں اپنی منصوبہ بندی پر ناز ہو گیا تھا، ہماری زبانوں پر یہ جملہ بار بار آ رہا تھا کہ "آج ارغون ضرور بچے گی" ہم "ان شاء اللہ" بھی نہیں کہہ رہے تھے، اس روز ہماری نظریں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بجائے اپنے ٹینک، ساز و سامان اور طاقت پر لگ گئی تھیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتا دیا کہ میری طرف سے نظریں پھیر کر تم کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتے، جیتی ہوئی جنگ بھی شکست سے بدل دی جائے گی۔"

اس واقعہ کے بعد دشمن نے اس چھاؤنی کی حفاظت کیلئے بہت بڑے پیمانے پر کارروائیاں کیں، کابل سے ایک زبردست فوجی کانوائے آیا جس میں ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی تعداد ہزاروں میں تھی، درجنوں گن شپ ہیلی کاپٹر اور طیارے اس پر سایہ کئے ہوئے تھے، اس بے پناہ فوجی قوت کے بل پر کانوائے پوری وادی ارغون میں پھیل گیا، اور چھاؤنی کے گرد و پیش میں جہاں جہاں سے مجاہدین کی یلغار کا خطرہ تھا وہاں مضبوط زمین دوز چوکیاں تعمیر کر لیں۔

"زامہ خولہ"، "خان عالم قلعہ"، "ٹیک محمد پوسٹ" اور دیگر چھوٹی بڑی چوکیوں کو ملا کر ان کی کل تعداد بارہ ہے، سب سے مضبوط چوکی "زامہ خولہ" ہے، اپنے محل وقوع کی وجہ سے وادی ارغون اس کی دور مار توپوں کی زد میں ہے، اس کے ذریعہ دشمن نے یہاں سے غزنی اور کابل کا راستہ مجاہدین کیلئے بند کر رکھا ہے، ارغون چھاؤنی اور شہر کی فتح بھی اس چوکی کو ختم کئے بغیر ممکن نہیں۔

اسی لئے اب یہاں کے مجاہدین کا مرکزی ہدف یہی چوکی ہے، وہ آئے دن اس پر حملے کرتے رہتے ہیں، لیکن دشمن نے "زامہ خولہ" کے ارد گرد دور دور تک بے اندازہ بارودی سرنگیں بچھا رکھی ہیں، اس کی طرف جانے والے ہر ندی نالے، پہاڑ اور میدان میں یہ "موت کے بیج" مجاہدین کی گھات میں ہیں، زامہ خولہ کے متصل تو چاروں طرف بارودی سرنگوں کا ایسا جال بچھایا ہے کہ ایک قدم بھی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی، ان

[illegible] کے نتیجوں سے اب تک کئی مجاہد شہید و بہت سے ٹانگوں سے معذور ہو گئے۔
مگر ان کی آزمائشوں اور جراحتوں نے ان سرفروشوں کے جذبات کو وہ آتشبار
شوقِ شہادت اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا ہے۔ وہ جان چکے ہیں کہ

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اب ہماری پیش قدمی اس پوسٹ "زامہ غول" کی طرف ہو رہی تھی اور
مجاہدین سے کچھ ہی بڑا دیو ہیکل "جیپ ٹرک" اونچے نیچے کچے راستوں پر بے ڈولی سے
انداز میں مگر خاصی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا اس کی پیروی ہماری دونوں جیپیں اس
طرح کر رہی تھیں جیسے اس سے بندھی ہوئی ہوں ۔۔ آگے جو معرکہ ہونے والا تھا
ذہن اس کے طرح طرح کے خاکے بنا رہا تھا ابھی جنگ کا پورا منصوبہ نہیں بتایا گیا
تھا اس نے ہر مجاہد کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا ____ دل شوقِ جہاد سے بے تاب
اور زبانیں اللہ کے ذکر سے تر ہوں ____ وللہ الحمد

ابھی دو تین کلومیٹر ہی بڑھے ہوں گے کہ دائیں طرف وادی ارغون کے وسیع
میدان میں دشمن کے گولے آنے لگے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گر گر کر پھٹنے لگے یہ پوسٹ
"زامہ غول" سے آرہے تھے ۔ خیال ہوا کہ دشمن کو ہماری پیش قدمی کا پتہ چل گیا ہے!
مگر کمانڈر صاحب نے بتایا کہ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے امیر مولانا سیف اللہ اختر
صاحب تقریباً ۲ گھنٹے قبل "شکین" کے مرکز سے میزائلوں کا ایک ٹرک بھر کر "خانی قلعہ"
کیلئے روانہ ہو گئے ہیں اور اب وادی ارغون کو عبور کرنے والے ہیں، دشمن کو ان کی سن گن
مل گئی ہے، یہ گولے اسی کو نشانہ بنانے کی کوشش میں ہیں۔ مگر کمانڈر صاحب نے اس
ٹرک یا امیر صاحب کے بارے میں بھی کسی اندیشے کا اظہار نہیں کیا۔ مجاہدین نے اس کی
وجہ بتائی کہ یہ تو روز مرہ کا معمول ہے بحمد اللہ ہم دن رات میں نہ جانے کتنی بار وادی کو
ایسی ہی گولہ باری میں عبور کرتے ہیں اللہ کے فضل سے کسی کا بال بیکا نہیں ہوتا۔

گولے آ آ کر پھٹتے رہے اور ہمارا قافلہ بڑھتا رہا کئی اجڑی ہوئی بستیوں سے گذر

ہوا نیلم الفون جو وا ہے اور وہاں بھی راستے میں ملے تو وہ بھی ہماری طرح وادی سے گزر کر اس کے شمال مغربی کنارے پر واقع کوہ میں سے ہوتے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ آبادی تو یہاں کی زمین ہے ۔۔۔۔ تقریباً دو گھنٹے بعد ہمارا قافلہ بائیں طرف، سرسبز پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک وسیع ڈھلان پر چڑھ کر ایک پُراسرار سے جنگل میں رک گیا۔

”مرزنگ“ کے مرکز مجاہدین میں

یہاں دور دور تک کوئی آدم زاد نظر نہیں آرہا تھا، مگر جیسے ہی ہم گاڑیوں سے اترے، ہر طرف سے کتنے ہی مسلح نوجوان نمودار ہوئے اور لمحوں میں پچاس کے لگ بھگ مجاہدین ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ کلاشنکوفوں کے علاوہ بہت سوں نے توپ کے گولے، راکٹ لانچر اور دستی بم بھی تھام رکھے تھے۔ اس مرکز کے یہ مجاہدین آج کے حملے میں ہمارے ساتھ شریک ہونے والے تھے۔ اس جگہ کا نام ”مرزنگ“ ہے۔ یہاں سے دشمن کی پوسٹ ”زامہ خولہ“ بالکل قریب ہونے کے باوجود اونچے پہاڑوں کا قدرتی حصار اس کے گولے یہاں نہیں پہنچنے دیتا۔ بمبار طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کا بھی اس لئے خوف نہیں کہ دشمن فضائیہ مجاہدین کے میزائلوں سے اس بری طرح پٹ چکی ہے کہ اب شدید مجبوری کے بغیر فضا میں اڑنے کا خطرہ مول نہیں لیتی۔ البتہ یہ مرکز جن پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے ان پر چڑھ کر مجاہدین، دشمن کی ہر نقل و حرکت کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس مرکز میں صرف چست مستعد نوجوانوں کو رکھا جاتا ہے۔ انہیں جو کام کرنے پڑتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ہر وقت ہر حالت میں دشمن کی پوسٹوں اور چھاؤنی پر دوربین وغیرہ سے کڑی نظر رکھنا، اور ان کی ہر غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع کمانڈر پیر صاحب کو نمائی قلعہ وغیرہ میں وائرلیس پر دینا۔

۲۔ جنگی حکم ملنے پر دشمن کے خلاف فوری کارروائی۔

۳۔ جاسوسوں کے ذریعہ دشمن کے حالات معلوم کرنا۔

۴۔ دشمن کے خلاف کارروائیوں کے لئے اس کے بہت قریب پہنچ کر بھی مورچے اور

خندقیں کھودنا۔

۵۔ ان کارروائیوں کے لئے راستے سے بارودی سرنگیں صاف کرنا۔

۶۔ لڑائی کے دوران جو مجاہد زخمی یا شہید ہو جائیں' لڑائی تھمنے تک ان کو یہاں حفاظت سے رکھنا۔

ماشاء اللہ انہیں "شاہین بچوں" میں دارالعلوم کراچی کے بھی کئی طلبہ سے ملاقات ہوئی' جن سے بغل گیر ہوتے وقت مسرت کے آنسو' روکے نہ رک سکے۔ یہاں ایک چھوٹی سی نامکمل جھونپڑی کے علاوہ کوئی عمارت یا خیمہ نظر نہیں آیا۔ یہ لوگ رہتے کہاں ہیں؟ غاروں میں؟ یا چوٹیوں پر؟ یا اندر دامن کوہ میں کچھ مکانات ہیں؟ ان سوالات کے پوچھنے کا موقع نہیں تھا مگر ان میں سے ہر ایک کا سراپا پکار رہا تھا کہ

بجلی ہوں' نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لئے شایاں' خس و خاشاک نہیں ہے

ایک بروقت اطلاع

کمانڈر صاحب کا اشارہ پاتے ہی اس مرکز کے مجاہدین سمیت ہم سب ان کے گرد جمع ہو گئے' ہر شخص ہمہ تن گوش تھا انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "ابھی راستے میں وائرلیس پر اطلاع ملی ہے کہ پوسٹ زاسہ خولہ میں دشمن فوج جو عام طور پر تین روز مورچوں' تہ خانوں اور خندقوں میں دبکی رہتی ہے' آج باہر نکلی ہوئی ہے۔ اس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں' یا تو وہ ایندھن کی لکڑیاں کاٹنے اور جمع کرنے کیلئے نکلی ہے اس صورت میں ہمارے لئے اسے شکار کرنا انشاء اللہ بہت آسان ہو گا' یا اس کا ارادہ ہماری طرف پیش قدمی کرنے کا ہے' اگر ایسا ہے تو یہ بہت غیر معمولی بات ہوگی کیونکہ آج تک اس نے ہماری طرف بڑھنے کی جرأت نہیں کی' مگر اس صورت میں آپ کو اپنے حوصلے نکالنے کا خوب موقع ملے گا کیونکہ لڑائی بہت قریب سے ہوگی' اور آپ اپنی کلاشنکوفیں جی بھر کے استعمال کر سکیں گے' گولیوں کی بحمداللہ آپ کے پاس کمی نہیں۔ دشمن کی پوسٹ زاسہ خولہ پر حملہ تین طرف سے کیا جائے گا جس کیلئے تین جماعتیں ایک ایک امیر کی سربراہی میں

تشکیل دی گئی ہیں 'ہر ایک اپنے امیر کی ہدایات پر عمل کرے۔

کمانڈر صاحب کی ہدایات

کمانڈر صاحب نے حسب عادت مسکراتے ہوئے پر سکون لہجے میں فرمایا "میں آپ کو پانچ اہم باتوں کی تاکید کرتا ہوں":

۱۔ پہلی بات یہ کہ صبر کو اپنا شیوہ بنائیے۔ مجاہد کیلئے یہ سب سے پہلا سبق اور سب سے بڑا ہتھیار ہے'اس کی تاکید قرآن وسنت میں بار بار کی گئی ہے' ہر مسلمان کو ہر کڑے وقت میں صبر کرنے کا حکم ہے' لیکن ایک مجاہد جو جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے راستہ میں جارہا ہے' اس کیلئے صبر کی بہت اہمیت ہے' اللہ کے راستہ میں لڑنے والے کو قدم قدم پر انتہائی صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' میری تاکید آپ کو یہی ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں' ہر تکلیف کو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہنسی خوشی برداشت کریں۔ صبر وہ کلید کامیابی ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے' بندہ سخت ترین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب رحمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے' اور فتح و نصرت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

۲۔ لڑائی میں اگر ہمارا کوئی ساتھی زخمی ہو جائے تو یاد رکھئے' ہمارے پاس ابتدائی طبی امداد کا سامان نہیں ہے' یہاں سے زخمی کو پاکستان کے کسی ہسپتال تک پہنچانے میں دو دن لگ جاتے ہیں' اس لئے میری درخواست ہے کہ جیسے ہی کوئی زخمی ہو' آپ اس کا خون روکنے کی بھرپور کوشش کریں' کیونکہ ہمارے کئی ساتھی محض اسی وجہ سے شہید ہو گئے کہ ہسپتال تک پہنچتے پہنچتے ان کے جسم کا سارا خون بہہ گیا' ورنہ زخم مہلک نہیں تھا' ہمارے پاس زخموں پر باندھنے کے لئے پٹیاں بھی نہیں' جس سے آپ اس کا خون روکنے کیلئے فوراً اپنے پہنے ہوئے کپڑے کو پھاڑ کر اس کی پٹی زخم پر باندھ دیں۔

۳۔ میدان کارزار میں ہر وقت کسی بھی مجاہد کے شہید ہو جانے کا امکان ہوتا ہے' میری پر زور وصیت ہے کہ اگر کوئی ساتھی شہید ہو جائے' تو اس کی لاش ہرگز دشمن کے حوالے نہ ہونے دیں۔ جان پر کھیل کر بھی شہید کی حفاظت کریں اور اسے محفوظ مقام

پر کوئی گئی۔ اس پورے جہاد میں بحمداللہ ہم نے کسی ساتھی کی لاش دشمن کے حوالے نہیں ہونے دی۔ اس روایت کو برقرار رکھئے۔

۴- چوتھی درخواست یہ ہے کہ خدانخواستہ آپ دشمن کے نرغے میں آجائیں اور دشمن ہر طرف سے گھیر لے تو بجائے آپ کو پکڑانے کے ہاتھوں گرفتار ہونے وہیں آخر دم تک لڑتے رہیں یہاں تک کہ شہادت آپ کے قدم چوم لے۔

۵- پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ ہر جماعت میں اپنے اپنے امیر کی اطاعت کریں، اس کی ہر ہدایت پر بلا چون و چرا عمل کریں، اگرچہ وہ آپ کی رائے کے خلاف ہو۔ امیر کی اطاعت کو قرآن و سنت نے فرض کیا ہے، اور جہاد میں اس کی سب سے بڑی آزمائش ہوتی ہے، اس کی خلاف ورزی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اور بسا اوقات جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حافظ و ناصر ہو۔

اس مختصر اور اثر انگیز خطاب کے بعد سب نے مل کر الحاح و زاری سے دعا کی، اور ہر جماعت اپنے امیر کی سربراہی میں پیدل روانہ ہوئی۔ بہت سے مجاہدین نے توپوں کے الگ الگ کئے ہوئے پرزے اٹھا رکھے تھے، ان توپوں کو آگے لیجا کر مورچوں میں نصب کرنا تھا، باقی سب مجاہدین نے توپوں کے گولے اور دیگر اسلحہ اٹھایا ہوا تھا۔ ہم مسافروں کو کمانڈر صاحب نے ازراہ نوازش اپنی جماعت میں شامل کیا تھا، وہ بھی اپنی جماعت کے دیگر مجاہدین کو ساتھ لیکر ہم سے یہ کہہ کر روانہ ہوگئے کہ "آپ حضرات کے لئے جیپ موجود ہے، نائب کمانڈر قاری نعمت اللہ صاحب آپ کو محاذ پر لے آئیں گے"۔

دل کی حالت زار

بچپن سے اب تک جہاد کے جتنے معرکے پڑھے سب ہی میں عملی شرکت کی تمنا رہی اور کبھی موت کا خوف دامن گیر نہیں ہوا تھا۔ اس سفر افغانستان میں بھی اب تک بحمداللہ یہ کیفیت رہی تھی کہ بقول مرشد عارفی ؒ

دل ہوا ہے جب سے لذت گیر تیر ہائے غم
ہر نفس ذوق جراحت میں تپش انگیز ہے

لیکن جب کمانڈر صاحب نے ہمیں زخمیوں اور شہیدوں کے متعلق ہدایات دیں تو ــــ کیا عرض کروں 'دل کس پیچ وتاب اور اذیت میں گرفتار ہو گیا؟ چونکہ میں اس سفر کے صرف واقعات نہیں بلکہ کچھ تاثرات بھی لکھ رہا ہوں 'اس لئے مجھے یہاں اعتراف کرنا چاہئے کہ موت کا اک انجانا سا خوف چپکے چپکے پورے جسم میں دوڑ گیا تھا' طرح طرح کے اندیشوں اور پریشان کن خیالات نے کئی منٹ تک یہ حالت کئے رکھی کہ:

راہ وفا میں رکھنے کو رکھ تو دیا قدم
دنیائے پیچ وتاب ہے اب دل کے سامنے
(حضرت عارفی قدس سرہ)

خیال آیا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت پانے کی دعا کرتا رہا ہوں 'شاید قبولیت کا وقت آپہنچا ہو 'اور اب گھر واپسی مقدر نہ ہو' میرا اکلوتا بیٹا (مولوی) محمد زبیر سلمہ بھی میرے ساتھ ہے 'گھر پر کوئی مرد نہیں" ــــ ساتھ ہی رفیقہ حیات کی 'اور تینوں بیٹیوں کی معصوم صورتیں سامنے آگئیں۔

چھوٹی بچی کو جب ہمارے افغانستان کے پروگرام کی خبر ہوئی تو وہ چپکے چپکے کئی بار روئی 'پھر روانگی سے ایک روز پہلے اس نے لجاجت سے کہا تھا"ابی! افغانستان میں تو سخت جنگ ہو رہی ہے 'ابی! آپ وہاں نہ جائیں 'بھائی جان کو بھی نہ جانے دیں "میں نے اسے سمجھایا تھا کہ "بیٹی جنگ نہیں جہاد ہو رہا ہے 'جس میں ہمارے مسلمان بھائی کئی برس سے جانوں کی بازی لگائے ہوئے ہیں 'مسلمان بچیاں باہمت ہوتی ہیں 'بزدلی مسلم بیٹیوں کا شیوہ نہیں ہوتا' پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں جہاد میں عملی حصہ لینے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں" پھر میں نے جھوٹ بولے بغیر اس طرح سے بات کی تھی کہ وہ یہی سمجھے کہ ہم کسی معرکہ میں شریک نہیں ہوں گے ــــ میں سوچنے لگا "اگر یہاں شہادت

مقدر میں ہے تو وہ سوچے گی "ابو نے مجھ سے جھوٹا وعدہ کیا تھا" اگرچہ میں نے اس سے وعدہ نہیں کیا تھا لیکن وہ تو میری گفتگو کا یہی مطلب سمجھ کر مطمئن ہوئی تھی! ــــ

ہمارے ذاتی مکان پر بے رحم کرایہ دار ناحق قابض ہیں اس وقت جس مکان میں رہائش ہے وہ دارالعلوم کا ہے میں شہید ہو گیا تو بیوی اور بچیاں کہاں رہیں گی؟۔

بڑی بہن کو تشویشناک حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا اگرچہ میں ان کی حالت قدرے اطمینان بخش ہونے کے بعد ہی روانہ ہوا تھا لیکن نہ جانے اب وہ کس حال میں ہوں گی؟

دارالعلوم میں کئی نئے منصوبوں پر حال ہی میں کام شروع ہوا ہے اور کچھ نئے کام دارالعلوم کے تعلیمی اور تربیتی میدان میں اپنی زندگی میں کرنا چاہتا تھا ان کا کیا ہوگا۔

"اگر شہید ہونے کے بجائے دوسرے بہت سے مجاہدین کی طرح ہاتھ یا ٹانگ سے معذور ہو گیا تو پوری زندگی اپاہج ہو کر گذارنی پڑے گی" ــــ وغیرہ وغیرہ۔

میں بظاہر مجاہدین کی ان تینوں جماعتوں کو دشمن کی پوسٹ "زامہ خول" کی طرف جاتا دیکھ رہا تھا لیکن درحقیقت اندیشوں اور وسوسوں کی جو یورش خود میرے اندر ہو رہی تھی اس میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی دستگیری

اچانک ضمیر نے آواز دی اور مرشد محسن حضرت عارفی ؒ کا چہرہ مبارک سامنے آکر ان کا یہ ارشاد دل میں اترتا چلا گیا کہ

جاتا نہیں اندیشہ جاں عشق میں اے دل!
ہشیار کہ یہ مسلک تسلیم و رضا ہے!

اور میں شرمندہ ہو کر دل ہی میں خود کو "بزدل، کم ہمت" اور نہ جانے کیا کیا کہنے لگا ــــ ضمیر کہہ رہا تھا "یہ تیرے گناہوں کا وبال ہے کہ شیطان تیرا راستہ چھینا اس

وقت کھونا رہتا ہے جب ایک مبارک دن یہ تمنا پوری ہونے والی ہے" ——
مرشد حسن کی ہدایت یاد آئیں۔ ماحول پہ بچی۔ اللہ تعالیٰ سے بار بار عاجزی کے ساتھ
استغفار کی اور ان شیطانی وسوسوں سے نجات کی دعا کرنے لگا —— بتدریج اطمینان نے
دستگیری فرمائی۔ ورکچھ بعد ذہن سے قرآن کریم کی یہ آیات یاد آئیں تو دل کی ڈھارس بندھ گئی:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے" (آل عمران ـ ۱۸۵)

"أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ
فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ"

"جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط
قلعوں ہی میں ہو" (النساء ـ ۷۸)

"وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا"

"اور جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ
اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا" (المنافقون ـ ۱۱)

ان آیات نے تنبیہ کی کہ موت کی تو جو تاریخ اور جو وقت مقرر ہے وہ وہاں ہی
وقت آکر رہے گی۔ کسی بھی تدبیر سے مقدم ہو سکتی ہے نہ مؤخر۔ پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں
شہادت سے گریز اور شیطانی دھوکہ بازی کے سوا کیا ہے؟ اگر ایسے ہی اندیشوں
میں یہ مجاہدین بھی گرفتار ہو جاتے تو آج روسی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر دستک دے
رہی ہوتیں۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

اس طرح کہ خود موت کا خوف اور دہشت آ دبوچتی تو بوکھلا ہوگئے لیکن
ایک نیا خوف یہ پیدا ہوا کہ خدا نخواستہ اگر جنگ کی شدت میں پاؤں اکھڑ گئے تو میری
آخرت کا کیا بنے گا؟ قرآن کریم کا یہ فرمان یاد کر کے لرزاں تھا کہ :

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ
دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
الْمَصِیْرُ"

"اے ایمان والو جب تم کافروں سے دوبدو ہو جاؤ تو ان سے
پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت
پھیرے گا تو وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا
دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ہاں (وہ شخص) اس
حکم سے مستثنیٰ ہیں (ایک وہ) جو لڑائی میں حملہ کرنے کے لیے
(یا دشمن کے وار سے بچنے کے لیے) پیچھے ہٹتا ہو (حقیقت میں
میدان سے ہٹنا مقصود نہ ہو بلکہ دشمن کو غفلت میں ڈال کر
اچانک حملہ کرنا پیش نظر ہو۔ اور دوسرا وہ شخص) جو (اپنی) فوج
سے (ملنے کے لیے) ہٹتا ہو (تاکہ وہاں سے قوت حاصل کر کے حملہ کیا
جائے)۔" (الانفال ۱۵-۱۶)

مگر سرور دو عالم آنحضرت ﷺ کی دعائیں کام آئیں جس کا فائدہ میں نے یہ

طرح کیا کہ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا"

"یا اللہ! میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کے راستہ میں پشت پھیر کر مروں۔"

(مناجات مقبول ۔۔۔ ۱۷۱)

اس دعا کے قلب و زبان پر جاری ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نیا اعتماد اور نیا عزم پیدا ہوا اور سارے اندیشے کافور ہوگئے۔ دل کی دو اذیت ناک کیفیت زیادہ سے زیادہ دو منٹ رہی ہوگی، مگر ان دو منٹ میں کتنے سارے خیالات حملہ آور ہوگئے، اور کتنی دل نشیں یادوں نے انھیں پسپا کیا! اب یاد کرتا ہوں تو اس میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے۔

مرا دل، مری رزم گاہ حیات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات!
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر!
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

انہی دو منٹ کے دوران ایک عزیز ساتھی نے قریب آکر سرگوشی کے انداز میں کہا "ہم میدانِ کارزار میں ہیں، ہر آن کچھ بھی ہوسکتا ہے، آپ سے درخواست ہے کہ شہید ہوجاؤں تو میرے بچوں کی دینی و عصری تعلیم کا خاص خیال رکھیں۔" میں نے تسلی دی، انھیں کیا خبر کہ اس وقت میں خود کس کیفیت سے دوچار تھا۔ باقی ساتھیوں کے دل کا حال تو کہہ نہیں سکتا، البتہ ہر ایک خاموش تھا اور ہونٹ سب کے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے کہ۔

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

میدان کارزار میں

ڈرائیوروں نے جیپیں نہ جانے کہاں لے جا چھپائی تھیں؟ یہ وہی گرانے کی جیپیں تھیں جو ہمیں "بگرام" سے "خوتی قلعہ" درمیان ملی تھیں، ان کی تلاش میں مزید کئی منٹ لگ گئے۔ ہم نے اس وقفہ میں تازہ وضو کر لیا، کیونکہ زیادہ دور نہیں تھا، سوچا پیدل ہی روانہ ہو جائیں، اتنے میں ایک جیپ آئی اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی معیت میں مجھ سمیت کئی ساتھیوں کو لیکر روانہ ہوئی جس میں ذیب کا نڈر قاری نعمت اللہ صاحب اور بعض پرانے مجاہدین بھی شامل تھے، باقی ساتھی اسی جیپ کی واپسی کے منتظر رہے۔

مجاہدین کی وہ تینوں جماعتیں پہاڑوں کے دشوار گذار راستے سے گئی تھیں، ہماری جیپ ان پہاڑوں کے گرد قدرے کھلی زمین پر دوڑی اور خوب سے چکر کاٹ کر جا رہی تھی مگر یہ راستہ کچھ خطرناک بھی تھا کیونکہ یہاں سے ہمارے اور "جوست نامہ خولہ" کے درمیان صرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے حائل تھے اور کہیں یہ بھی نہیں تھے، دشمن ہمیں با آسانی دیکھ سکتا تھا، اتفاق دراز رحمت پھونک پھونک کر آگے بڑھ رہا تھا۔ مجاہد ساتھیوں نے ہمیں سنا کر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

"وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ"

"اور بنا دی ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے اور ایک آڑ ان کے پیچھے، اور اوپر سے ان کو ڈھانک دیا، سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا" (یٰسین ۹)

ہم بھی اس آیت کا ورد کرنے لگے، بارہا آزمایا ہوا یہ دشمن کی نظروں سے بچنے کا مجرب عمل ہے۔ جہاد کے ہر موقع کے مناسب ان مجاہدین کو قرآن و حدیث کی دعائیں خوب یاد ہیں۔

میدان میں کچھ فاصلے پر مجاہدین کی تیسری جماعت ندی' نالوں' اور اپنی کھودی ہوئی خندقوں میں اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ ہمیں بھی نظر نہ آئی۔

ٹیلے کے اس پار سامنے شمال میں تقریباً ایک کلو میٹر پر روسی کابلی فوج کی چوکی "زامہ خول" متفرق کالے کالے دھبوں کی شکل میں نظر آ رہی تھی' دوربین سے دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک "کالا دھبہ" "تو ریو ٹیکل" روسی ٹینک ہے' جس کا صرف اوپر کا حصہ اور بازو نظر آ رہا تھا' نچلا حصہ زمین اور ریت کی بوریوں میں چھپا ہوا تھا' اسی کے پاس ایک دو فوجی بھی کھڑے نظر آئے' باقی کالے دھبے درحقیقت فاصلے فاصلے پر حفاظتی برج تھے' جن کے راستے فوج تہ خانوں اور زمین دوز مورچوں میں داخل ہوتی ہے' اور اب انہیں کے اندر چھپی ہوئی تھی' ان کی کئی مارٹر اور دور مار توپیں چھوٹے ٹیلوں وغیرہ کے پیچھے نصب تھیں' جو مجھے نظر نہ آسکیں۔

چوکی "زامہ خول" کے پیچھے اور آس پاس دشمن کی کئی اور چوکیاں "ٹیک محمد پوسٹ" وغیرہ ہیں ۔ یہ سب چوکیاں "ارغون چھاؤنی" اور "ارغون شہر" کی حفاظت کیلئے بنائی گئی ہیں جو ان کے پیچھے شمال مغرب میں واقع ہیں' میں انہیں بھی نہیں دیکھ سکا۔۔۔۔ چوکی "زامہ خول" کے پیچھے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا جو شمال میں برف پوش پہاڑوں سے جا ملتا تھا۔

"زامہ خول" کے اور ہمارے اس ٹیلے کے درمیان کھلا میدان تھا جو روسیوں نے اپنی حفاظت کیلئے بارودی سرنگوں سے پاٹ رکھا ہے' اسی طرح اس چوکی تک جانے والا ہر راستہ اور ہر ندی نالہ بارودی سرنگوں سے پاٹا ہوا ہے' خاص طور سے چوکی سے متصل تو چاروں طرف تاروں والی بارودی سرنگوں کی داگز چوڑی باڑھ ہے' جس میں ایک قدم رکھنے کی گنجائش نہیں۔

اس صورت حال میں کلاشنکوفوں کی جنگ کی تو امید نہ رہی' کیونکہ قریب سے جنگ اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ فوج ہماری طرف پیش قدمی کرتی' یا ہم چوکی پر قریب جا کر حملہ کرتے' لیکن کمیونسٹ فوج تہ خانوں میں جا چھپی تھی' اور ہم بارودی سرنگوں کی وجہ سے قریب جا کر حملہ نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ اس کے لئے نقشوں کی تیاری' دقیق

زامہ خولہ پوسٹ کا نقشہ
پہاڑیاں

ژاور خوار کا جنگی ٹینک جو ۹ سال تک حرکت کے مجاہدین اور مہمان علماء کرام کو نشانہ بناتا رہا

ژاور خوار پوسٹ کا ایک زمین دوز کمرہ

دشمن کی اہم حفاظتی چھاؤنی عالم خان قلعہ

منصوبہ بندی اور مرصد واریت کی کارروائیاں آگے ہیں جن کا سلسلہ بحمد اللہ اچھی رفتار سے جاری ہے ۔ آجکل اس چوکی پر روزانہ دو چار روز بعد جو چھوٹے چھوٹے حملے کئے جا رہے ہیں وہ بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں اور اسی پالیسی کا حصہ ہیں کہ "دشمن کو ہزاروں چھوٹے چھوٹے زخم لگا کر نڈھال کیا جائے" فیصلہ کن حملے کیلئے بہرحال ایک دو ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔

لہٰذا آج ہمارے حملے کا مقصد صرف یہ رہ گیا تھا کہ کمیونسٹ فوج کو توپوں کی گولہ باری سے جانی اور مالی نقصان پہنچا کر ہراساں رکھا جائے، بچا کھچا گولہ بارود کم سے کم خرچ کر کے اس کی تنصیبات کو نشانہ بنایا جائے اور اس کا گولہ بارود زیادہ سے زیادہ خرچ کرایا جائے گا۔ شکم توپوں کے استعمال کی حسرت ہی رہی!

"سکینت"

حملے سے ذرا پہلے تقریباً پونے پانچ بجے نماز عصر جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھے تو آنکھیں نمناک اور زبان گنگ ہو کر رہ گئی، فرطِ جذبات میں دعاؤں کے الفاظ ڈھونڈے نہیں آ رہے تھے، حافظے پر زور ڈال کر وہ دعا یاد کی جو آنحضرت ﷺ نے غزوہ احزاب میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ خندق کی مٹی ڈھوتے ہوئے رجز کے انداز میں فرمائی تھی جسکو مبارک گونج نے اٹھایا ہوا تھا وہ پوری دعا یہ ہے:

"واللّٰہ لولا انت ما اھتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا

ان الاولی قد بغوا علینا

اذا ارادوا فتنۃ ابینا!"

"بخدا (یا اللہ) اگر آپ نہ ہوتے تو ہم کو ہدایت نصیب نہ ہوتی
نہ ہم صدقہ خیرات کرتے' نہ نماز کی توفیق ہوتی' پس ہم پر
سکینت (اطمینان) نازل فرمائیے' ان (کفار) نے ہمارے
مقابلے میں سرکشی کی ہے وہ جب کوئی شرارت کرنا چاہیں گے
ہم اسے رد کریں گے۔"

(صحیح مسلم کتاب الجہاد ---- ۱۰۳)

لیکن اس وقت اس دعا میں سے صرف فانزلن سکینۃ علینا یاد آیا اور ہم اسی کو الحاح و زاری کے ساتھ دہراتے رہے ــــ دعا سے فارغ ہوئے تو دل پر ایسا عجیب و غریب اطمینان چھایا ہوا تھا کہ زندگی میں اس کی مثال یاد نہیں' حال کی فکر' نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ' نہ ماضی کا کوئی غم' کیا عرض کروں؟ کیسا تو کیا' ناقابل بیان کیف و نشاط تھا!

قرآن کریم نے اہل جنت کیلئے ایک عجیب و غریب نعمت کی بشارت جگہ جگہ دی ہے کہ:

"لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"

"ان کو نہ کسی طرح کا اندیشہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اکثر یہ سوچ کر حیرانی ہوتی تھی کہ یا اللہ! وہ کیسا پرکیف عالم ہوگا جب نہ مستقبل کا کوئی دھڑکا ہوگا' نہ حال یا ماضی کا کوئی غم! دنیا میں تو اس عجیب و غریب کیفیت کا تصور بھی ممکن نظر نہیں آتا' انتہائی امن و مسرت کی حالت میں بھی جب تک ہوش و حواس باقی ہوں' ہر شخص کو نہ جانے کتنے غم اور تفکرات' ڈر کتنے ہی کھٹکے اور دھڑکے لگے رہتے ہیں' مگر میدان جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس عجیب و غریب نعمت کی ایک جھلک یہاں دکھلا دی۔ ہر ساتھی نے اسے خاص طور سے محسوس کیا۔

دیکھا جو اپنے دل میں وہ دیکھا نہ پھر کبھی
یوں تو مری نگاہ سے دنیا گذر گئی

نماز کے فوراً بعد کمانڈر صاحب نے "واکی ٹاکی" پر مجاہدین کی اس جماعت سے رابطہ کیا جو دائیں طرف پہاڑ پر مورچہ زن تھی' یہ مکالمہ استعاروں میں تھا کہ دشمن کا

وائرلیس بھی اچک لے تو سمجھا نہ جا سکے ـــــ ہم صرف کمانڈر صاحب کی آواز سن رہے تھے، آپ بھی سنئے :

"وعلیکم السلام" ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

"جی ہاں" ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

"یہ بتاؤ کھانا تیار ہے؟" ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

"تو آپ لوگ دسترخوان وغیرہ لگائیں، ہم چند منٹ میں پہنچ رہے ہیں" ـــــــ

"ٹھیک ہے" ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

"وعلیکم السلام" ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس اثناء میں ہمارے وہ ساتھی بھی پہنچ چکے تھے جنہیں "مرز گاہ" سے لانے کیلئے جیپ واپس گئی تھی۔ کمانڈر صاحب کی ہدایت کے مطابق ہم سب ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ گئے، صرف دو چار کہنہ مشق مجاہدان کے ساتھ مارٹر توپ پر رہے۔

کمانڈر صاحب نے بتا دیا تھا کہ جیسے ہی ہماری توپ سے پہلا فائر ہو گا دشمن گولے برسا کر ہمیں نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا، اس کے پاس سیدھی مار کرنے والی توپوں کے علاوہ مارٹر توپیں بھی ہیں جن کا گولہ اوپر جاکر کمان کی سی شکل بناتا ہوا نیچے گرتا ہے تاکہ پہاڑ یا ٹیلے کے پیچھے چھپے ہوئے مجاہدین کو بھی نشانہ بنا سکے ـــــ یہ بھی بتایا تھا کہ دشمن کے فائر کی آواز کیسی ہوگی، پھر جب ان کے گولے ہمارے پاس سے گذریں گے تو کیسی آواز سنائی دے گی، اور جب وہ گر کر پھٹیں گے تو کیسا دھماکہ ہو گا ـــــ اور یہ کہ گولا جب پھٹتا ہے تو اس کے دھکتے ہوئے دھار دار آہنی پرخچے دور دور تک رائفل کی گولی کی رفتار سے اڑتے، اور رائفل کی گولی سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں ـــــ ان سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ دشمن کے فائر کی آواز سنتے ہی سب زمین پر لیٹ جائیں کہ جان کو بلا وجہ خطرے میں ڈالنا اور احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

حملے کا کامیاب آغاز

کمانڈر زبیر صاحب نے ہدف توپ کا نشانہ دشمن کے ایک مورچے پر فٹ کر کے بلند آواز سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا۔ جواب میں ہم سب نے "اللہ اکبر" کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ مجاہدین پہلے بتا چکے تھے کہ ہم حملے کا آغاز ہمیشہ نعرۂ تکبیر سے کرتے ہیں کیونکہ دشمن اس سے بری طرح گھبراتا ہے۔ اس گھبراہٹ کے آنکھوں دیکھے بہت سارے دلچسپ واقعات بھی سناتے تھے ___ نعرۂ تکبیر کی گونج میں ہماری توپ گرجی اور ہم تبرکاً قرآن کریم کی یہ آیت پڑھنے لگے:

"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

"اور (اے محمد ﷺ) جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو وہ تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں۔"
(انفال ۱۷)

یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی بھر کے لشکر کفر پر پھینکی تھی اور معجزانہ طور پر دشمن کے ہر سپاہی کو اس سے نقصان پہنچا تھا۔ کمانڈر صاحب نے جو گولہ فائر کیا تھا اس کے پھٹنے کا دھماکہ تقریباً بیس چالیس سیکنڈ بعد سنائی دیا۔ ساتھ ہی دور چوٹیوں پر مامور مجاہدین نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا کر خوشخبری سنائی کہ گولہ ٹھیک نشانے پر لگا ہے۔ مجاہدین کی جو جماعت بائیں طرف پہاڑ پر تعینات تھی، انہوں نے بھی فوراً وائرلیس پر مبارک باد دی کہ گولہ ٹھیک مورچے پر پھٹا ہے ___ یہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی ورنہ عموماً مارٹر توپ کا پہلا فائر ٹھیک نشانے پر نہیں لگتا، ایک دو گولے خطا ہونے کے بعد ہی نشانہ صحیح بیٹھتا ہے ___ لیکن یہاں تو لمحہ بہ لمحہ یہ حقیقت بے نقاب ہوتی جا رہی تھی کہ:

دے ولولۂ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج

مشکل نہیں یاران چمن' معرکہ باز
پر سوز اگر ہو' نفس سینہ دراج

ادھر فوراً ہی دشمن کے ٹینک اور توپوں کی دھمک پے درپے سنائی دینے لگی اور سیکنڈوں میں درجنوں گولے ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے کافی فاصلے پر گر گر کر پھٹنے لگے۔ ٹینک کے گولوں سے تو اس لئے خطرہ نہیں تھا کہ وہ بالکل سیدھے نکلتے ہیں اُن سے وہی نشانہ بن سکتا ہے جو ٹیلے وغیرہ کی آڑ میں نہ ہو' ---- البتہ دشمن کی مارٹر توپیں بھی آگ اگل رہی تھیں' جن کے گولے کمان کی طرح بتدریج اوپر جا کر نیچے آتے ہیں ان سے وہ ٹیلے کے پیچھے بھی ہمیں نشانہ بنا سکتے تھے' لیکن ان کے ہوش و حواس کی طرح نشانے بھی خطا ہو رہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں ایسی "سکینت" ڈال دی تھی کہ گولہ باری کی یہ جنگ زندگی کا تماشائی یادگار دلچسپ کھیل بن گئی' گولے جو کر دوپیش میں زبردست دھماکوں کے ساتھ بیک وقت درجنوں پھٹ رہے تھے' چند ہی منٹ میں' کان ان کے ایسے عادی ہو گئے کہ جھاڑیوں میں بجتے ہوئے جھینگروں کی "چٹاپٹ" کی برابر بھی ان کی اہمیت نہ رہی۔

رہے ہیں' اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مجھے کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یہ بیضا

کمانڈر زبیر کا دوسرا گولہ

کمانڈر زبیر صاحب اس "فرصت" میں توپ کو اپنے دوسرے نشانے پر فٹ کر چکے تھے' اور اب گردوپیش پر گہری اور کبھی سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے اس طرح ٹہل رہے تھے' جیسے کرکٹ میچ میں باؤلر پہلی کامیاب گیند پھینک کر دوسری پھینکنے کیلئے گیند کی واپسی کا انتظار کر رہا ہو ____ حکمت عملی یہ تھی کہ اپنا ایک گولہ پھینک کر جب تک ادھر سے گولہ باری ہوتی رہے خاموش رہو' اور ان کی گولہ باری کے رخ سے اپنے نئے ہدف کا کھوج لگاؤ' ____ جب دشمن سانس لینے کیلئے رکے تو "سنار کی سو" کے جواب میں "لوہار کا

ایک آدھ گولہ اور بھیج دیتے ـــــ اپنا گولہ بارود کم سے کم اور دشمن کا زیادہ سے زیادہ خرچ ہو۔ بیسیوں یا سینکڑوں گولے ضائع کرنے کے بعد دشمن کی گولہ باری جیسے ہی رکی' کمانڈر صاحب نے دوسرا گولہ فائر کر دیا جو ٹینک کے بالکل پاس جا کر پھٹا' بعض نوجوان ساتھی فرط مسرت سے ٹیلے پر چڑھ کر دشمن کا حال دیکھنے لگے ـــــ کہ

بے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ بدلتا ہوں

دشمن کی بے سود گولہ باری

ادھر دشمن نے مجبوراً پھر فائرکھول دیئے تھے اور ان کے گولے ہمارے دائیں بائیں اور اوپر سے "شوں شوں" کرتے گزر رہے تھے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے دائیں ہاتھ پر میں اور میرے بائیں ہاتھ پر اخی فی اللہ جناب محمد بخاری تھے' ان کے بعد دوسرے ساتھی' ہم سب ٹیلے سے ٹیک لگائے' ٹانگیں جنوب کی طرف پھیلائے زمین پر بیٹھے تھے ـ شمال سے دشمن کے جو گولے آ کر پھٹ رہے تھے' ان سے اٹھنے والے دھوئیں اور گرد و غبار کے بادلوں کا نظارہ کرتے رہے' دشمن کے فائر کی آواز سن کر لیٹ جانے کی ہدایت پر شروع میں عمل ہوا' لیکن دشمن کی بدحواسی اور "نشانے میں مہارت" دیکھ کر یہ تکلف سا محسوس ہونے لگا' اس لئے اب صرف اس وقت لیٹتے تھے جب کوئی گولہ قریب سے گزرتا تھا۔ ـ کسی کسی گولے کے دھماکے ہونے پر تپتی پاس آ کر بھی گر جاتے تھے' ہر ایک انہیں ہاتھ بڑھا کر پکڑنے کی کوشش کرتا' مگر شدید گرمی کے باوجود ان کی تپش کافی دیر میں اس قابل ہوتی کہ ہاتھ میں لئے جا سکیں۔

ادھر ہمارے بعض جوشیلے ساتھی گولوں کی بارش سے بے نیاز' ٹیلے کے بالکل اوپر بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہو کر دشمن کی نقل و حرکت کا نظارہ کر رہے تھے' دو نیچے آتے تو دوسرے ساتھی وہاں پہنچ جاتے' اس صورت حال نے "معرکہ کی دلچسپی" میں تو بہت اضافہ کر دیا' یہ پل پل کی خبریں سن رہی تھیں' لیکن جنگی اصول سے یہ سنگین غلطی تھی' کیونکہ دشمن کے لئے سب سے آسان نشانہ وہ شخص ہوتا ہے جو ٹیلے یا پہاڑ وغیرہ کے بالائی کنارے (اسکائی لائن) پر ہو' نیز یہ کمانڈر صاحب کی ہدایت کی بھی خلاف ورزی تھی' وہ تو

میزبان ہونے کی وجہ سے خاموش رہے' یا دل ناخواستہ مجھے درخواست کرنی پڑی' تب جاکر یہ سلسلہ ختم ہوا ـــــ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم بھی صرف اصول اور "ضابطہ میر" ہی کے تحت بیٹھے رہے' ورنہ دل تو رہ رہ کے یہ کہہ رہا تھا کہ :

کب تک رہے محکومیٔ انجم میں مری خاک
یا میں نہیں' یا گردش افلاک نہیں ہے!

اس مرتبہ دشمن کی گولہ باری زیادہ تیز تھی اور دیر تک جاری رہی' جیسے ہی وہ رکی کمانڈر صاحب نے تیسرا فائر کر دیا' یہ گولہ دشمن کے ایک اور مورچے پر گرا اور نعرہ تکبیر سے فضا لبریز ہو گئی' دشمن کی توپیں اور زیادہ شد و مد سے آگ اگلنے لگیں ـ مگر وہ زبان حال سے بس یہی کہہ رہی تھیں کہ :

مرے نالے ہیں میرے دل کی تسکیں
مجھے مطلب نہیں ان کے اثر سے

ہم نو واردوں کے گولے بھی "تیر بہدف"

کمانڈر زبیر صاحب مسکراتے ہوئے پاس آئے تو میں نے کہا "ہم سب بھی کم از کم ایک ایک گولہ فائر کریں گے" ـــ ان کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا ـ

ادب سے جھک کر کہنے لگے "اب ہمارے گولے آپ ہی حضرات کو باری باری فائر کرنے ہیں' میں صرف توپ کو نشانے پر فٹ کرتا رہوں گا"

انہوں نے اس مرتبہ اسے بڑی احتیاط سے فٹ کیا اور دشمن کی گولہ باری کے دوران اس نشانے کو چیک کرتے رہے ـ کافی انتظار کے بعد گولہ باری تھمی تو سب سے آگے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو سبقت کی دعوت دی ـــ اس وقت مجاہدین کا جوش و خروش قابل دید تھا "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں حضرت مدظلہم نے فائر کیا' وہ واپس آکر اپنی جگہ بیٹھے ہی تھے کہ ان کے داغے ہوئے گولے کے پھٹنے کا دھماکہ سنائی دیا اور فضا پھر نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی ـــ معلوم ہوا کہ

جن دو مورچوں پر پہلا اور تیسرا گولہ پھٹا تھا' یہ چوتھا گولہ انہیں کے بیچوں بیچ جاکر پھٹا ہے' اس سے بہ ظاہر دونوں ہی مورچوں اور ان کے فوجیوں کو نقصان پہنچا تھا۔

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینہ میں ہے قلب "سلیم"

دشمن کے ٹینک اور توپوں نے اب جو گولوں کی شدید بارش شروع کی تو اس میں جھنجلاہٹ کے آثار نمایاں تھے کیونکہ اب ان کے گولے ہمارے سے اور زیادہ فاصلے پر جاکر گر رہے تھے۔

کمانڈر زبیر جنہیں معرکہ کی موجودہ صورت حال نے مسرت کے ساتھ تواضع اور عزم کے ساتھ تدبر کا جمیل و جلیل پیکر بنا دیا تھا' پاس آکر کھڑے ہوگئے اور مسکرا کر حضرت مولانا مد ظلہم سے کہنے لگے 'حضرت! آپ کے فائر نے ان پر ضرب کاری لگائی ہے' ہم نے بار ہا تجربہ کیا ہے کہ ان پر جتنی کاری ضرب پڑتی ہے وہ اتنی ہی دیر تک اندھا دھند فائرنگ کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں! گولہ باری کتنی تیز ہوگئی ہے"

وہ پھر توپ کو سنے نشانے پر فٹ کرنے چلے گئے' اور میں ان کے بلانے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔ دل کہہ رہا تھا "یا اللہ! زندگی میں پہلی بار آپ کے دشمنوں پر توپ چلانے کا موقع مل رہا ہے' پھر آپ ہی کو معلوم ہے کہ آئندہ یہ سعادت نصیب ہوگی یا نہیں؟ اگر یہ وار خالی چلا گیا' تو عمر بھر حسرت رہے گی' یا اللہ! اس فائر کو دشمن پر ضرب کاری' اور میرے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیجئے" ___ اور بھی جو جو مسنون دعائیں یاد آئیں زیر لب کرتا رہا۔

بالآخر دشمن کی گولہ باری تھمتے ہی کمانڈر صاحب مسکراتے ہوئے آئے اور مجھے ساتھ لے چلے۔ توپ قریب ہی ٹیلے کے بالائی کنارے سے ذرا نیچے نصب تھی' صرف دہانہ ٹیلے سے اوپر تھا جسے بڑی احتیاط سے نشانے پر سیٹ کیا جا چکا تھا' مجھے صرف فائر کرنا تھا۔

اینٹی ایئرکرافٹ سے فائر کی مشق تو آج صبح "خوانی قلعہ" میں کچھ کر بھی لی تھی' فیلڈ مارٹر توپ کا یہ پہلا تجربہ تھا' اس میں ایک دہانہ عمودی شکل میں بھی تھا' کمانڈر صاحب

نے بھاری گولہ میرے دونوں ہاتھوں میں تھماتے ہوئے فرمایا: "اسے توپ کی طرف سے اس محفوظ نالے میں ڈال دیں، یہ نیچے ہی اندر پہنچ کر فائر ہو جائے گا، مگر آپ گولہ ڈالتے ہی اپنے کان دونوں ہاتھوں سے بند کر کے بائیں طرف ہٹ جائیں تاکہ دھماکے سے کان متاثر نہ ہوں اور گولے کا دھواں جو فوراً بائیں طرف اچھل کر آتا ہے اس سے محفوظ رہیں" ___ مخروطی شکل کا یہ وزنی گولہ تقریباً ایک یا سوا فٹ لمبا اور چھ سات انچ موٹا ہوگا، پیچھے تیر کے پروں کے مانند پنکھڑی سی لگی تھی ___

گولہ اس نالے میں گرتے ہی سامنے کے دہانے سے خوفناک دھماکے کے ساتھ دشمن کی طرف لپکا اور میں دل ہی دل میں یہ گنگناتا ہوا واپس آگیا کہ

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

جیسے ہی گولہ پھٹنے کا دھماکہ ہوا، دور مورچے پر موجود مجاہدین نے مژدہ سنایا "یہ ٹھیک مورچے پر جا کر پھٹا ہے" ___ اور نعرۂ تکبیر گونج اٹھی۔ کارنامہ تو سارا کمانڈر صاحب کا تھا، مگر میرے لئے یہ سعادت بھی کیا کم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے اناڑی اور کم ہمت کا ہاتھ بھی اس میں لگوا دیا تھا ___ خوشی سے آنسو نکل پڑے
فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ

دشمن کی اوچھی چال

حسبِ معمول کمانڈر صاحب نے یہ تصدیق کرنے کیلئے کہ گولہ واقعی ٹھکانے پر لگا ہے، پہاڑ والی جماعت سے رابطہ کیا تو وائرلیس پر ایک اجنبی آواز سنائی دی:

"غلط مارا ہے، پیچھے مارو، کافی پیچھے"

فوراً ہی جانی پہچانی آواز نے کہا:

"کمانڈر صاحب! یہ دشمن بول رہا ہے، گولہ مورچے پر پھٹا ہے، آپ کے گولے ٹھیک نشانوں سے ہٹوانے کیلئے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔"

کمانڈر صاحب نے اس اجنبی آواز کو پشتو میں مخاطب کر کے بڑے اطمینان سے کہا:

"ٹھہرو دشمن ہمیں سب ٹھکانے معلوم ہیں انشاءاللہ اگلے فائر بھی وہیں پہنچیں گے جہاں ہم چاہیں گے۔"

وہ بے تحاشا گالیاں دینے لگا تو کمانڈر صاحب نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس مرتبہ دشمن کے ٹینک نما ٹرکوں، دوشکہ (اینٹی ایئر کرافٹ) اور زیکویک (اینٹی ایئر کرافٹ کی ایک اور قسم) نے جس انداز میں اندھا دھند گولے برسانے شروع کئے اس سے بھی تائید ہوتی تھی کہ وہ بلبلا اٹھے ہیں ـــــ کہ

فتح کابل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار

ایک کم سن مجاہد کا یقین

ایک کم سن پاکستانی مجاہد جس کی عمر بمشکل پندرہ سال ہوگی "خالی قلعہ" میں زیر تربیت تھا اور آج کے معرکے میں بھی شریک تھا، وہ ٹیلے سے کافی ہٹ کر کھلی زمین میں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے دشمن کی چوکی "ٹامہ خولہ" کھڑے ہو کر دیکھی جا سکتی تھی۔ جب ہماری طرف سے فائر ہوتا، وہ پنجوں کے بل کھڑا ہو جاتا، اور اچک اچک کر گولہ گرنے اور پھٹنے کا آنکھوں دیکھا حال، بڑے جوش و خروش سے سناتا جاتا، پھر جب دشمن کی طرف سے فائر کھلتا تو اس کا اعلان کرتا "دیکھو وہ گولے آ رہے ہیں، یہ بھی بے کار جائیں گے"۔

ہم نے بار بار منع کیا، وہ سنی ان سنی کرتا رہا۔

اب جبکہ دشمن کی گولہ باری عروج پر تھی، اور گولوں کے ریچھے پاس آ کر زیادہ گرنے لگے تو ہم نے اس کی پھر منت سماجت کی کہ "بیٹا! کھلی زمین میں رہنا خطرناک ہے، یہاں آ کر ٹیلے سے لگ کر بیٹھ جاؤ" ـــ اس نے لاپروائی سے جواب دیا:

"حضرت! آپ فکر نہ کریں میں پچھلے دس روز میں ایسے کئی معرکوں میں شریک ہو چکا ہوں ـــ یقین کیجئے دشمن کے یہ گولے ہمارے واسطے نہیں بنے، یہ صرف ضائع ہونے کیلئے

جاتے ہیں۔"

اس "شاہین بچہ" کا جواب اصول جنگ اور نظم وضبط کے چاہے خلاف ہو مگر اس عجیب و غریب حقیقت کا ترجمان ضرور تھا جو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو یا تو اندھا کر دیا تھا کہ وہ اب تک یہ پتہ نہ چلا سکا کہ ہم کہاں سے گولہ باری کر رہے ہیں' یا اسے بے بس کر دیا تھا کہ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگانے کے باوجود اس کا ہر گولہ یا تو کسی اور ٹیلے سے جا ٹکراتا' یا زمین میں کہیں دور گر کر پاش پاش ہو جاتا۔

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے محروم رہا

سکینت ــــــ ایک پر کیف اعجوبہ

گولے اب اور زیادہ تعداد میں ہمارے سروں پر سے "شوں شوں" کرتے گزر رہے تھے ان کے پیہم دھماکے اس تسلسل سے ہو رہے تھے جیسے بھاڑ پر چنے بھن رہے ہوں' لیکن جوں جوں ان کی تیزی میں اضافہ ہوتا گیا' دل میں "سکینت" و اطمینان بڑھتا چلا گیا' یہ جملے تقریباً ہر ساتھی کی زبان پر تھے کہ

"یہاں کا تو عالم ہی عجیب ہے" ــــ "عجیب سکون ہے" ــــ "فضا میں عجیب کیف ہے' عجیب سرور ہے" ــــ "آج معلوم ہوا سکینت کسے کہتے ہیں" ــــ

مجھ جیسا کور ذوق و بے کار بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تعلق مع اللہ کی جو لذت یہاں نصیب ہوئی' زبان و قلم سے اس کا اظہار ممکن نہیں۔ گولوں کی اس "چھاؤں" میں آنحضرت ﷺ کی یہ بشارت یاد آکر تو کیف و نشاط کا کچھ اور ہی عالم ہو گیا تھا کہ :

"وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ"

"اور جان لو کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔"
(صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ حدیث ۱۷۴۲)

اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا میں اگر امن و امان اور سکون و اطمینان کی کوئی جگہ ہے تو بس یہی میدان کارزار ہے اور سرور و کیف کا کوئی عالم اگر اس جہاں میں موجود ہے تو بس گولوں کی چھاؤں میں ہے۔ یہ نادر حقیقت جسے بہت سے لوگ محض شاعرانہ تخیل سمجھتے ہوں گے اللہ تعالیٰ نے یہاں دکھلا دی کہ

ہر طرف پر امن ہے' آغوش گرداب فنا
اور ہر اندیشہ جاں' دامن ساحل میں ہے
(حضرت عارفی ؒ)

قرآن حکیم نے چار مواقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پر "السکینہ" نازل فرمانے کا خاص اعزاز سے ذکر فرمایا ہے' ایک اس وقت جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہجرت کے راستے میں "غار ثور" میں تشریف فرما تھے' اور کفار قریش آپ کو تلاش کرتے کرتے غار تک آ پہنچے تھے' دوسرے "بیعت رضوان" کے موقع پر' تیسرے "صلح حدیبیہ" کے وقت اور چوتھے غزوہ حنین کے موقع پر ـــــ ہم نے بھی آج نماز عصر کے بعد اللہ تعالیٰ سے آنحضرت ﷺ ہی کے الفاظ "سکینہ" نازل فرمانے کی دعا کی تھی' ـــــ ابھی تک "سکینہ" کا ترجمہ "تسکین' اطمینان' تسلی اور تحمل" ہی پڑھا تھا' مگر یہ معلوم نہ تھا کہ ہم نے کیسی عجیب و غریب دولت مانگی ہے!

جو "سکینت" امام المجاہدین آنحضرت ﷺ پر اور آپ کے اصحاب پر نازل ہوئی تھی' اس کا تو تصور بھی ہمارے لئے کہاں ممکن؟ لیکن اس کی جو جھلک یہاں گولوں کی بارش میں نصیب ہوئی' اس سے کچھ اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین رسول اور اس کے جانثاروں پر اس احسان کا ذکر چار مرتبہ کیوں فرمایا ہے۔ بس حضرت مرشد عارفی ؒ کے الفاظ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ

اپنے دل کی جلوہ گاہ حسن تھی پیش نظر
کیا بتاؤں' بے خودی میں کیا نظر آیا مجھے

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ "صوفیائے کرام برسوں تک اپنے مریدوں سے جس قسم کے مجاہدے اور ریاضتیں کرواتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے صحابہ سے ایسے مجاہدے نہیں کرواتے تھے، پھر صوفیائے کرام کیوں کراتے ہیں؟"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بعینہ الفاظ تو یاد نہیں رہے، مفہوم نقل کر رہا ہوں۔ (رفیع)

"بات دراصل یہ ہے کہ طریقت میں مجاہدے اور ریاضتیں مقصود نہیں ہوتے، مقصود تو باطنی اخلاق کی اصلاح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست اور مستحکم ہو جائے اور نفس کو اتباع شریعت کی عادت ہو جائے، مجاہدے اس مقصود کو حاصل کرنے کیلئے نفس کے علاج کے طور پر کرائے جاتے ہیں تاکہ نفس "مشقت کا" اور اپنی خواہشات کی مخالفت کا عادی ہو جائے۔ جب یہ عادت پڑ جاتی ہے تو اتباع شریعت آسان ہو جاتا ہے، اور شریعت پر عمل کرنے کیلئے صرف رہنمائی کی ضرورت رہ جاتی ہے، جسے مرشد انجام دیتا رہتا ہے۔

یہ مقصود صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صرف جہاد ہی سے اس درجہ حاصل ہو جاتا تھا کہ انہیں کسی مزید مجاہدے اور ریاضت کی ضرورت نہیں رہتی تھی، وہ ایک ہی جہاد میں سلوک و طریقت کے ایسے اعلیٰ مراتب طے کر جاتے تھے کہ دوسروں کو برسہا برس کے مجاہدوں سے بھی حاصل نہ ہوں

> ــــــ اب بھی جو لوگ کسی مرشد کامل کے زیر تربیت رہتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہوں انہیں زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہیں رہتی' کیونکہ جہاد خود ایک بڑا مجاہدہ ہے' جو روحانی و باطنی ترقیات اور تعلق مع اللہ کے لئے اکسیر ہے۔"

میرے بعد نوجوان ساتھی جناب محمد نوری صاحب کی باری تھی' کراچی میں ٹریفک کے ایک حادثہ میں ان کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جانے کے بعد سے اس میں لوہے کا راڈ لگا ہوا ہے' اٹھنا بیٹھنا اور پہاڑی راستوں پر چلنا آسان نہ تھا' مگر شوق جہاد یہاں کھینچ لایا۔ اب وہ بے تابی سے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے' دشمن کی گولہ باری تھمتے ہی انہوں نے فائر کیا اور نعرہ تکبیر کی گونج میں خوشخبری ملی کہ یہ گولہ بھی نشانے پر گرا ہے۔

اوچھی چال کا کاری جواب

کمانڈر زبیر صاحب نے واکی ٹاکی پر پہاڑ والی جماعت سے اس گولے کے بارے میں رابطہ کیا' تو انہیں محسوس ہوا کہ دشمن نے بھی وائرلیس پر کان لگائے ہوئے ہیں' وہ اسی موقع کے منتظر تھے' گولہ نشانے پر لگنے کی تصدیق تو ہو گئی' لیکن ساتھ ہی انہوں نے دشمن کو نئی پریشانی میں مبتلا کرنے کیلئے پہاڑ والی جماعت کو مصنوعی طور پر ایسی ہدایات دیں جس سے دشمن یہ سمجھے کہ "آج رات کو اس پر ایک بھرپور منظم حملہ چاروں سمت سے ہونے والا ہے" اور مجاہدین کی چار جماعتیں' رات کے اندھیرے میں ہر طرف سے چوکی "زامہ تون" کی طرف ان راستوں سے پیش قدمی کریں گی جن سے بارودی سرنگیں "حال ہی میں" صاف کر دی گئی ہیں' اور یہ کہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق مجاہدین کی کوئی جماعت اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گی جب تک "زامہ تول" اور اس کی معاون چوکیاں مکمل طور پر فتح نہ کر لی جائیں"۔ یہ اس اوچھی چال کا جواب تھا جو تھوڑی دیر پہلے دشمن نے وائرلیس پر انہیں بہکانے کیلئے چلی تھی' یہ جواب کارگر ثابت ہوا' جیسا کہ آگے معلوم ہو گا۔

پروگرام یہ تھا کہ غروب آفتاب سے دس منٹ پہلے ہماری طرف سے فائر شدہ

کر دیا جائے گا کیونکہ جوں جوں رات کی روشنی کم ہوتی جاتی ہے توپ کے دہانے سے فائر کے ساتھ نکلنے والا شعلہ نمایاں ہوتا جاتا ہے اس سے دشمن کو اپنا ہدف آسانی سے نظر آسکتا تھا۔

ہمارے ہر ساتھی کو ایک ایک فائر کرنا تھا۔ وقت کی تنگی کے باعث جب جس کی باری ہوتی وہ دشمن کی گولہ باری کے دوران ہی توپ کے پاس جا کھڑا ہوتا اور گولہ باری تھمتے ہی اپنا گولہ داغ دیتا۔ دشمن کی گولہ باری پھر پہلے سے زیادہ شدومد کے ساتھ شروع ہو جاتی ـــــ ہر فائر کے بعد کمانڈر زبیر جب پہاڑ والی جماعت سے وائرلیس پر رابطہ کرتے تو دشمن کو سنانے کے لئے "رات کے مصنوعی پروگرام" کے حوالے سے کچھ نئی "ہدایات" بھی دیتے۔ اس طرح ـــــ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ـــــ دشمن کو پورا یقین ہو گیا کہ

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

بیس فائر ـــــ ہر گولہ نشانے پر

وقت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ہر مہمان ساتھی کو ایک ایک فائر کرنے کا موقع مل گیا البتہ کراچی کے ایک نوجوان ساتھی کو جنگ شروع ہوتے ہی جاڑا چڑھ کر تیز بخار ہو گیا تھا، وہ فائر نہ کر سکے۔ غروب آفتاب سے دس منٹ پہلے ہماری طرف سے آخری فائر ہوا، جس کے بعد دشمن کی گولہ باری کا سلسلہ تو جاری رہا مگر توپچی نماز مغرب اور واپسی کی تیاری میں لگ گئے ـــــ ہمارے صرف بیس گولے خرچ ہوئے تھے جن میں کوئی خطا نہیں ہوا، دشمن کے سینکڑوں گولے ضائع ہو چکے تھے اور اب بھی مسلسل ضائع ہو رہے تھے ـــــ

آفتاب غروب ہوتے ہی ایک مجاہد نے اذان دینی شروع کی۔ گولوں کی اس چھاؤں میں "مجاہد کی اذان" نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا۔ اس کی آواز کا ہر زیر و بم کہہ رہا تھا۔

شوق میری لے میں ہے، شوق میری نے میں ہے
نغمہ "اللہ ھو" میرے رگ و پے میں ہے

مغرب کی نماز حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مد ظلہم نے پڑھائی، اللہ تعالیٰ کی کھلی نصرت وحمایت پر مسرت اور تشکر کے جذبات سیلاب بن کر آنکھوں سے بہ پڑے، امام کی آواز بھی گلوگیر تھی، وہ بمشکل قراءۃ فرمارہے تھے، پیچھے ہم مقتدیوں کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں، جن کی آوازوں کو بڑی مشکل سے روک رہے تھے، جسم کا رواں رواں سراپا حمد وشکر بن جانے کیلئے بے تاب ــــ سر کے اوپر اور دائیں بائیں سے گذرتے ہوئے گولوں کے شور، اور ان کے دھماکوں سے بے پروا ہو کر، رکوع و سجود میں جو خشوع وخضوع، اور سرور وکیف نصیب ہوا، وہ ایک یادگار سرمایہ حیات ہے۔

مجاہدین کی جو جماعت ہمارے دائیں جانب میدانی علاقے میں تھی، نماز مغرب کے بعد ہم سے آملی، ان کے پاس صرف راکٹ لانچر، گرنیڈ (دستی بم) اور کلاشنکوفیں تھیں، ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس طرف سے دشمن کوئی پیش قدمی کی جسارت کرے تو اسے منہ توڑ جواب دیا جاسکے۔

"وہ شِلکہ" بھی گرجتی رہی

بائیں جانب پہاڑ والی جماعت کے پاس دوشِلکہ (اینٹی ایئر کرافٹ) بھی تھی، یہ جماعت ہمارے سے زیادہ تر "او۔پی" کے فرائض انجام دیتی رہی، اور جب دشمن کے گولے ہمارے قریب گرنے لگتے تو ان کا رخ اپنی طرف کرنے کے لئے اکا دکا فائر بھی کردیتی تھی، ہم نے مغرب کی نماز شروع کی تو دشمن پر وہی فائرنگ کرتی رہی۔

نماز کے بعد ہم اپنی مارٹر توپ کے اجزا ہونگ الگ کرکے واپس لوٹے تو خاصا اندھیرا ہوگیا تھا، دشمن کی نظروں سے بچنے کے لئے کپڑے سب رنگین پہن کر آئے تھے قریباً ایک کلو میٹر تک پہاڑی راستوں میں پیدل چلنے کے بعد ایک پہاڑی کے دامن

میں رہے تھوڑی دیر میں دونوں جیپیں اور "حینو" ٹرک وہیں پہنچ گئے اور ہمیں لیکر سیدھے "خالی قلعہ" روانہ ہوگئے ــــ دشمن کی گولہ باری اب بھی جاری تھی اور پہاڑ پر وقفہ وقفہ سے ہماری "دوشکہ" بھی گرج رہی تھی ۔ پہاڑ والی جماعت صرف "مرزگئی" کے مجاہدین پر مشتمل تھی تھوڑی دیر دشمن نے مدبھیڑ کرنے کے بعد اسے بھی اپنے مرکز واپس چلا جانا تھا ۔

گولہ باری سے بچنے کیلئے ہماری تینوں گاڑیاں لائٹ جلائے بغیر ہی سفر کر رہی تھیں ۔ شعبان کی ۱۸ ویں شب کے باوجود بادلوں کی وجہ سے کافی اندھیرا تھا اس حالت میں کچے پہاڑی راستے کے تنگیے پتھر ، پیچ و خم اور نشیب و فراز بھی کم خطرناک نہیں تھے ، ہر لحظہ کسی کھڈ میں لڑھک جانے یا کسی نیچے سے ٹکرا جانے کا قوی اندیشہ تھا لیکن ٹرک و جیپ میں جو سرور و کیف سما گیا تھا اس نے یہ باتیں سوچنے کی ساری ذمہ داری ڈرائیوروں پر ڈال دی تھی ۔ غرض بقول بھائی جان (حضرت مفتی) مرحوم

ہر پست ہر بلند سے گذرا مرا جنون
ساور و زباں چند خرد سوچتی رہی

جب یہ حسرت ہونے لگی کہ جہاد میں شرکت بہت تھوڑے وقت اور بہت معمولی جھڑپ میں ہوئی کسی بڑے معرکے میں شرکت سے اب بھی محرومی رہی ! ــــ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کا یہ ارشاد مجھ جیسے کم کوش کیلئے بھی امید و رجاء کا ایک نیا عالم سامنے کر رہا تھا کہ :

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ، وَلَمَقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلٰوتِهِ سِتِّينَ سَنَةً"

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک مرتبہ صبح یا شام کو نکلنا ساری دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا جہاد کی صف میں کھڑا ہونا (گھر میں رہ کر) اس کی ساٹھ برس کی نمازوں سے بہتر ہے۔"

(مسند احمد [illegible])

بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت نے تو امیدوں کے چراغ اور روشن کر دیئے کہ

"قفلۃ کغزوۃ"

"جہاد سے واپسی کے سفر میں بھی ویسا ہی ثواب ہے جیسا جہاد کیلئے جانے میں ہے۔" (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد [illegible])

دشمن کی پریشانی

ادھر دشمن کو کمانڈر زبیر صاحب نے وائرلیس پر جو سبق بالواسطہ پڑھا دیا تھا وہ اس کے ایسا ذہن نشین ہوا کہ جوں جوں تاریکی بڑھتی رہی اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ آج رات کی تاریکی میں ہمارے کئی دستے ہر طرف سے اس کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں اور قریب پہنچ کر اچانک بلا بول دیں گے۔ اس لئے وہ اپنے گرد و پیش میں اندھا دھند گولے برسا رہا تھا جن میں غالباً سراغ لگانے کیلئے روشنی کے گولے بھی شامل تھے۔ مگر یہ سب کارروائیاں وہ ــــ ہمیں قریب سمجھ کر ــــ اپنے آس پاس ہی کر رہا تھا۔ چنانچہ واپسی میں اب تک اس کا کوئی گولہ ہمارے پاس سے نہیں گزرا تھا۔

ہماری جیپ سب سے آگے تھی۔ تقریباً نصف گھنٹہ بغیر لائٹ سفر کرنے کے بعد سست رفتاری سے اکتاہٹ ہونے لگی تو میں نے ڈرائیور کو مشورہ دیا "اب تو ہم کافی دور نکل آئے ہیں اور دشمن اپنی ادھیڑ بن میں گرفتار ہے۔ اب اپنی جیپ کی چھوٹی لائٹ کھول لینے میں مضائقہ نہیں۔ ذرا سی لائٹ پچھلی گاڑیوں کے لئے بھی کافی ہو جائے گی" ــــ

ابھی اس تجویز پر چند منٹ ہی عمل ہوا تھا کہ گولے ہمارے دائیں بائیں اور اوپر سے "شوں شوں" کرتے گزرنے لگے۔ لائٹ لوڈ انچارج کی سب گاڑی تھوڑی آگے نکل گئے اور منتشر ہو کر پیدل چلے گئے۔ گاڑیاں پیچھے پیچھے رینگتی رہیں۔ دشمن نے روشنی کے گولے بھی پھینکے، بہت کہر چھایا تھا اس لئے وہ ہمیں نہ دیکھ سکا۔

اطاعت امیر

مجھے اپنی اس غلط تجویز پر اس لئے بھی ندامت ہوئی کہ ڈرائیور نے لاعلمی میں ظاہر ہے کہ کمانڈر صاحب ہی کے ایماء پر عمل کی تھی جس میں نے اپنے امیر (کمانڈر صاحب) کو مشورہ دینے کے بجائے براہ راست ڈرائیور کو مشورہ دے کر شرعی اصول نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تھی۔ کمانڈر صاحب نے تو شاید کسی اور وجہ سے ناگواری کا احساس نہ ہونے دیا لیکن "امیر کی اطاعت" ایک فوجی اصول تو ہے ہی شرعی فریضہ بھی ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ نساء (آیت ۵۹) میں اس کا حکم دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے یہاں تک فرمایا ہے کہ:

"إن أُمِّرَ عليكم عبدٌ مُجَدَّعٌ يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا"

"اگر تمہارے اوپر (بالفرض) کسی کٹے ہوئے ناک والے غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے جو تمہاری قیادت قرآن کے مطابق کر رہا ہو تو اس کی بھی فرمانبرداری کرو۔"

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر ۱۸۳۸)

متعدد احادیث میں امیر کی اطاعت اور نافرمانی پر بڑی ناراضگی کا ذکر فرمایا ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"ومن يُطِعِ الأميرَ فقد أطاعني، ومن يَعْصِ

فقد عصانی"

"جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔"

(صحیح مسلم صفحہ ۱۸۲)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے :

"علی المرء المسلم السمع و الطاعة فیما احب و کرہ الا ان یؤمر بمعصیة، فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة"

"مرد مسلم پر (امیر کی) اطاعت فرض ہے، ہر معاملہ میں، خواہ وہ اسے پسند ہو یا ناپسند، مگر یہ کہ اسے (امیر کی طرف سے) کسی گناہ کا حکم دیا جائے، پس اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو اس میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔"

(صحیح مسلم۔ صفحہ ۱۸۲)

تاہم ہمارا جمہوریت کے موجودہ دور میں شریعت کے اس حکم سے اتنی غفلت ہے کہ اسے شرعی فریضہ سمجھا ہی نہیں جاتا، انارکی اور لاقانونیت کو آزادی کا نام دیدیا گیا ہے۔ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور تنظیموں کے کاموں میں خلل، انتشار اور ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ادارے اور تنظیم کے سربراہ کی (جائز امور میں) اطاعت نہیں کی جاتی، ہر شخص کے دل میں جو آتا ہے کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بدنظمی سے نجات عطا فرمائے۔

حکم امیر کی خلاف ورزی کی چھوٹی سی سزا ہمیں فوراً ہی مل جاتی اور کام میں بے برکتی آجاتی ہے۔ ہمیں بھی اس گناہ کا تھوڑا سا خمیازہ فوراً یہ بھگتنا پڑا کہ دشمن کو جو ہم سے بے خبر تھا، ہماری جگہ معلوم ہوگئی، میری وجہ سے ساتھیوں کو بھی گاڑیوں سے اتر کر پیدل

چھاڑا۔

کچھ دیر بعد ہم پھر سوار ہو گئے اور سفر لائٹوں کے بغیر ہی جاری رہا۔ دشمن کے جتنے زیادہ فائروں کی آوازیں آ رہی تھیں ہم سے اتنی تعداد میں ہماری طرف نہیں آ رہے تھے جس سے اندازہ ہوا کہ وہ ”احتیاطاً“ ہر سمت میں دور اور قریب گولے برسا رہے ہیں کہ ”اس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی“ ___ رات ۹ بجے کے قریب جب ہم اس کمسار میں داخل ہو رہے تھے جس میں ”خالی قلعہ“ ہے تو اس وقت بھی گولے تعاقب میں تھے۔ مجاہدین کا اندازہ تھا کہ وہ آج پوری رات اسی مصیبت میں گرفتار رہے گا۔ اندازہ صحیح نکلا اور صبح کو اس کی مختلف ذرائع سے تصدیق ہوئی۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

جہاد کی ایک اور کرامت

۱۸ سال سے جب سے مجھے کمر کی تکلیف دامن گیر ہوئی ہے اونچے نیچے راستوں پر چلنا سخت دشوار ہے۔ ریل اور سڑک کا سفر بھی مشکل سے برداشت ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد آدھ پون گھنٹہ آرام نہ ملے تو رات تک بالکل ناکارہ ہو جاتا ہوں۔ اس پورے سفر میں یہ آرام کسی دن بھی نہ ملا اور آج تو پورا دن پر مشقت سرگرمیوں میں گزرا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ___ جسے میں جہاد کی کرامت سمجھتا ہوں یہ بھی سامنے آئی کہ آج کی پوری تگ و تاز میں نہ صرف یہ کہ کمر میں ادنیٰ تکلیف نہیں ہوئی بلکہ ۱۸ سال بعد آج پہلی بار طبیعت میں ایسا نشاط رہا جیسے کبھی یہ تکلیف تھی ہی نہیں۔ دیکھنے کے لئے کہ تکلیف کیسی تھی؟ کس جگہ تھی؟ میں کمر کو طرح طرح سے جھٹکے دیتا اور جھکا جھکا کے دیکھتا رہا مگر اس کا کوئی نام و نشان نہ ملا۔ وللہ الحمد ___ تکلیف کا احساس اس وقت ہوا جب ”خالی قلعہ“ پہنچ گئے۔

یہاں جو مجاہدین مرکز کی حفاظت کیلئے رک گئے تھے وہ اور ہمارے محترم بزرگ ساتھی جناب صفدر علی ہاشمی صاحب بے چینی سے منتظر تھے انہیں زندہ سلامت دیکھ کر ان

کی عیدی آگئی ۔ ہاشمی صاحب گھٹنوں کی تکلیف کے باعث آج کے معرکے میں نہ جا سکے تھے ، اس پورے وقت میں انہوں نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ مصلے پر بیٹھے ، ہمارے لئے دعا فرماتے رہے ۔ ان کو محاذ پر روزانہ قیام کرنا تھا اس لئے معرکے میں جانے کی انہیں ایسی جلدی بھی نہ تھی ۔ بہرحال زندگی کی سترویں منزل میں ان کا یہ پرشباب ایمانی عزم ہم سب کیلئے قابل رشک تھا ۔

خالی قلعہ پہنچتے ہی ایک نئی مسرت یہ حاصل ہوئی کہ ہماری میزبان تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نوجوان امیر مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب سے ملاقات ہوگئی ۔ دراصل ہم انہی کی دعوت پر یہاں آئے تھے مگر کراچی سے ہماری روانگی کے وقت یہ بنگلہ دیش گئے ہوئے تھے ۔ کل صبح کراچی پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہم محاذ پر جا چکے ہیں تو اسی وقت ہوائی جہاز سے ملتان اور وہاں سے سڑک کے راستے کہیں رکے بغیر آج صبح کو پہنچے ، اور وہاں سے میزائیلوں کا ایک ٹرک لیکر ابھی مغرب کے وقت خالی قلعہ پہنچے تھے ۔ سارا جان توڑ طویل اور مسلسل سفر کے باوجود چہرے پر گلاب کی سی شادابی قابل رشک تھی ، تھکان کی کسی علامت کا دور دور نشان نہ تھا ۔ ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔

یہ پچھلے نو سال سے افغانستان میں تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور اس جہاد میں صرف انہی کے ایمان افروز کارنامے اتنے ہیں کہ کسی مستقل تصنیف ہی بن سکتے ہیں ۔ میرے بھائی جان جناب محمد زکی صاحب کیفی مرحوم کا یہ شعر ان پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ :

طوفان سے کھیلے ہیں تو موجوں میں پلے ہیں
تب گوہر شہوار کے سانچے میں ڈھلے ہیں

میزائیلوں کا ٹرک

آج کے حملے میں کمانڈر زبیر صاحب نے دشمن پر میزائل برسانے کا بھی منصوبہ

بنایا تھا جو "بجوڑ" کے مرکز سے آج سہ پہر تک "مرزگی" کے مرکز میں پہنچے تھے۔ دوپہر کو واقعہ غلیں پر اطلاع ملی کہ امیر تنظیم جناب مولانا سیف اللہ اختر بنگلہ دیش اور پاکستان سے ہوتے ہوئے بجوڑ کے مرکز میں پہنچ گئے ہیں اب وہ خود بھی یہ ٹرک لیکر "مرزگی" میں ہم سے آملیں گے اور معرکے میں ہمارے ساتھ شریک ہوں گے۔ لیکن قارئین کو یاد ہوگا کہ آج سہ پہر جب ہم خانی قلعہ سے حملے کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہمیں دشمن کے گولے 'وادی ارغون میں گرتے ہوئے نظر آئے تھے جو "زامہ خولہ" کی دور مار توپیں فائر کر رہی تھیں ان کا ہدف میزائلوں کا یہی ٹرک تھا ۔۔۔ رابطہ پہنچ کر امیر موصوف کو اس گولہ باری کی اطلاع ملی ۔۔۔ یہ حضرات اپنے اسلحہ کی حفاظت جان سے زیادہ کرتے ہیں ۔۔۔ عصر تک وہیں رکے رہے، جب دشمن کی توپیں ہمارے ساتھ مشغول ہوگئیں تو یہ وادی عبور کر کے خانی قلعہ پہنچ گئے، لیکن مغرب ہوجانے کے باعث وہ اور ان کے میزائل آج کے معرکے میں شریک نہ ہوسکے ۔۔۔ اس کا نہیں بھی قلق رہا۔

آج کے حملے میں دشمن کے نقصانات

پہلے کہیں عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے حملوں میں تخمینے تو لگائے جاسکتے ہیں، دشمن کے نقصانات کی یقینی تفصیل فوری طور پر معلوم نہیں ہوسکتی، یہ تفصیل اپنے جاسوسوں یا ان مسلمان فوجیوں سے معلوم ہوتی ہے جو دشمن سے خلاصی پاکر مجاہدین سے آملتے ہیں۔ آج لڑائی کے دوران دشمن کی چوکی "زامہ خولہ" میں ایمبولینس گاڑیاں بار بار آتی اور جاتی دیکھی گئی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دشمن کا جانی نقصان بھی خاصا ہوا ہے۔ لیکن مجاہدین محض تخمینوں پر کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔ کمانڈر زبیر صاحب نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی صحیح معلومات حاصل ہوں گی انہیں بذریعہ خط مطلع کریں گے ۔۔۔ چنانچہ کراچی پہنچنے کے بعد ان کا خط مجھے رمضان المبارک میں وصول ہوا، وہ آگے اپنے مقام پر پیش کروں گا۔ (انشاء اللہ)

کھانے اور عشاء کی نماز کے بعد ہمارے کچھ ساتھی، جن میں مولانا عزیز الرحمن صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب، اور برخوردار عزیز مولوی محمد زبیر سلمہ بھی شامل تھے،

رات کی پہرہ داری کی ڈیوٹی میں چلے گئے' اور میں امیر موصوف مولانا سیف اللہ اختر صاحب سے ان کے غیر ملکی سفروں کے نتائج اور افغانستان کے موجودہ حالات کے متعلق دیر تک باتیں کرتا رہا۔

۱۲ بجے کے قریب سلیپنگ بیگ میں گھس کر لیٹا تو آج صبح سے اب تک کے منظر ایک ایک کر کے نظروں میں گھومتے گئے ___ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات پر قلب و زبان مسرت اور تشکر سے لبریز تھے ___ یقین نہیں آرہا تھا کہ

این کہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب؟

بدھ - ۸ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ - ۶ اپریل ۱۹۸۸ء

صبح آنکھ کھلی تو برفانی ماحول میں "مجاہد کی اذان" خوشگوار حرارت پیدا کر رہی تھی' نماز فجر اور تلاوت و مناجات کے بعد' رات کے بچے ہوئے روٹی سالن سے ناشتہ کیا' بچپن سے عادت بھی اسی ناشتہ کی ہے ___ انگور اڈہ سے کچھ انڈے ساتھ لے لئے تھے' مجاہدین نے ابال کر وہ بھی ناشتہ میں شامل کر دیئے ___ سردی پر کیف تھی کر دل بجھا بجھا سا تھا کیونکہ تھوڑی دیر بعد واپسی کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ وطن واپسی کا شوق تو ہوا کرتا ہے' جس کی سرسراہٹ رات ہی سے انگڑائیاں لینے لگی تھی' لیکن جہاد مقدس کی اس سرزمین میں پہاڑوں' وادیوں' جنگلوں اور سب سے بڑھ کر ان مجاہدین نے دل ایسے موہ لئے تھے کہ یہ خانی قلعہ بھی جو بے سرو سامانی کی تصویر تھا' اپنا گھر محسوس ہونے لگا تھا' فراق کی گھڑی جوں جوں قریب آرہی تھی دل گرفتگی بڑھتی جا رہی تھی۔

بیاباں محبت' دشت غربت بھی' وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی' آشیانہ بھی' چمن بھی ہے

پان کی عادت ___ اور جہاد

میرے ساتھ ایک بری عادت پان تمباکو کی لگی ہوئی ہے' جو اگرچہ عین جنگ کے

دوران بھی لطف دیتی رہی لیکن میں اسے "بری عادت" دوسری وجوہ کے علاوہ اس لئے
بھی کہتا ہوں کہ جہاد اور یہ زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں چل سکتے۔ سفر میں اس کا سارا بکھیڑا
ساتھ رکھنا پڑتا ہے' اس کے اتنے لوازم ہیں کہ ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو حالت
دیدنی اور بعض اوقات ناگفتنی ہو جاتی ہے۔ یہیں خانی قلعہ میں کراچی کے ایک تعلیم
یافتہ نوجوان سے' جو میمن برادری سے تعلق رکھتے' اور کئی ماہ سے مصروف جہاد ہیں'
تعارف اس طرح ہوا کہ جب میں پہلے دن اپنے لئے پان لگا رہا تھا تو وہ پاس آکر بیٹھ گئے'
میں نے پان پیش کیا تو ہنس کر کہنے لگے۔

"اسی کا انتظار تھا' پان کا عادی ہوں' آٹھ ماہ کے بعد آج نظر آیا تو رہا نہ گیا"۔ ___

انہوں نے جہاد پر اس عادت کو قربان کر دیا تھا' تاہم مجھے اپنی اس بری عادت کا
یہ پہلو غنیمت معلوم ہوا کہ پان اور متعلقہ سازوسامان جو ساتھ لایا تھا' وہاں جیسے اور بھی
کئی مجاہدین کے کام آتا رہا' اور جتنا سفر واپسی کی ضرورت سے زیادہ تھا' ان کے پاس چھوڑ
آیا ___ بہرحال اس پورے سفر میں یہ احساس شدت سے ہوتا رہا کہ ہم جن بری عادتوں
کے غلام بن کر رہ گئے ہیں' ان پر فتح حاصل کئے بغیر ہمیں دشمنوں سے بھی آزادی نہ مل
سکے گی۔

واپسی

۹ بجے کے قریب ہم کمانڈر زبیر احمد خالد صاحب سے الوداعی مصافحہ کر رہے
تھے' ۔ میں نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا

"میں آپ پر "آیت الکرسی" پڑھ کر دم کروں گا' آپ بھی
یہی پڑھ کر مجھ پر دم کر دیں' یہ والد ماجد صاحبؒ کا بتایا ہوا مجرب
عمل ہے جو وداعی مصافحے کے دوران کیا جائے' تو اللہ تعالیٰ کے
فضل سے دوبارہ ملاقات ہو جاتی ہے"۔

وہ خوشی سے مان گئے' لیکن دم کرتے وقت ان کی عقابی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے'
جنہیں پی جانے کے لئے وہ پوری قوت ارادی استعمال کر رہے تھے' باقی مجاہدین کی نمناک

پلکیں بھی وہ سب کچھ کہہ رہی تھیں جو زبان ادا نہیں کر سکتی ـــ گاڑیاں رواں ہوئیں تو ہم پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھنے کی کوشش کرتے رہے ـــ مگر آنسوؤں کے پردے پہاڑوں سے پہلے ہی بیچ میں آگئے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ جناب محمد جوری اور میں ٹیوٹا پک اپ میں تھے جس میں ڈرائیور کی سیٹ کے پیچھے بھی دو تین آدمیوں کیلئے کار کی طرح سیٹ ہوتی ہے ہم معذوروں کیلئے یہ گاڑی زیادہ آرام دہ تھی۔ پچھلے کھلے حصہ میں سامان تھا۔ اس پک اپ کو میزبان تنظیم کے امیر مولانا سیف اللہ اختر صاحب ڈرائیو کر رہے تھے۔ باقی رفقاء جو ماشاء اللہ سب نوجوان تندرست تھے پیچھے ایک جیپ میں سوار تھے ـــ۔ "وادی ارغون" کو پار کرتے وقت اور اس کے بعد بھی کئی جگہ سے دشمن کی پوسٹ "زامہ خولہ" سامنے پڑی لیکن معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر کی سراسیمگی اور گولہ باری سے چور ہو کر اب اس پر خواب خرگوش مسلط ہے اس کی توپوں پر چھایا ہوا سکوت زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

زرا اے رہروان تازہ دم "راہِ محبت" میں
جہاں میں تھک کے بیٹھا ہوں وہ منزل دیکھتے جاؤ

اب ہم جس راستے سے پاکستانی سرحد کی طرف جا رہے تھے یہ اس راستے سے جس سے آئے تھے بہت مختلف ہے مسافت بھی کم ہے کچا اور نشیب و فراز اور خم و پیچ سے پر ہونے کے باوجود اتنا دشوار بھی نہیں پاکستان کی سرحد "انگور" سے یہی راستہ ارغون ہوتا ہوا غزنی تک گیا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد "ربلا" کے قریب سے گذرتے ہوئے ایک پہاڑی نالہ راستے میں آیا پیاس لگی ہوئی تھی ہماری درخواست پر امیر صاحب نے گاڑی روک لی آب جاری ایسا شفاف کہ تہ میں پڑے ریتی کے ذرات بھی چمک رہے تھے۔

امیر صاحب یہ کہہ کر "میں اس سے بھی اچھا پانی بتاتا ہوں" ہمیں بائیں جانب ذرا اوپر کی طرف دس بارہ قدم لے گئے اور نالے میں چھپی ہوئی چٹان سے پھوٹتے

ہوئے ایک چشمے سے پانی پایا جس کا تصور مشکل ہے تمیں انچ ہو گا' پانی کیا آب حیات تھا' کافر بھی پی لے تو "الحمدللہ" کہے بغیر نہ رہ سکے۔

امیر الحرکت قاری سیف اللہ اختر

مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب اس ویرانے میں' چھپے ہوئے چشمے پر ہمیں جس طرح لے گئے تھے' اس سے بھی اندازہ ہو تا تھا' اور پر پیچ پہاڑی راستوں میں گاڑی چلانے کا انداز بھی بتا رہا تھا کہ وہ ان پہاڑوں' وادیوں' جنگلوں اور پورے علاقے کی رگ رگ سے ایسے واقف ہیں' جیسے اپنے محلے کی گلیوں میں گھوم رہے ہوں۔

پچھلے سوا آٹھ سال سے یوں تو خوست' گردیز اور کنواز کے محاذ جنگ بھی ان کی زد میں ہیں' غزنی' کابل اور جلال آباد کے میدان کارزار بھی ان سے نا آشنا نہیں' لیکن ان کی ترک تازیوں کا مرکز زیادہ تر یہ "صوبہ پکتیا" اور ارغون کا علاقہ رہا ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں' اور یہاں غیور مسلمانوں کا جو جہاد "ترہ کئی" کے دور سے کمیونسٹ حکومت کے خلاف جاری تھا' وہ "شعلہ جوالہ" سے بڑھ کر "آتش فشاں" بن گیا تو حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے امیر اول مولانا ارشاد احمد شہید کے حالات میں لکھ چکا ہوں کہ ان کے ساتھ یہ (قاری سیف اللہ اختر) بھی ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو' تعلیم بیچ میں چھوڑ کر انتہائی بے سروسامانی میں جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت عمر بیس سال تھی' یہ دو تین مہینے جہاد میں لگا کر پاکستان آگئے' اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ڈیڑھ سال زیر تعلیم رہے' اس دوران بھی چھٹیاں جہاد میں گذرتی تھیں۔

۱۹۸۲ء میں جبکہ درس نظامی کا آخری سال "دورہ حدیث" باقی تھا' پھر دل سے مجبور ہو کر ہمہ تن جہاد میں مشغول ہو گئے۔

اس مرتبہ میدان کارزار میں پوری یکسوئی کے ساتھ آئے تھے' یہاں اپنے امیر اور محترم دوست مولانا ارشاد احمد صاحب کی معیت میں افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ' انتہائی صبر آزما مراحل سے گذرے' شدید پرخطر معرکوں میں پیش پیش رہے' جس محاذ پر

پیچھے شجاعت، جانبازی اور ذہانت و مہارت کے نقوش چھوڑ کر آئے۔ بالآخر "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نائب امیر اور سپہ سالار (کمانڈر) بنا دیئے گئے ۔۔۔ ان کا نام اصل میں "محمد اختر" تھا، جہاد کے ساتھیوں نے "سیف اللہ اختر" نام رکھ دیا۔

تین طیارے مار گرائے

۱۹۸۳ء میں "خوست" کے ایک خونیں معرکہ میں جو تقریباً ڈھائی ماہ شب و روز جاری رہا، ان کی استقامت اور نشانہ بازی کے جوہر اس طرح کھلے کہ کابل سے فوج کا ایک بہت بڑا قافلہ خوست چھاؤنی کو رسد کمک پہنچانے کیلئے آیا، تو مجاہدین نے اسے چاروں طرف سے حملوں کا نشانہ بنایا ۔۔۔ پہلے کہیں عرض کر چکا ہوں کہ یہ فوجی قافلے سینکڑوں ہزاروں فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اوپر سے گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیارے منڈلاتے رہتے ہیں۔ اس معرکے میں بھی مجاہدین کیلئے یہ ہیلی کاپٹر اور طیارے مشکل مسئلہ بن گئے۔ مجاہدین کے پاس اس زمانے میں طیارہ شکن توپیں خال خال ہی ہوتی تھیں ان کو چلانے والے اور بھی کم تھے، جبکہ قاری سیف اللہ اختر اس میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اس معرکے میں فضائی حملوں سے دفاع کی سخت ذمہ داری ان کو سونپی گئی۔

یہ وہیں "تھانہ ذب گئی" کی ایک پہاڑی پر دو طیارہ شکن توپوں کے ساتھ تن تنہا مورچہ زن ہوگئے، ایک توپ چھوٹی (دوشکہ) تھی، دوسری اس سے بڑی "زیکویک" اس کی گولیاں بھی بڑی ہوتی ہیں اور زیادہ دور تک مار کرتی ہیں، کسمپرسی کا یہ عالم کہ توپیں دو، مگر چلانے والا ایک، معاون بھی پاس میں کوئی نہ تھا، اس لئے کہ سب ساتھی منتشر۔

یہ اس مورچے سے پورے ڈھائی ماہ تک تنہا ان طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کا شب و روز مقابلہ کرتے رہے۔ کبھی ایک توپ چلاتے کبھی دوسری۔ اسی حالت میں انہوں نے دشمن کا ایک جیٹ طیارہ اور دو گن شپ ہیلی کاپٹر مار گرائے ۔۔۔ اس واقعہ کے بعد سے افغان مجاہدین اور ان کے قائدین میں اور زیادہ محبوب ہوگئے، پاکستانی مجاہدین بھی جان چھڑکنے لگے۔ یہ خود تو نہیں کہتے، نہیں تو خیال بھی نہ آیا ہو گا، لیکن ان کو کمانڈر جہاد

کے اس ابتدائی دور کے حوالے سے "حق ہے یہ کہنے کا کہ:

کہ میں نے تلاش کر ڈالا' طریقہ شاہبازی کا

دشمن کی چوکی کا محاصرہ

اسی ۱۹۸۳ کے اواخر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا ارسلان رحمانی کی کمان میں کئی افغان تنظیموں اور حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مجاہدین نے مل کر ارغون کی حفاظتی چوکی "قلعہ نیک محمد" کا محاصرہ کیا' جس میں ساتھ پاکستانی مجاہدین بھی شامل تھے۔ اس وقت تک ارغون کی حفاظتی چوکی "زامہ خولہ" فتح ہو چکی تھی۔ ارغون کی فتح میں صرف یہی "قلعہ نیک محمد" حائل تھا۔ محاصرہ دو مہینے جاری رہا' اور اس میں مجاہدین کی آٹھ طیارہ شکن توپوں (دو شکہ) نے حصہ لیا' ان توپوں کی کمان قاری سیف اللہ اختر صاحب کے سپرد تھی۔

قلعہ کے بڑے گیٹ کو سامنے کی پہاڑی پر تعینات مجاہدین کی ایک جماعت نے اپنی دوشکہ کی زد میں' اور چھوٹے گیٹ کو قاری صاحب نے اپنی دوشکہ کی زد میں لے کر' قلعہ میں آنے جانے والی ہر گاڑی پر فائرنگ شروع کر دی۔ یہ چھوٹے گیٹ کے سامنے پہاڑی پر گیٹ سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر تھے۔ اس طرح قلعہ کی رسد کمک کا ہر زمینی راستہ بند کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ مجاہدین کی کئی جماعتیں تشکیل دی گئیں' جو باری باری دشمن پر شب خون مارتیں' اور ضرب کاری لگا کر واپس آ جاتیں' مقصد یہ تھا کہ اسے بے دست و پا کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا جائے' تاکہ آگے بڑھ کر "ارغون" چھاؤنی پر حملہ کیا جا سکے۔ لیکن دشمن کے پاس خورد و نوش' اسلحہ اور گولہ بارود کی کمی نہ تھی' فضائیہ کی پشت پناہی بھی حاصل تھی' اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا' اس کے ہیلی کاپٹر ٹینک اور توپیں گولے اور گولیاں برساتی رہیں۔

قاری سیف اللہ اختر اس پورے عرصے میں شب و روز اپنی طیارہ شکن توپ سے قلعہ کے گیٹ پر مسلط رہے' جب ان کی باری شب خون میں جانے کی آتی' تو اس کا

موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے کسی ساتھی کو "دوشکہ" پر اپنا قائم مقام بنا کر شب خون میں بھی پیش پیش رہتے۔ دشمن کی شدید فائرنگ کے باوجود قلعہ کے بالکل پاس پہنچ کر راکٹ لانچر اور دستی بموں سے ضرب لگاتے اور واپس آکر پھر "دوشکہ" پر ڈٹ جاتے ــــ یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ جاری رہا اور یہ محاصرہ توڑنے کی ہر کوشش کو بری طرح ناکام بناتے رہے۔

صبر آزما حادثہ

دشمن بھی ان کی گھات میں تھا، وہ ان کا محل وقوع معلوم کر چکا تھا اور ان پر مسلسل گولہ باری کر رہا تھا مگر یہ ایک بڑی چٹان کی آڑ میں مورچہ زن تھے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے رہے۔

ایک رات جبکہ آثار سے نظر آ رہا تھا کہ دشمن دو چار روز اور قسمت آزمائی کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا، یہ حادثہ پیش آیا کہ دشمن کی مارٹر توپ کا ایک گولہ ان سے صرف پچاس گز کے فاصلے پر آ کر پھٹا جس سے دو افغان مجاہد شہید ہو گئے ــ دونوں کا نام نصراللہ تھا ـ گولے کا ایک دہکتا ہوا دھار دار ٹکڑا قاری سیف اللہ اختر کی پسلی کو توڑتا ہوا پھیپھڑے میں پیوست ہو گیا، ایک اور پاکستانی مجاہد بھی جس کی عمر ۱۴ سال تھی اور قرآن کریم حفظ کر رہا تھا، شدید زخمی ہوا اس کا نام بھی "اختر" تھا ـ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ دو افغانی شہید، دونوں "نصراللہ" دو پاکستانی شدید زخمی دونوں "اختر" . . یہاں ابتدائی طبی امداد کا کوئی سامان نہ تھا۔ میرے حرکۃ مولانا ارشاد احمد صاحب ان دونوں زخمیوں کو انتہائی خطرناک حالت میں لیکر مولانا محمد سلمان رحمانی کی جیپ میں پشاور روانہ ہو گئے . . ـــ یہاں سے پشاور کا سفر جیپ میں اگر مسلسل جاری رکھا جائے تب بھی کم از کم ۱۵-۱۰ گھنٹے لگتے ہیں ـــ جوان خون راستے میں بہتا رہا ــــ

لو پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش نے
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

(حضرت عارفی ﷫)

قلعہ ٹیک محمد کی فتح

ادھر محاصرہ جاری رہا اور مجاہدین نے جان توڑ کوشش کر کے دشمن پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ کوئی بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ ایک دو روز بعد تنگ آکر دشمن کے تین ٹینک گولہ باری کرتے ہوئے قلعہ سے باہر نکل آئے اور ہر طرف بے تحاشا گولہ باری کرنے لگے، مگر یہ ان کی آخری قسمت آزمائی تھی۔ مجاہدین نے جان پر کھیل کر ایک ٹینک تباہ کر دیا، دوسرے کی چین ٹوٹ گئی اور تیسرے میں سے ـــــ جو صحیح سالم تھا ـــ کمیونسٹ فوجی نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مجاہدین ہر طرف سے یلغار کر کے قلعہ میں جا گھسے اور تھوڑی ہی دیر میں اسے فتح کر لیا۔ کتنے ہی روسی کابلی کمیونسٹ جہنم رسید ہوئے۔ بڑی تعداد زخمی اور گرفتار ہوئی۔ چھوٹے بڑے اسلحہ کی بہت بڑی تعداد جس میں توپیں اور ٹینک بھی شامل تھے مجاہدین کے ہاتھ آئی۔ خورد و نوش کا سامان اور گولہ و بارود کے جو ذخائر مال غنیمت میں ملے ان کا تو شمار بھی نہ ہو سکا۔ یہ سب اسلحہ اور ساز و سامان مجاہدین کو "سارغون چھاؤنی" پر حملے میں کام آیا۔ سارغون پر اس منظم اور بھرپور حملے کا واقعہ کمانڈر زبیر صاحب کی زبانی "پوست زامے تولہ" کے عنوان میں لکھ چکا ہوں۔

قاری سیف اللہ اختر صاحب اور ان کا ساتھی ـــ جس کا تعلق ہرات سے تھا ـــ جب پشاور کے ہسپتال میں داخل کئے گئے تو خون خطرناک حد تک بہہ چکا تھا۔ قاری صاحب کی ٹوٹی ہوئی پسلی جسم سے نکال دی گئی، پھیپھڑا جس میں گولے کا آہنی ٹکڑا گھس گیا تھا ـــ تقریباً ناکارہ ہو گیا تھا۔ کئی روز موت و حیات کی کشمکش میں رہے ـــ ان کے ساتھی "دوخرہ" نے اسی کشمکش میں دم توڑ کر حیات جاوداں پائی اور علاج کی ہر کلفت سے ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

پھرا کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
(حضرت عارفی ؒ)

بقیہ تعلیم کا قدرتی انتظام

یہ دو ماہ بعد ہسپتال سے تو فارغ ہو گئے لیکن پھیپھڑے کا عمل پوری طرح بحال نہ ہو سکا' سانس کی تکلیف رہنے لگی' جواب تک "رفیق زندگی" ہے۔ وطن چشتیاں ضلع بہاولنگر ہے' یہ وطن کے بجائے محاذ پر واپس جانا چاہتے تھے' لیکن اپنے امیر مولانا ارشاد احمد صاحب کے حکم پر "جامعہ رشیدیہ" ساہیوال میں جاکر داخلہ لے لیا اور تعلیم کا جو ایک سال ــــ دورہ حدیث کا ــــ باقی رہ گیا تھا اس کی تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پھر افغانستان چلے آئے اور جہاد ہی کے ہو کر رہ گئے۔

۱۹۸۵ میں مولانا ارشاد احمد صاحب کی شہادت کے بعد ان کو "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا امیر اور جناب زبیر احمد خالد کو سپہ سالار (کمانڈر) بنا دیا گیا ــــ دو ڈھائی سال پہلے شادی ہوئی ہے' ماشاء اللہ دو بچوں کے باپ ہیں' جہاد کی سرگرمیوں سے جب وقت مل جاتا ہے تو ــــ گھوڑے چڑھے ــــ گھر بھی ہو آتے ہیں' لیکن جب تک افغانستان آزاد نہیں ہو جاتا ان کا مسلک یہ ہے کہ:

شرع محبت میں ہے' عشرت منزل حرام
شورش طوفاں حلال' لذت ساحل حرام

کئی سال سے ان کا میرے ساتھ بھی رابطہ ہے' طویل ملاقاتیں بھی کراچی اور اسلام آباد میں جہاد ہی کے موضوع پر ہوتی رہیں' افغانستان سے واپسی کے اس سفر میں تو تین دن تین رات رفاقت رہی' لیکن انہوں نے اپنے کوئی حالات نہ اپنے کسی کارنامے کا شمہ تک ذکر کیا' یہ حالات بھی میں نے ان کے رفقاء کار' مولانا عبدالصمد سیال' کمانڈر زبیر احمد خالد' مولانا سعادت اللہ اور جناب شاہ محمود سے بار بار کوشش کر کے معلوم کئے ہیں۔

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سرفروشوں کو اخلاص و للہیت اور تواضع و انکساری کی دولت سے ایسا نوازا ہے کہ اپنے کسی کارنامے کا شمہ تک بھی ذکر نہیں

کرتے' پوچھنے پر بھی ہر ایک اپنے کسی ساتھی کا کارنامہ تو کچھ سنا بھی دیتا ہے لیکن اپنا نام پھر بھی کہیں نہیں آنے دیتا ـــــ یہ جہاد کی برکت ہے' ورنہ پروپیگنڈے اور خود نمائی کے اس دور میں ـــــ جبکہ ریاکاری' حب جاہ اور شہرت کی ہوس میں اہم دینی اور ملی مقاصد کو بھی قربان کر دیا جاتا ہے ـــــ ایسی مثالیں روز بروز نایاب ہوتی جارہی ہیں ـ

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

ہم دوپہر کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب "لواڑ گورا زوہ" پہنچے' تو یہاں کچھ افغان بچے تختی' سلیٹ اور کتابیں ہاتھوں میں لئے نظر آئے' یہ ظاہر کسی مدرسے سے نکلے تھے' مجاہد تنظیموں نے مہاجرین افغانستان کی بستیوں اور کیمپوں میں جگہ جگہ مدرسے بھی قائم کئے ہوئے ہیں ـــــ

یہیں ایک افغان ہوٹل میں کھانا کھایا' جس میں میز کرسی کے بجائے ایک بڑے کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ تقریباً ڈھائی فٹ اونچے خوب کشادہ چبوترے بنے ہوئے تھے ان پر پلاسٹک کا فرش بچھا تھا اور دیوار سے گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے ـ بھوک میں افغانی شوربا اور دال روٹی بڑی مزیدار لگی ـ

دو بجے پاکستان کی سرحد پر "شکیو" کے مرکز مجاہدین پہنچے گرم پانی سے وضو کر کے ظہر کی نماز باجماعت ادا کی' اور قہوہ پی کر ۳ بجے جنوبی وزیرستان کے شہر "وانا" کی طرف روانہ ہو گئے ـ

راستے میں اسی فلک بوس پہاڑ کو عبور کیا جس کی چوٹیاں اب تک برف سے ڈھکی ہوئی ہیں ان چوٹیوں تک چڑھائی اور اترائی کے دوران امیر صاحب (قاری سیف اللہ اختر) کو تنفس قابو میں رکھنے کیلئے دوا استعمال کرنی پڑی' جو ہروقت ان کی جیب میں رہتی ہے ـ ہمارے پوچھنے پر مختصراً اتنا بتایا کہ "ایک معرکے میں میرا پھیپھڑا زخمی ہو گیا تھا' اس وقت سے سانس کی تکلیف رہنے لگی ہے" ـــــ نہ اس پسلی کا کوئی ذکر جو جسم سے ہمیشہ کیلئے نکال دی گئی ہے' نہ قلعہ تیک محمد کے محاصرے کا کوئی بیان' نہ اس جان کنی کا کوئی

اشارہ جو ہسپتال میں دو مہینے تک جاری رہی ____

میں نے کہا "آپ کو ان کچے اور پر پیچ پہاڑی راستوں میں گاڑی چلانے میں کوفت تو بہت ہوتی ہو گی' خصوصاً پیسے ہی کیونکہ یہیں چلانی پڑتی ہے؟"

مسکرا کر دائیں بائیں کے مناظر پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگے "کیا عرض کروں' مجھے ان پہاڑوں' وادیوں' جنگلوں اور ویرانوں سے کیسا لگاؤ ہو گیا ہے' بڑے بڑے پر رونق شہروں میں بھی یہی یاد آتے رہتے ہیں' وہیں اور کا پانی بھی اچھا نہیں لگتا' ڈرائیونگ کا جو لطف ان راستوں میں اور پتھروں سے اٹے ہوئے میدانوں میں آتا ہے' جدید ترین پختہ شاہراہوں پر بھی نہیں آتا ____ بحمد اللہ ہمارے جیسوں اس زندگی کا عادی بنا دیا ہے" ____

مجھے بھائی جان حضرت کیفی مرحوم کا یہ شعر یاد آ گیا:

سنگ گراں ہیں راہ میں اٹکوں تو کیا ہوا
منزل پہنچی ہوئی تو مرے حوصلوں میں ہے

تقریباً دو گھنٹے کے پہاڑی سفر کے بعد جنوبی وزیرستان کے قصبے "اعظم وارسک" سے پختہ سڑک شروع ہو گئی ____ افغانستان جاتے ہوئے جب اس سڑک سے گذرے تھے' اس کی قدر نہ ہوئی تھی' مگر چار روز جان گسل اور کٹھن راستوں میں سفر کے بعد اب یہی پختہ سی سڑک عظیم نعمت معلوم ہونے لگی ____ یہ ہمارے ہی کے دوران شہید صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب[1] مرحوم کے دور میں تعمیر ہوئی ہے' اس کی بدولت جہاں اس علاقے کے باشندوں کے مصائب میں کمی' اور معاشی میدان میں انقلاب آ رہا ہے' مجاہدین کیلئے بھی آمد و رفت میں سہولت ہو گئی ہے۔

۲ بجے کے قریب جبکہ عصر کی نماز مسجدوں میں ہو چکی تھی' گاڑی "وانا" کی

---

[1] ہمارے اس سفر کے وقت صدر مرحوم حیات تھے' ان کی مدبرانہ رہنمائی میں جہاد افغانستان تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہا تھا' لیکن یہ مضمون طباعت کے لئے جا رہا ہے' ان کے نام کے ساتھ شہید اور مرحوم کے الفاظ لکھنے پڑے "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

پشاور کی جامع مسجد کے دروازے پر رکی۔ مولانا نور محمد صاحب اور ان کے رفقاء منتظر تھے ۳ روز پہلے یہاں سے جاتے وقت واپسی کا جو وقت طے ہوا تھا مجاہدین کے حسن انتظام کی بدولت ہم بحمداللہ تقریباً اسی وقت پہنچ گئے۔ ۔ ۔ فوراً ہی نماز عصر باجماعت ادا کرنے میں تو حضرت سے اجازت لے کر وہیں ایک کونے میں دراز ہو گیا، نماز مغرب کے بعد تک کھانا آنے تک تقریباً لیٹا ہی رہا۔

جہاد کی تین قسمیں

مولانا نور محمد صاحب نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عشاء کے بعد "جہاد" کے موضوع پر جلسہ عام کا اعلان کیا ہوا تھا۔ مگر ۔ ۔ ۔ چہرے مہرے پر تھکن اور درد تھا، اس میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا، کمزوری و نقاہت چھائی پڑی تھی اور آپ سب کی طرف سے یہ "فرض کفایہ" حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم نے ادا فرمایا۔ مجھے اس سعادت سے اپنی محرومی کا افسوس رہا کیونکہ جہاد تین طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) جہاد بالسیف: یعنی دشمنان اسلام سے مسلح جنگ۔

(۲) جہاد بالمال: جہاد میں مال خرچ کرنا اور اس سے مجاہدین کی ضروریات مہیا کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَى وَمَنْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَى"

"جس شخص نے اللہ کے راستے میں کسی غازی کو جہاد کا سامان مہیا کیا اس نے بھی جہاد کیا، اور جس نے کسی غازی کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبر گیری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اس نے بھی جہاد کیا۔"

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ ص ۱۳۷ ج ۲)

(۳) جہاد باللسان: یعنی زبان و قلم سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا اور دشمنان

اسلام کے باطل پروپیگنڈے کا توڑ کرنا۔ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں طرح کے جہاد کا حکم دیا ہے ارشاد ہے:

"جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ"

"مشرکین کے خلاف اپنے مال و دولت سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو"
(سنن النسائی۔۔۔حدیث ۳۰۹۶)

اس تیسری قسم کے جہاد کی یہاں وزیرستان میں سب سے زیادہ ضرورت اس لئے ہے کہ یہ آزاد قبائل کا علاقہ ہے یہاں سے مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد افغانستان کے جہاد میں بحمداللہ شریک ہوتی اور مجاہدین و مہاجرین کے ساتھ تعاون کرتی ہے لیکن یہاں کے غیور مسلمانوں کو گمراہ اور جہاد افغانستان سے بدظن اور لاتعلق کرنے کیلئے روسیوں کے زرخرید ایجنٹ بھی یہاں سرگرم عمل ہیں جن کو پاکستان کی بعض سیکولر سیاسی جماعتوں کی پرزور حمایت حاصل ہے یہ روس کی زبردست مالی امداد کے سہارے ہر وقت لسانی اور قبائلی عصبیت کو ہوا دیتے رہتے ہیں مجاہدین اور مہاجرین کو بدنام کرنا اور پاکستان کی تمام مشکلات کا سبب ان ستم رسیدہ مہاجرین کو قرار دینا ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

حضرت مولانا مدظلہم نے جہاد کے فضائل اور اس کی دینی اہمیت پر اثر انگیز خطاب فرمایا اور جہاد افغانستان کے منظر و پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:

"مجاہدین افغانستان یوں تو پورے عالم اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں لیکن پاکستان کیلئے اس جہاد کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ روس کی نظر دراصل پاکستانی بلوچستان پر ہے وہ افغانستان کو

راستے کی ایک منزل سمجھ کر آیا ہے اور گرم پانی کے شوق میں' بلوچستان پر قبضہ کرکے اس کے سمندری ساحل (گوادر وغیرہ) تک پہنچنا چاہتا ہے' اس لئے جہاد افغانستان درحقیقت پاکستان کا اپنا مسئلہ بھی ہے' جس میں پاکستانی مسلمانوں کو بھرپور حصہ لینا ایمانی غیرت کا تقاضا ہے۔ خصوصاً وزیرستان کے قبائل جو افغانستان کے براہ راست پڑوسی ہیں اُن پر یہ شرعی ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔"

ہم مہمانوں کے لئے مدرسے کے کئی کمرے خالی کرا کے اُن میں زمین پر بستر لگا دیئے گئے تھے' میں سونے کیلئے لیٹا تو مدرسہ کے کئی طلبہ سر میں مالش کرنے اور بدن دبانے کیلئے آگئے' یہاں کی مہمان نوازی معروف ہے' خصوصاً مدرسوں کے طلبہ کو اپنے اساتذہ یا علماء کرام کی خدمت کا موقع مل جائے تو بڑی نعمت سمجھتے ہیں' اُن کے اصرار پر تھوڑی دیر کیلئے اجازت دیدی' ورنہ مجھے بدن دبوانے کی عادت نہیں' مولانا سیف اللہ اختر صاحب بازار سے درد سر کی گولی لے آئے' کچھ سکون ہوا اور بحمداللہ ۱۲ بجے کے بعد آنکھ لگ گئی۔

جمعرات ۱۹ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ – ۷ اپریل ۱۹۸۸ء

صبح کو ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر ۹ بجے کے قریب ہم وزیرستان کیلئے روانہ ہوئے' ہم چاروں کا یہ سفر سوزوکی کار میں ہوا' باقی رفقاء اسی جیپ میں تھے جو افغانستان سے ساتھ آئی تھی۔

افغانستان میں مجاہدین کو جس بے سروسامانی اور جان توڑ مشقتوں میں چھوڑا تھا' اور "چھوٹا گھوٹے" کی صورت میں جو اور کڑا وقت ان پر آنے والا تھا' اس سے دل بے چین تھا۔

میں سوچ رہا تھا "ان سرفروشوں نے صوبہ "پکتیکا" کتنی قیمتی جانوں کے نذرانے دے کر اور نو سال تک کتنے مصائب جھیل کر آزاد کرایا ہے۔ اس پورے صوبے میں اب صرف دو شہروں "ارغون" اور "شرنہ" کو آزاد کرانا باقی رہ گیا ہے۔ لیکن چھاپہ مار جنگ میں فتح و شکست کا فیصلہ جلدی نہیں ہوتا۔ جس بے سروسامانی کا سامنا ہے۔ اس میں چھاپہ مار جنگ ہی جاری رکھی جا سکتی ہے مگر یہ بہت صبر آزما ہوتی ہے۔ دشمن کی ایک ایک چوکی کو فتح کرنے میں کئی کئی مہینے اور برس بھی لگ جاتے ہیں۔ مجاہدین کو یقین ہے کہ "ارغون" کیا پورا افغانستان ان شاء اللہ تعالیٰ آزاد ہو گا۔ وہ اس کیلئے اللہ کے بھروسے پر چند دن، چند مہینے یا چند سال نہیں، بلکہ پوری زندگی کو داؤ پر لگا چکے ہیں۔ بہت کچھ قربان کر چکے، اور سب کچھ قربان کر دینے کیلئے بے تاب ہیں۔۔۔ ان کے ایمان افروز حالات اور اللہ تعالیٰ کے غیبی نصرت کا مشاہدہ کر کے دل گواہی دے رہا ہے کہ اگر مجاہدین افغانستان اسی طرح متحد رہے تو:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

لیکن جو صبح نمودار ہونے والی ہے وہ ابھی بہت قربانیاں لے گی۔ شمع اسلام کے پروانوں کی کمی نہیں، وہ لپک لپک کر اس پر اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور بالآخر

انشاءاللہ فتح و کامرانی قدم چومے گی۔ لیکن ان قربانیوں میں میرا کتنا حصہ ہے؟

یہ وہ سوال تھا جو ضمیر بار بار کر رہا تھا میں چور سا ہو کر رہ گیا' وہ جستجو ذکر کر رہا تھا' بولتے کیوں نہیں؟ جواب دو" ___ آنکھوں سے اشک ندامت بہہ پڑے۔

میں نے چونک کر محمد بنوری صاحب کی طرف دیکھا' جو ساتھ بیٹھے مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرتے نظر آئے' وہ بھی اسی کرب ناک ذہنی کیفیت سے دوچار تھے ___ ہم دونوں دیر تک مجاہدین کے حسین کردار اور تاریخ ساز قربانیوں کا مقابلہ اپنے ناکارہ پن سے کر کے خود کو ملامت کرتے رہے۔ جہاد مقدس کی سرزمین سے کچھ کئے بغیر واپسی کا ہر قدم گناہ معلوم ہونے لگا۔

قاری سیف اللہ اختر صاحب جو گاڑی چلاتے ہوئے' خاموشی سے یہ باتیں سن رہے تھے' اچانک بول پڑے۔ "حضرت! آپ حضرات کچھ کئے بغیر تو واپس نہیں جا رہے' آپ حضرات نے اللہ کے فضل سے ایک معرکے میں عملی حصہ لیا ہے' اس سے ہم سب کے حوصلوں اور ولولوں کو جو نئی قوت ملی ہے' اس کے بہترین نتائج انشاءاللہ میدان کارزار میں ظاہر ہوں گے۔ ہم نے آپ جیسے اساتذہ کرام ہی سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث "جامع ترمذی" میں پڑھی ہے کہ:

"مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ"

"جس نے اللہ کے راستے میں صرف اتنی دیر بھی لڑائی میں حصہ لیا جتنی دیر میں اونٹنی کا بچہ دودھ پیتا ہے' تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی ہے"

(الجامع للترمذی۔ فضائل الجہاد۔ حدیث نمبر ۱۹-ج ۱ ص۱۹۵)

یہ حدیث بالکل یاد نہ رہی تھی' رحمت للعالمین ﷺ کے اس ارشاد نے دل پر پھایا سا رکھ دیا' کمزوروں اور کم ہمتوں کیلئے بھی اللہ رب العالمین کا معاملہ کتنی رحمت کا ہے!

ـــــ ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ مسرت کے آنسو بھی شامل ہو گئے ـــــ کراچی آ کر کتاب میں یہ حدیث تلاش کی تو انہی الفاظ کے ساتھ مل گئی ۔ وللہ الحمد

کیا کہوں کیا کر رہی ہے کام میرے دل کے ساتھ
وہ جو اک امید سی ہے سعی لاحاصل کے ساتھ
(حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ)

گاڑی ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف رواں دواں تھی۔ راستے میں مہاجرین افغانستان کے کئی کیمپ ملے، انہیں دیکھ کر افغانستان کی وہ اجڑی بستیاں نظروں میں گھوم گئیں جنہیں اپنے مکینوں کی یاد میں ہم سراپا ماتم چھوڑ آئے تھے ۔

سانپ بچھو ـــــ جہاد کی ایک اور کرامت

کئی مجاہدین سے سنا تھا کہ جب سے جہاد شروع ہوا افغانستان کے موذی جانور سانپ، بچھو، درندے وغیرہ مجاہدین کو تکلیف نہیں پہنچاتے، حالانکہ مجاہدین شب و روز پہاڑوں اور جنگلوں میں بسیرا کرنے پر مجبور ہیں، جبکہ دشمن کے بہت سے فوجی ان کے ڈسنے اور کاٹنے سے ہلاک ہو چکے ہیں   میں نے مولانا سیف اللہ اختر سے اس بارے میں پوچھا تو فوراً بولے ۔

"یہ بات بالکل صحیح ہے اور بہت مشہور و معروف ہے، خود میرے ساتھ ۱۹۸۴ء میں خوست کے محاذ پر یہ واقعہ پیش آیا کہ میں ایک پہاڑی پر اپنی طیارہ شکن توپوں کے ساتھ مورچے میں تھا، دشمن کے ہوائی حملوں کے باعث سونے کا موقع کم ملتا تھا، ایک رات لیٹا تو پاؤں پر انگوٹھے کے پاس سرسراہٹ اور گدگدی سی محسوس ہوئی، ساتھ ہی ایک کانٹا سا چبھا، میں نے ٹارچ سے دیکھا تو ایک بڑا بچھو میرے پاؤں سے اتر کر بھاگ رہا تھا، میں نے اسے مار دیا، جس جگہ اس نے ڈنک مارا تھا وہاں بال نکلنے سے بہت ہی ہلکی سی خلش محسوس ہوئی۔ تشویش ہوئی کہ اب اس کا زہر چڑھے گا لیکن اٹھ بھی نہ سکوں گا، تنہائی کی وجہ سے اور بھی بے چینی سی محسوس ہوئی، اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دوبارہ لیٹ

گیا' لیٹتے ہی ایسی گہری نیند آئی کہ صبح ہی کو آنکھ کھلی ____ اس جگہ ایک داغ سا تو بن گیا تھا' لیکن تکلیف بالکل نہ تھی۔"

اس سے بھی عجیب واقعہ ان کے دیرینہ رفیق مولانا عبدالصمد میاں نے سنایا' جن سے میری ملاقات اس سفر کے بعد ہوئی' وہ کہتے ہیں۔

"۱۹۸۱ء میں "ارغون" کے پاس "خرکوش" کے علاقے میں ہمارا مرکز تھا' جنگی کارروائیوں کے بعد میں ایک رات واپس آیا اور اپنے خیمے میں سلیپنگ بیگ میں گھس کر لیٹ گیا' جسم کے مختلف حصوں میں رات بھر کھجلی اور سرسراہٹ سی ہوتی رہی' تھکان اور نیند کی وجہ سے میں نے زیادہ دھیان نہ دیا' سوتے سوتے کھجاتا اور کروٹیں بدلتا رہا' صبح اٹھ کر یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ کیا چیز تھی' سلیپنگ بیگ کھولا تو ایک بڑا بچھو نکل کر بھاگا۔ اس بیچارے نے تو رات بھر میرے ساتھ سلیپنگ بیگ میں قید رہنے کے باوجود مجھے نہیں مارا تھا مگر میں نے اسے مار دیا ____ اس واقعہ پر مجھے بہت زیادہ حیرت اس لئے نہیں ہوئی کہ یہاں ایسے واقعات پہلے سے بہت مشہور تھے اور اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت وحمایت کے اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات کا مشاہدہ آئے دن ہوتا رہتا تھا۔"

مولانا عبدالصمد میاں صاحب ہی نے اس سلسلہ کا ایک اور عجیب واقعہ سنایا کہ:

"ژوڑ وپز" کے علاقے میں دشمن کی چھاؤنی کے پاس مجاہدین کا ایک مرکز تھا' اس مرکز کی حفاظت کیلئے انہوں نے قریب کی ایک پہاڑی چوٹی پر مورچہ بنایا ہوا تھا' جس پر ۴ مجاہدین تعینات تھے' یہ ہر وقت دشمن پر نظر رکھتے اور مرکز مجاہدین کے خلاف کی جانے والی ہر کارروائی کو ناکام بنا دیتے تھے' دشمن ان سے کچھ خاص طور سے مورچے پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا ____ ایک رات مورچے کے ان مجاہدین کو نیچے پہاڑی کے دامن میں فوجی بوٹوں کی آہٹ سنائی دی' یہ دیکھنے کے لئے اترنے لگے تو کچھ چیخوں کی آواز اور کچھ لوگوں کے بھاگنے کی آواز آئی' دوڑ کر وہاں پہنچے تو ٹارچ کی روشنی میں یہ عجیب منظر دیکھا کہ تقریباً ۱۵ کمیونسٹ فوجی پڑے تھے جن میں سے آٹھ مر چکے تھے اور بقیہ آخری سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے مرکز سے دیگر مجاہدین کو بلا لیا' اور گردوپیش کا تفصیل سے جائزہ لیا تو معلوم

فوجیوں کے پاس بہت سارے بچھو نظر آئے' جو مجاہدین کو دیکھ کر پتھروں میں روپوش ہورہے تھے ــــ اب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں مجاہدین اور ان کے مورچے کی کس طرح حفاظت فرمائی کہ ان کو گھیرنے کیلئے جو فوجی رات کی تاریکی میں آئے تھے ان میں سے تقریباً ۱۵ کو بچھوؤں کی فوج نے موت کی نیند سلادیا' اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔"

مولانا عبدالصمد سیالی کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ مجھے اس مرکز کے افغان مجاہدین نے خود سنایا تھا۔

مرد سپاہی ہے وہ' اس کی زرہ "لاالہ"
سایہ شمشیر میں' اس کی پنہ "لاالہ"

ہم تقریباً ڈھائی بجے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گئے' جن ساتھیوں کی سیٹیں کل صبح کے جہاز میں ملتان کیلئے ریزرو نہ ہوسکیں انھیں آج ہی شام بذریعہ ویگن ملتان جانا پڑا' میری اور محترم محمد جوری صاحب کی' اور عزیزم مولوی محمد زبیر عثمانی سلمہ کی سیٹیں پہلے سے ریزرو تھیں' ہم تینوں کو پی آئی اے کے دفتر کے پاس ایک ہوٹل میں ٹھہرا دیا گیا۔

جمعہ ۲۰ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ ــ ۸ اپریل ۱۹۸۸ء

پی آئی اے کا فوکر طیارہ جو اسلام آباد سے آیا تھا' صبح نو بجے کے قریب روانہ ہوا' راستہ میں تھوڑی دیر "ژوب" (بلوچستان) میں رکا' اور گیارہ بجے کے قریب ہم ملتان پہنچ گئے' ایئر پورٹ پر ایک عزیز اور کچھ احباب لینے آئے تھے' یہاں سے ہمیں آج ہی شام کے جہاز سے کراچی جانا تھا' سیٹیں پہلے سے بک تھیں۔ــــ اب سب سے پہلے یہ فکر تھی کہ کسی طرح کراچی فون کرکے اپنی ہمشیرہ محترمہ کا حال معلوم کروں' جو ہسپتال میں داخل تھیں' لیکن یہاں کے احباب نے ہمارے اس چھ گھنٹے کے قیام کو مسلسل پروگراموں سے بھرا ہوا تھا' بتایا گیا کہ مجھے جامعہ خیرالمدارس میں جمعہ کے اجتماع سے جہاد افغانستان ہی کے موضوع پر خطاب کرنا ہے' ۴ بجے مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں اسی موضوع پر

پریس کانفرنس تھی' وغیرہ وغیرہ۔

قیام گاہ سے جامعہ خیرالمدارس جاتے وقت ہمارے میزبان' بھائی انوارالٰہی صاحب نے بتایا کہ "ابھی ابھی کراچی سے فون پر رابطہ ہوا ہے' آپ کی بہن کی حالت ٹھیک نہیں ہے مگر آپ پریشان نہ ہوں' نماز کے بعد آپ فون پر خود بات کرلیں" دل سہم گیا ان کے انداز سے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں!

اسی ذہنی دباؤ کے عالم میں "جہاد افغانستان" کے موضوع پر خطاب ہوا اور یہ معلوم ہوکر تعجب اور افسوس ہوا کہ بعض اچھے خاصے دینداروں کو بھی پہلے سے اس جہاد کی دینی اہمیت کا اندازہ نہ تھا' بعض نے بتایا کہ انھیں بعض سیاسی لیڈروں کے بیانات کی وجہ سے اس کے "شرعی جہاد" ہونے ہی میں شکوک وشبہات تھے جو بحمداللہ اب دور ہوگئے۔ خطاب کے بعد لوگوں میں خوب جوش اور ولولہ نظر آیا' بہت سے حضرات نے جہاد میں جانے کا عزم بھی ظاہر کیا۔ وللہ الحمد۔

نومید نہ ہو ان سے' اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن' بے ذوق نہیں راہی

بڑی بہن کی وفات کا ذاتی المیہ

نماز کے بعد قیام گاہ پہنچ کر کراچی فون کرنے کا ارادہ کیا' تو محترم میزبان نے رکتے رکتے ___ گومگو کے عالم میں ___ وہ اندوہناک خبر سنادی جس کا خوف بدن میں رو رہی سے جھرجھری پیدا کر رہا تھا ___ میری بڑی بہن بہت ہی محبت کرنے والی بہن' جنھوں نے مجھے گودوں میں کھلایا اور قدم قدم پر میری تربیت میں حصہ لیا' آج ہی صبح ۸ بجے کراچی میں انتقال فرماچکی تھیں ___ اناللہ وانا الیہ راجعون

میزبانوں نے بتایا کہ یہ خبران کو میرے ملتان پہنچنے سے پہلے ہی مل گئی تھی اور اب تک ان کا بار بار کراچی سے رابطہ ہوچکا ہے ___ لیکن مجھ سے اس لئے مخفی رکھی گئی کہ آج مغرب سے پہلے کراچی کیلئے کوئی پرواز نہیں ہے' ایسے میں آپ کو بتانے کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوتا کہ پورا ہی وقت کرب اور بے چینی میں گذرتا' اور جمعہ کا خطاب بھی رہ

جاتا۔ کراچی سے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ آپ کو یہ خبر دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔

فون پر معلوم ہوا کہ ابھی ابھی نماز جمعہ کے متصل بعد دارالعلوم کراچی میں ان کی نماز جنازہ ہوئی ہے اور اسی وقت دارالعلوم ہی کے قبرستان میں والدین کے مزار مبارک کے پاس تدفین عمل میں آرہی ہے ـــــ نماز جنازہ میں شرکت اور آخری دیدار سے محرومی کا غم بالائے غم تھا لیکن اس تصور سے دل کو بڑا سہارا ملا کہ میرا انتظار کیا جاتا تو آنحضرت کے اس حکیمانہ ارشاد کی تعمیل نہ ہوسکتی تھی کہ:

"اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا به

الی قبرہ"

"جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روک کر مت رکھو اور اسے اس کی قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو۔"

(فتح الملہم بحوالہ طبرانی ص ۱۸۹ ج ۱ و مجمع الزوائد ص ۴۴ ج ۳)

ناچیز کی سب سے بڑی ہمشیرہ جو آج سے ۲۳ سال قبل وفات پاچکی تھیں ان سے چھوٹی تین بہنوں میں یہ عمر کی ترتیب سے دوسرے نمبر پر تھیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ تعلیم و تربیت کی برکت سے مزاج و مذاق اور فکر و عمل دینی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے عبادت کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ یہ بھی ان کی خوش نصیبی ہے کہ جمعہ کے مبارک دن میں وفات ہوئی۔ محض گھریلو تعلیم کی بدولت علمی و ادبی معیار ایسا تھا کہ بہت سی ڈگری یافتہ خواتین میں بھی کم پایا جاتا ہے۔ شعر و ادب کا نفیس اور لطیف ذوق پایا تھا، خود بھی شعر کہتی تھیں ان کا یہ شعر تو یوں لگتا ہے جیسے گھر سے ہسپتال جاتے ہوئے ہی کہا ہو:

چمن سے جاتے ہیں یہ سوچ کر کہ پھر قسمت
گذر بھی ہوگا سوئے آشیاں، نہیں معلوم!

یہ موضوع بڑا پیارا، دردناک اور جذباتی نوعیت کا ہے کہ دل چاہتا ہے صفحے کے صفحے لکھتا چلا جاؤں، لیکن جہاد کے موضوع سے بہت دور چلا جاؤں گا ___ لہٰذا اس موضوع کو قارئین کرام کی خدمت میں اس درخواست پر ختم کرتا ہوں کہ برادر مکرم ان کیلئے کامل مغفرت اور اعلیٰ درجات کی اور پسماندگان کیلئے صبر و سکینت اور فلاح دارین کی دعا فرمائیں۔ اللّٰھم اغفر لھما وارحمھما

کمانڈر زبیر کا خط

تقریباً ۳ ہفتے بعد رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ میں محاذ سے کمانڈر زبیر کا حسب وعدہ خط آیا جس کے اہم اقتباسات یہ ہیں:

"تاریخ: ۲۵/۴/۱۹۸۸ء

محترم المقام مستوجب الاحترام حضرت مولانا زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت موجود و مطلوب ہے۔

خط لکھنے کا مقصد آپ کو اس جنگ کے نتائج سے آگاہ کرنا ہے جو آپ کی سرپرستی میں لڑی گئی تھی۔ کل مورخہ ۲۴ اپریل (۱۹۸۸ء) کو "ارغون" چھاؤنی سے دو افغان فوجی بھاگ کر مجاہدین سے آملے، ان فوجیوں نے جہاں دیگر معلومات فراہم کیں، وہاں اس جنگ کے بارے میں بھی بتایا۔ ان کے بیان کے مطابق مقدس ہاتھوں سے نکلنے والے مارٹر توپ کے گولوں نے "پوسٹ" زامہ خولہ" میں تہلکہ مچا دیا، اس لئے کہ ان گولوں سے ایک دو نہیں بلکہ تین بڑے فوجی افسر ایک ساتھ مردار ہوئے، ایک مردار اور چھ شدید زخمی ہو گئے۔ جانی نقصان کے علاوہ مالی نقصان بھی خاصا ہوا۔

الحمد للہ اس حملے کے بعد دشمن انتہائی مرعوب ہے، ہم نے بھی حملے تیز کر دیئے ہیں۔ چند دن قبل ہم نے دو میزائل داغے جن کے اچانک گرنے سے دشمن کا شدید نقصان ہوا۔ آنے والے فوجیوں کے بیان کے مطابق تین ایمبولینس گاڑیاں مرداروں اور

زخمیوں سے بھر گئیں۔

یہ سن کر یقیناً آپ کو خوشی ہوگی کہ صوبہ پکتیکا کے امیر عظیم کمانڈر حضرت مولانا ارسلان رحمانی افغانستان پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے بہت اہم پروگرام ترتیب دیئے ہیں جن کے لئے ہم آپ کے تعاون کے خواہاں ہیں ' ہماری دیگر ضروریات سے تو آپ باخبر ہیں ہی ' اس وقت ہمیں شدید ضرورت افرادی ہے ' ہم امید واثق رکھتے ہیں کہ آپ حضرات افراد پر محنت کر کے انہیں محاذ پر بھیجیں گے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ پورے عالم میں اسلام کو سربلندی عطا فرمائے۔"

آپ کی دعاؤں کے محتاج ——— مجاہدین اسلام

والسلام ——— زبیر احمد خالد

خط کے چند روز بعد ' رمضان المبارک ہی میں ایک رات ۱۲ بجے ' فون پر یہ خوشخبری ملی کہ کمانڈر زبیر صاحب ابھی ابھی کوئٹہ سے ہوتے ہوئے کراچی پہنچے ہیں ' صبح ۸ بجے کی پرواز سے ملتان چلے جائیں گے ' یہ پیغام بھی ملا کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہ ابھی آ کر ملنا چاہتے ہیں ——— میرے تو یہ دل کی آواز تھی ' وہ ایک بجے غریب خانے پر تشریف لے آئے ' ہماری واپسی کے بعد سے اب تک جو معرکے ہوئے تھے ' ان کی ایمان افروز تفصیلات سننے میں ایسی محویت ہوئی کہ رات کے ساڑھے تین بج گئے۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اس سامان کی فہرست بھی لکھوا دی جس کی محاذ پر فوری ضرورت تھی۔

شہید کا جنت میں افطار

انہوں نے ایک تازہ ترین معرکہ کا واقعہ بھی سنایا کہ "۱۹ویں رمضان کو صبح ۸ بجے ' دشمن کی چوکی "زامہ خولہ" پر قریب پہنچ کر حملہ کرنا تھا ' ہم سحری ' وقت سے ذرا پہلے کھا کر مرکز سے روانہ ہوئے فیصل آباد کا ایک ۱۹ سالہ مجاہد "حبیب الرحمن" جو حافظ قرآن تھا ' اسے میں نے اس معرکے میں جانے سے روک دیا تھا کیونکہ وہ ہمارے مرکز میں تراویح سناتا تھا ——— اسے بہت غم ہوا اور منت سماجت کرنے لگا ' بالآخر اس کے شدید اصرار پر میں نے اجازت دیدی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

ہم نے چوکی پر میزائلوں سے حملہ کیا "حبیب الرحمن" بھی دن بھر "دشکہ" (اینٹی ایئرکرافٹ گن) سے تابڑتوڑ حملے کرتا رہا ___ افطار سے تقریباً دس منٹ پہلے جب دشمن کی طرف سے گولوں کی بارش ہو رہی تھی، وہ اپنے مورچے میں دو ساتھیوں کے درمیان بیٹھا تھا جو تیسرا ساتھی مورچے میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے باہر بیٹھ گیا۔

حبیب الرحمن اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "ہم اس وقت جنت میں بیٹھے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ "جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے" اور ہم اس وقت گولوں کی چھاؤں میں بیٹھے ہیں" ___

پھر کہنے لگا "آج پیاس بھی بڑے زور کی لگی ہے کیا اچھا ہو کہ آج افطار جنت میں جاکر ہو!" وہ یہ کہہ کر خاموش ہوا ہی تھا کہ، دشمن کی مارٹر توپ کا ایک گولہ پاس آکر پھٹا، عجیب بات یہ ہے کہ جو ساتھی مورچے سے باہر تھا اسے تو خراش تک نہ آئی، مورچے کے اندر کا بھی ایک ساتھی محفوظ رہا، دوسرے ساتھی کو معمولی زخم آئے، لیکن حافظ حبیب الرحمن کو ___ جس نے جنت میں جاکر افطار کرنے کی تمنا کی تھی ___ گولے کا ایک بڑا ٹکڑا آکر لگا اور وہ اسی وقت شہید ہوگیا۔

یہ سناتے ہوئے کمانڈر صاحب کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے پھر زمین پر نظریں گاڑ کر خود کلامی کے انداز میں کچھ سوچتے ہوئے بولے "شہید بھی عجیب ہوتا ہے!"

انھوں نے جب بھی کسی شہید کا ذکر کیا یہی محسوس ہوا کہ وہ خود شہادت کے لئے بیتاب ہیں، ان کا مسلک ہمیشہ یہ نظر آیا کہ

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

رات کے ساڑھے تین بجے رخصت ہونے لگے تو میں نے پوچھا "آپ ملتان سے ہوتے ہوئے محاذ پر جا رہے ہیں، ملتان کے قریب ہی آپ کا گھر ہے کیا گھر نہیں جائیں گے؟

بلکی سی آہ بھر کے مسکراتے ہوئے کہنے لگے "میری ڈیڑھ سال اکلوتی بچی مجھے اب پہچاننے لگی ہے اللہ پاک نے چاہا تو اسے اور گھر والوں کو دیکھنے ضرور جاؤں گا مگر چند گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھہر سکوں گا کیونکہ اگلی کارروائیوں کے لئے محاذ پر فوراً پہنچنا ضروری ہے۔ اب ہم نے "ارغون" کے گرد اپنا گھیرا کافی تنگ کر لیا ہے اور اس کے محاصرے کو جلد از جلد مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ محاصرہ مکمل ہو جانے کے بعد دشمن زیادہ سے زیادہ مہینے میں ہتھیار ڈال دیتا ہے۔"......

وداعی مصافحہ کرتے وقت میں نے "آیت الکرسی" کا عمل یاد دلایا، اس کے مکمل ہوتے ہی وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے جیپ میں سوار ہو گئے۔

محاذ سے واپسی کے بعد اپنے قافلے کے کئی دیگر رفقاء کی طرح ناچیز راقم الحروف نے بھی جہاد افغانستان کے موضوع پر تقریروں اور خطابات کا سلسلہ جاری رکھا، دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں کئی ماہ تک احقر کا اسی موضوع پر خطاب ہوا، بحمداللہ کئی نوجوان رمضان ہی میں محاذ پر چلے گئے۔ اور ناچیز کے عزیزوں، دوستوں اور دارالعلوم کے متعلقین و معاونین نے تقریباً آٹھ لاکھ روپے جہاد کیلئے جمع کئے، اس رقم سے ہم نے ابتدائی طبی امداد کا سامان، ایک درجن اسٹریچر اور ایک جدید ترین طبی سامان سے آراستہ ایمبولینس خرید کر کمانڈر صاحب کے پاس روانہ کی۔ مجاہدین کی دیگر ضروریات کا بھی کافی سامان لوگوں نے جمع کیا جو محاذ پر بھیج دیا گیا۔ بحمداللہ بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

جہاں تک ہمارے سفر افغانستان کا تعلق ہے اس کی روئداد تو ختم ہو گئی [1]، لیکن پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس قلمی کاوش کا مقصد صرف روئداد سفر بیان کرنا نہیں بلکہ جہاد

---

[1] سلہ جنوری ... [illegible] ... صوبہ پکتیا کے محاذ پر ایک ... معرکے میں شرکت ... [illegible]
۱۹۹۱ء میں ہوا ... [illegible] ... ان شاء اللہ آخر میں بیان ہوگا۔

افغانستان جن حالات میں ہو رہا ہے' اس میں اللہ رب العالمین کی نصرت و حمایت کے جو محیر العقول واقعات رونما ہوئے' اور ان کی جو معلومات مجھے قائدین اتحاد مجاہدین سے براہ راست حاصل ہوئیں' ان کا خلاصہ ابھی قید تحریر میں لانا پیش نظر ہے' لہٰذا اگلے صفحات میں صرف ان حالات کا ذکر کروں گا جو اس سفر کے بعد پیش آئے' یا جن کا مجھے بعد میں علم ہوا' کیونکہ ان کے بغیر یہ تحریر تشنہ رہے گی' خصوصاً "معرکۂ ژاور" کا بعد کا حال جاننے کے تو قارئین کرام منتظر بھی ہوں گے۔

جنیوا سمجھوتہ اور پاکستان

اس سمجھوتے کا پس منظر اور اسباب کافی پیچھے "مجاہدین اور جنیوا سمجھوتہ" کے عنوان کے تحت عرض کر چکا ہوں۔ یہ سمجھوتہ پاکستان پر زبردستی مسلط کیا گیا ہے' ورنہ اصل فریقین روس اور مجاہدین افغانستان تھے' سمجھوتہ یا مذاکرات ہونے ہی تھے تو ان دو فریقوں کے درمیان ہونے چاہئیں تھے' پاکستان تو اس معاملے میں فریق ہی نہ تھا' لیکن امریکہ اور روس کی ملی بھگت اور [illegible] مداخلت کر کے انہوں نے یہ سمجھوتہ حکومت پاکستان اور کابل انتظامیہ کے درمیان کروا ڈالا ـــــ جو حکومتیں غیروں کے سہارے زندہ رہنا چاہتی ہیں' انہیں قومی زندگی کے اہم موڑوں پر بھی قومی تمنا کے خلاف فیصلے کرنے پڑتے ہیں' پاکستان کی منتخب مسلم لیگی "جونیجو حکومت" بھی اسی قومی جرم کی مرتکب ہوئی ہے۔ نہ جانے مفکر پاکستان اقبال مرحوم کی یہ بات ہمارے حکمرانوں کی سمجھ میں کب آئے گی۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

بہرحال اسی سراسر غیر معقول اور ظالمانہ سمجھوتے پر ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء کو جنیوا میں حکومت پاکستان کی طرف سے وزیر مملکت برائے امور خارجہ جناب زین نورانی نے' اور کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ کی طرف سے اس کے وزیر خارجہ نے "اصل فریقین" کی حیثیت سے دستخط کر دیئے۔ روس اور امریکہ کے وزرائے خارجہ نے اپنے ملکوں کی

طرف سے بہ طور "ضامن" دستخط کیے ہیں۔

سمجھوتے کی دستاویزات میں کہا گیا ہے کہ یہ سمجھوتہ دستخطوں کے ساتھ دنوں بعد (۱۵ جون ۱۹۸۸ء سے) نافذ العمل ہو گا۔ (افغانستان سے) غیر ملکی (روسی) فوجوں کا انخلاء اسی تاریخ (۱۵ جون) سے شروع ہو گا' آدھی فوج ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء تک واپس بلائی جائے گی اور ساری فوج کا انخلاء ۹ ماہ میں مکمل ہو گا۔

سمجھوتے میں پاکستان پر کڑی پابندیاں

اس سمجھوتے کی دستاویزات میں پاکستان پر جو کڑی پابندیاں خوشنما سفارتی الفاظ میں لپیٹ کر عائد کی گئی ہیں وہ سادہ الفاظ میں یہ ہیں:

(۱) روس کی قائم کردہ کمیونسٹ کابل انتظامیہ کو ___ جسے پاکستان نے آج تک تسلیم نہیں کیا تھا ___ پاکستان اسے تسلیم کرے گا۔

(۲) اس کٹھ پتلی انتظامیہ کا "اقتدار اعلیٰ" افغانستان کے اس ۸۰ فیصد علاقے پر بھی تسلیم کرے گا جسے مجاہدین آزاد کرا چکے ہیں اور جس پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے۔

(۳) یہ ناجائز انتظامیہ ___ جسے امریکہ بھی "ناجائز انتظامیہ" ہی کہتا ہے ___ جو روس کے ساتھ مل کر اسی کے بل بوتے پر مجاہدین سے برسرپیکار ہے' اور جس کی گردن پر افغانستان کے ۱۵ لاکھ مسلمانوں کا خون ہے ___ پاکستان اس کے "اقتدار اعلیٰ" کی سیاسی آزادی' علاقائی سالمیت' قومی وحدت اور سلامتی کا ایسا ہی "احترام" کرے گا' اور اپنی طرف سے اس کو ایسا ہی تحفظ فراہم کرے گا جیسا کہ پاکستان خود اپنے لئے چاہتا ہے (اس کے بین السطور میں یہ دھمکی موجود ہے کہ اگر پاکستان نے ایسا نہ کیا تو کابل کی خفیہ تنظیم "خاد" کے تربیت یافتہ کارندے پاکستان میں ان تخریبی کارروائیوں اور دہشت گردی کا جاری رکھیں گے جو کئی سال سے یہاں کے شہروں کا معمول بنی ہوئی ہیں)۔

(۴) پاکستان اپنے ذرائع ابلاغ کو پابند کرے گا کہ ان سے کمیونسٹ کابل انتظامیہ کے خلاف کسی قسم کا پروپیگنڈہ نہ ہو سکے۔

یہ نام نہاد سمجھوتہ روس کو تو اپنی کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کو مہلک ترین ہتھیار اور جنگی

سازوسامان فراہم کرنے سے نہیں روکتا۔ بھارت پر بھی اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی۔۔۔ امریکہ بھی اگر چاہے تو مجاہدین کو اسلحہ دے سکتا ہے لیکن سمجھوتے میں پاکستان پر جو پابندی عائد کی گئی ہے کہ

(۵) وہ براہ راست یا بالواسطہ مجاہدین کی کسی قسم کی کوئی امداد یا حوصلہ افزائی نہیں کرے گا۔

(۶) انہیں فوراً پاکستان سے نکل جانے پر مجبور کرے گا اور اپنی سرزمین پر کسی مجاہد کا وجود ایک لمحہ کیلئے برداشت نہیں کرے گا۔

(۷) اپنی سرزمین سے مجاہدین کو گزرنے یا اسلحہ و گولہ بارود اور سازوسامان لیجانے کی اجازت نہیں دے گا۔

(۸) مجاہدین کو ابلاغ عامہ کے ذرائع استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دے گا۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان کو جہاد اور مجاہدین افغانستان کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہوگا، مجاہدین کیلئے کسی اور ملک سے آنے والی امداد بھی ان تک نہیں پہنچنے دے گا، اور کابل کی ناجائز انتظامیہ کے ساتھ "باہمی احترام اور تعاون" کی پالیسی اپنا کر اسے اپنی طرف سے پورا تحفظ فراہم کرے گا۔۔۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کو اپنی سابقہ افغان پالیسی کے برعکس اسلام کے جان نثار مجاہدین سے دشمنی اور ان کے کمیونسٹ دشمن سے دوستی کرنی پڑے گی۔۔۔ افغانستان کے عوام پاکستان اور امت مسلمہ کو اس صبر آزما جہاد کے جو دور رس ثمرات ملنے ہی والے ہیں وہ سب کے سب امریکہ، روس اور اس کی کٹھ پتلی کمیونسٹ انتظامیہ کی جھولی میں ڈال دیئے جائیں گے، اور بھارت کو اس انتظامیہ کے ذریعہ پاکستان کے خلاف وہ سارا کھیل کھیلنے کے مواقع دوبارہ مل جائیں گے جو وہ اس جہاد کے شروع ہونے تک کھیلتا رہا ہے۔

روسی فوجوں کی پسپائی

یہ ظاہر ہے کہ سمجھوتے میں غیر ملکی (روسی) فوجوں کی واپسی کا اعلان بڑا خوش کن ہے، مغربی ذرائع ابلاغ نے سمجھوتے کے اسی حصے کو سب سے زیادہ اچھال کر اسے وہ عظیم

کامیابی" قرار دیا ہے اور جو پابندیاں پاکستان پر لگائی گئی ہیں ان سے توجہ ہٹانے کیلئے برابر یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ سمجھوتہ دراصل روسی فوجوں کی واپسی کو یقینی بنانے کیلئے وجود میں آیا ہے۔

لیکن جسے ہمارا افغانستان کے حالات کا ذرا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ روسی فوجوں کی واپسی کا ذکر اس میں صرف "زیب داستان" کیلئے ہے ورنہ یہ اس سمجھوتے کا سب سے زیادہ لایعنی حصہ ہے کیونکہ روس نے تو حالات سے مجبور ہوکر اس سمجھوتے کے بغیر بھی اپنی فوجیں واپس بلانے کا واضح اعلان کردیا ہے جو اس سمجھوتے سے ۲۸ روز قبل ۱۸ مارچ ۱۹۸۸ء کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ روس نے ابتداءً یہ اعلان کیا تھا کہ اگر جنیوا سمجھوتے پر ۱۵ مارچ ۱۹۸۸ء تک دستخط ہوگئے تو وہ ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء سے اپنی فوجوں کا انخلاء شروع کردے گا اور پاکستان کو دھمکی دی تھی کہ "یہ آخری موقع دیا جارہا ہے اگر ۱۶ مارچ تک دستخط نہ ہوئے تو یہ پیشکش ختم ہوجائے گی" ___ لیکن حکومت پاکستان نے شروع میں مضبوط موقف اختیار کیا اور دستخط کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی یہاں تک کہ ۱۵ مارچ کی تاریخ بھی گذر گئی۔

سوال پیدا ہوا کہ اب روس کیا کرے گا؟ کیا فوجیں واپس لے جانے سے انکار کرے گا؟ ___ اس سوال کا جواب اس نے بڑی بیچارگی کے عالم میں یہ دیا جو ۱۸ مارچ کے اخبارات میں شائع ہوچکا ہے کہ

"سمجھوتہ نہ ہوسکا تو بھی ہم اپنی فوجیں واپس بلالیں گے اور اس کا طریقہ کار خود ہی طے کرلیں گے۔"

لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا ___ ایک دکان کے ملازم نے مالک سے تنخواہ بڑھانے کی بار بار درخواست کی، اس نے ہر بار سنی ان سنی کردی، بالآخر ایک روز وہ جی کڑا کرکے آیا اور دھمکی آمیز لہجے میں مطالبہ کیا "اس ماہ سے تنخواہ بڑھادو ورنہ" ___

مالک نے غصے سے بات کاٹتے ہوئے زور سے پوچھا "ورنہ کیا؟" ___ ملازم سہم گیا اور جھجکتے ہوئے بولا:

"ورنہ ___ حضور اسی تنخواہ پر کام کروں گا۔"

بہرحال! روس نے اپنی فوجوں کی واپسی کو "جنیوا سمجھوتے" کے ساتھ مشروط نہیں رکھا تھا، وہ نو سال کی عبرتناک رسوائی اور مجاہدین کی سبق آموز مزاحمت سے زچ ہو کر اس دلدل سے نکلنے پر مجبور تھا کیونکہ ایک طرف تو اس کی فوجیں بری طرح پٹ چکی تھیں اور ہر قیمت پر یہاں سے چھٹکارا پا کر گھروں کو واپس جانے کیلئے بے تاب تھیں، دوسری طرف روس کو اس ۹ سالہ قسمت آزمائی میں سراسر ناکامی کے بعد بہت سے اندرونی پیچیدہ مسائل نے بری طرح جکڑ لیا تھا، اقتصادی حالت تباہ ہو چکی تھی، اور اس کی مقبوضہ اسلامی ریاستوں ازبکستان (بخارا، تاشقند، سمرقند) اور تاجکستان وغیرہ کے مسلمانوں میں بھی آزادی کی لہر پھوٹ اٹھی تھی۔

لہٰذا یہ بات تو طے شدہ تھی کہ روسی فوجیں جن کو یہاں اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے ہیں بہت جلد بھاگنے والی ہیں، چنانچہ جنیوا سمجھوتہ ہو یا نہ ہو، روس بہرحال "اسی تنخواہ پر کام کرنے" کا اعلان کر چکا تھا ___ وہ اپنی فوجوں کی واپسی کیلئے کتنا بے قرار تھا؟ اس کا صحیح اندازہ دنیا نے اس سے بھی کر لیا کہ جب اس سمجھوتے پر ۱۴ اپریل کو دستخط ہوگئے تو اس کی رو سے فوجوں کی واپسی ۱۵ مئی سے شروع ہونی تھی، مگر اس نے فوجوں کا انخلاء "احتیاطاً" ایک ماہ قبل ۱۵ اپریل ہی سے شروع کر دیا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ جنیوا سمجھوتے میں روسی فوجوں کی واپسی کا ذکر کوئی قیمت نہیں رکھتا، اس سمجھوتے کے اصل اجزاء وہ ہیں جن میں پاکستان پر وہ پابندیاں لگائی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوگئیں۔

پورا کفر ایک ملت

روس اور امریکہ نے اپنے شدید ترین نظریاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود ماضی کی طرح اب بھی اسلام دشمنی میں مشترک پالیسی اختیار کر رکھی ہے، دونوں اس نکتہ پر متحد

افغانستان میں ان مطبوعہ اسلامی حکومت کے بجائے نئی سیکولر حکومت قائم کرکے پاکستان کی مغربی سرحدوں پر پاکستان کیلئے وہی تشویشناک صورت حال پیدا کر دی جائے جو جہاد سے پہلے تھی ' نام نہاد "پختونستان" کا مسئلہ ' جسے اس جہاد نے دفن کر دیا ہے ' اس گڑے مردے کو اکھاڑ کر دوبارہ کھڑا کیا جاسکے ' اور پاکستان کے خلاف بوقت ضرورت اسے بھی استعمال کیا جائے جنیوا سمجھوتہ اسلام دشمن طاقتوں کے اس گٹھ جوڑ کا پہلا قدم ہے۔

میں اس نام نہاد سمجھوتے کے متن کا بغور اور بار بار مطالعہ کرنے کے بعد بھی اس کے سوا کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ یہ سمجھوتہ ـــــ جس کی طولانی دستاویزات کو سفارتی اسلوب و آداب سے بڑی محنت کرکے سجایا گیا ہے ـــــ ایک خوشنما جال ہے 'جس کے تانے بانے صرف مجاہدین افغانستان کے عوام اور پاکستان کو پھانسنے کیلئے بنے گئے ہیں۔

ہیں کواکب کچھ ' نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا ' یہ بازی گر کھلا

امت مسلمہ کا موقف

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ شہید صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو ـــــ جن کی مومنانہ و مدبرانہ رہنمائی اور بھرپور حمایت جہاد افغانستان کو شروع سے حاصل رہی ہے ـــــ سمجھوتے کی اس صورت حال سے شدید اختلاف تھا 'انہوں نے جونیجو حکومت کو اس سے باز رکھنے کیلئے آخر تک بھرپور کوشش جاری رکھی ' ان کا موقف وہی تھا جو پوری امت مسلمہ کا تھا کہ روسی فوجیں اس حالت کو پہنچ چکی ہیں کہ ان کو افغانستان سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کسی سمجھوتے یا بہانے کا انتظار نہیں رہا ' مجاہدین کی فتح سامنے ہے ' ان حالات میں کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ سے سمجھوتہ کرکے اسے افغانستان کے عوام پر ان کی مرضی کے برعکس مسلط رہنے میں مدد دینا ـــــ جبکہ چند شہروں اور چھاؤنیوں کے سوا پورے ملک میں اس کا کوئی وجود نہیں ... "اپنے پاؤں کلہاڑی مارنے" کے سوا کچھ نہیں ' اگر عالمی طاقتوں کو سمجھوتے پر اصرار ہے تو وہ اس پر ہونا چاہیے کہ روسی فوجوں کی واپسی کے ساتھ ہی کابل کی موجودہ انتظامیہ کی جگہ مجاہدین کی عبوری

حکومت قائم کر دی جائے' جو افغانستان میں مناسب حالات پیدا ہوتے ہی وہاں باضابطہ مستقل نمائندہ حکومت قائم کرنے کا راستہ ہموار کر سکے ۔ امن قائم ہونے کا صرف یہی ایک راستہ ہے' ورنہ مجاہدین مکمل فتح ہونے تک جہاد جاری رکھنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ دوسری روس مسلسل ترین اسلحہ کابل انتظامیہ کو دے رہا ہے گا جس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ جنگ جاری رہے گی' ___ سمجھوتہ امن کے لئے ہوا کرتا ہے جس کا کوئی راستہ اس میں تجویز نہیں کیا گیا۔

عالمی طاقتوں کا دباؤ

یہ صحیح ہے کہ اس سمجھوتے کیلئے حکومت پاکستان پر عالمی طاقتوں کا دباؤ سخت تھا امریکی دباؤ کے ساتھ روسی دباؤ بھی بڑھتا جا رہا تھا' سمجھوتے پر دستخط ہونے سے صرف ۴ روز قبل ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء کو "راولپنڈی اوجڑی کیمپ آرڈی ننس ڈپو" میں اچانک دھماکوں اور وہاں سے نکل کر اڑنے والے بموں' راکٹوں اور میزائلوں نے راولپنڈی اور اسلام آباد کے جڑواں شہروں پر قیامت صغریٰ توڑ چکی تھی اور عام اندازہ یہ ہے کہ یہ روس کے تربیت یافتہ تخریب کاروں یا امریکی سی آئی اے کی کارروائی تھی' لیکن اس طرح کے صبر آزما حادثات قوموں کی زندگی میں آیا ہی کرتے ہیں' اور ایسے ہی حالات میں قومی قیادت کے بھی عزم و حوصلے' عقل و دانش' دیانت و اخلاص اور قوت فیصلہ کی آزمائش ہوتی ہے' افسوس کہ اس وقت کی "منتخب جمہوری حکومت" قومی زندگی کے اس نازک موڑ پر پہنچتے ہی پھسل پڑی' اور شہید صدر مرحوم سے جن پر "آمریت" کی پھبتی کی جاتی ہے' اسلام دشمن طاقتیں جس طرح کا قومی تمیز کے خلاف فیصلہ ۹ سال میں نہ کرا سکی تھیں اب "منتخب جمہوری حکومت" سے ایک جھٹکے میں کروا لیا۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے' یورپ سے نہیں ہے

عام تاثر یہ ہے کہ سمجھوتے کے ڈیڑھ ماہ بعد ۲۹ مئی ۱۹۸۸ کو ___ جبکہ اس

سمجھوتے کے نافذ العمل ہونے میں ۶ دن باقی تھے   صدر مرحوم نے قومی وصوبائی اسمبلیاں توڑ کر جونیجو حکومت کی برطرفی کا جو سخت اقدام کیا اس کا ایک سبب اس سمجھوتے پر دستخط کرنا بھی تھا۔

O

ایک طرف جہاد افغانستان کے ثمرات کو بالکل ضائع کرنے کیلئے عالمی سطح پر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، دوسری طرف مجاہدین اس ساری صورت حال سے باخبر ہونے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر "فتح یا شہادت" کی خوددارانہ راہ پر تیز گام پیش قدمی کر رہے تھے۔

۱۵ مئی ۱۹۸۸ء سے روسی فوجوں کی افغانستان سے پسپائی شروع ہونے کے ساتھ ہی کمیونسٹ کابل افواج بھی اپنے مورچوں، چوکیوں اور چھاؤنیوں کو چھوڑ چھوڑ کر کابل اور دوسرے شہروں کو بھاگنے لگیں، جو مسلمان فوجی اب تک کمیونسٹوں کے جبر واستبداد سے خلاصی نہ پا سکے تھے ان کی بھی بہت بڑی تعداد موقع پا کر مجاہدین سے آملی اور اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اخبارات میں یہ خبریں روز کا معمول بن گئیں کہ آج فلاں فلاں چوکیوں سے کمیونسٹ فوج راتوں رات فرار ہو گئی، اور فلاں فلاں علاقے مجاہدین نے فتح کر لئے ہیں۔ کابل اور جلال آباد جیسے اہم شہروں پر بھی مجاہدین کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔

محاذ سے میرا جسم تو واپس آگیا تھا مگر دل و دماغ وہیں لگے ہوئے تھے۔ مختلف محاذوں سے آنے والے مجاہدین سے ملاقاتیں ہی سکون و اطمینان کا ذریعہ تھیں، جو اس زمانے میں کثرت سے ہوتی رہیں، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و حمایت کے جن حیرتناک واقعات کا مشاہدہ کر رہے تھے ان کو سن سن کر ایمان تازہ ہو جاتا۔ وللہ الحمد۔

پرندے ـــــ مجاہدین کا ریڈار

یہ سرفروش دنیا کی ظالم ترین سپر طاقت سے نبرد آزما ہیں ان کے پاس اب

تک بھی کوئی ایسا آلہ یا ریڈار وغیرہ نہیں ہے جس سے دشمن کے ہوائی حملوں کی پیشگی اطلاع مل سکے۔

میں نے کئی مجاہدین سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا یہ غیبی انتظام فرمایا، جو جگہ جگہ مشاہدے میں آیا کہ دشمن کے ہوائی حملے سے چند منٹ پہلے عجیب و غریب سفید پرندے ـــــ جو افغانستان میں پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے ـــــ ان کے غول کے غول مجاہدین کے مرکز پر آکر بیٹھ جاتے اور بے تحاشا شور مچاتے، یا مرکز کے اوپر فضا ہی میں شور کرتے ہوئے کئی کئی چکر کاٹ کر واپس چلے جاتے، ان کے جاتے ہی دشمن کے طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کا حملہ ہو جاتا۔ شروع شروع میں مجاہدین کو ان پرندوں اور ہوائی حملوں میں کوئی جوڑ محسوس نہ ہوا ـــــ

جب یہ واقعات کثرت سے پیش آئے تو رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ یہ تو اللہ رب العالمین نے ان بے سروسامانوں کو ہوائی حملوں کی اطلاع دینے کا عجیب و غریب انتظام فرمایا ہوا ہے اور ان پرندوں کو ریڈار کا نعم البدل بنا رکھا ہے، جب سے یہ بات مشہور ہوئی وہاں ان پرندوں کو پاس آکر شور مچاتے دیکھتے ہی خندقوں اور مورچوں وغیرہ میں چھپ جاتے ہیں اور دشمن کا ہوائی حملہ ناکام ہو جاتا ہے۔

جہاد افغانستان کی یہ عجیب و غریب کرامت ـــــ یاد پڑتا ہے ـــــ مجھے کمانڈر زبیر احمد صاحب نے بھی رمضان ۱۴۰۷ھ کی ملاقات میں بتائی تھی، لیکن ان سمیت جن حضرات نے یہ واقعات سنائے، میں ان سے یہ نہ پوچھ سکا تھا کہ یہ واقعہ ان کا چشم دید ہے یا سنا ہوا؟ ـــــ یعنی گواہ کی تلاش تھی، اسی دوران مولانا عبدالصمد میاں صاحب سے کثرت سے ملاقاتیں ہوئیں، جو پاکستان کے ان ۳ اول ترین مجاہدین میں سے ایک ہیں جو برادر ملک افغانستان پر روسی فوج کشی کی خبر سنکر ۱۷ فروری ۱۹۸۰ء کو کراچی سے انتہائی بے سروسامانی میں جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوئے تھے، اب وہ تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ماہنامے "الارشاد" (کراچی) کے مدیر ہیں ـــــ میں نے ان سے سفید پرندوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بھی تصدیق کی اور خود اپنے ساتھ گذرا ہوا واقعہ سنایا، وہ فرماتے ہیں:

کراچی چند گھنٹوں کیلئے آئے تھے اور تھوڑی دیر بعد محاذ پر واپس جانے والے تھے ـــــ اس غیر متوقع ملاقات کا لطف آج بھی محسوس ہوتا ہے ـــــ جو سامان پچھلے مہینوں کے دوران ہم نے محاذ پر بھیجا تھا اس پر خوشی کا اظہار کیا اور بتایا کہ وہاں کے بہت کام آ رہا ہے۔

انہوں نے بتایا: "دشمن کی چوکی" زامہ خولہ" پر ہمارے حملے جاری ہیں جب تک یہ چوکی فتح نہ ہو "ارغون چھاؤنی" پر حملے کا کوئی راستہ نہیں اس لئے آج کل ہمارے تمام حملے اسی چوکی پر ہو رہے ہیں جن کی شدت میں بڑا اضافہ ہو رہا ہے۔
لیکن یہ چوکی پوری کی پوری زمین دوز ہے ہمارے گولوں، راکٹوں اور میزائلوں سے ان کا کچھ جانی اور مالی نقصان تو ضرور ہوتا ہے جس سے وہ ہروقت ہراساں اور پریشان رہتے ہیں لیکن ان حملوں سے ہم اسے فتح نہیں کر سکتے۔ فتح کرنے کیلئے چوکی میں گھس کر بھرپور حملہ ضروری ہے۔ مشکل ترین مسئلہ بارودی سرنگوں کا ہے جو اس چوکی کے ہر طرف دور دور تک بچھی ہوئی ہیں چوکی تک پہنچنے کے جتنے راستے ممکن ہیں ان سب کو اور ارد گرد کے سارے ندی نالوں پہاڑیوں ٹیلوں اور میدانوں کو دشمن نے بارودی سرنگوں سے پاٹ رکھا ہے ان سے ہمارے کئی مجاہد شہید اور کئی شدید زخمی ہو کر ٹانگوں وغیرہ سے معذور ہو چکے ہیں۔ خصوصاً چوکی سے متصل تو چاروں طرف تاروں والی بارودی سرنگوں کی ۵ا گز چوڑی باڑھ لگی ہوئی ہے جس میں کہیں ایک قدم رکھنے کی گنجائش نہیں ـــــ تاہم باروود کے یہ ذخیرا انشاء اللہ اب دیر تک حائل نہیں رہ سکیں گے۔ ساتھیوں کی بے پناہ خواہش ہے کہ انہیں اسی حال میں اجازت مل جائے تو وہ جانوں پر کھیل کر بارودی سرنگوں کی اس باڑھ میں گھس جائیں اس طرح کئی ساتھی شہید تو ضرور ہوں گے مگر یہ بھی یقین ہے کہ کچھ ساتھی پھر بھی اسے عبور کر کے چوکی میں جا گھسیں گے"۔

پھر کمانڈر صاحب نے قدرے تلملاتے ہوئے کہا: "لیکن صوبہ پکتیکا کے افغان کمانڈر مولانا ارسلان رحمانی صاحب نے اپنی شفقت کے باعث ابھی تک ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بہرحال تیاری تیزی سے جاری ہے ارغون کے محاذ پر جتنی مجاہد تنظیموں کے مراکز ہیں ان سب سے رابطہ ہے اور یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ حملہ ساری

تنظیمیں مل کر مشترکہ منصوبہ بندی سے کریں گی۔ چوکی زامہ تولہ کو فتح کرنے کے بعد انشاء اللہ ارغون چھاؤنی کی فتح آسان ہو جائے گی"۔

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "دشمن ابھی تک یہ توقع کرتا ہے کہ اس پر بھرپور حملہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس نے حال ہی میں ایک خطرناک چال چلی کہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ پاکستان کے بعض سرحدی آزاد قبائل میں بہت سے لوگوں کو نقدی، کلاشنکوفیں اور دیگر اسلحہ دے کر مجاہدین کے خلاف کھڑا کر دیا اور ایک دن تخریب کاروں کا ایک گروہ ان علاقوں سے سرحد پار کر کے ارغون کی طرف روانہ ہوا تاکہ ارغون چھاؤنی کی فوج کے ساتھ مل کر اس کی قوت میں اضافہ کرے۔ مولانا ارسلان رحمانی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے حکم پر مجاہدین راستوں پر مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے۔ مقابلہ ہوا اور کیمونسٹوں کے کئی ایجنٹ مارے گئے، ۳۰ کو ہم نے گرفتار کر لیا مگر ان کا ایک گروہ ارغون پہنچ گیا۔ یہ قبائلی مسئلہ ہے اور مجاہدین کے لئے خاصا پریشان کن ہے۔ آج کل ہم اسے بھی سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔"

کمانڈر صاحب نے بتایا کہ ایک کام ہم نے یہ شروع کیا ہے کہ اپنے نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمن فاروقی کی قیادت میں چیدہ چیدہ ساتھیوں کو چوکی زامہ تولہ کے انتہائی قریب جا کر چوکی کے نقشے بنانے، مورچے کھودنے اور بارودی سرنگیں صاف کرنے پر مقرر کیا ہے۔ کوشش یہ ہے کہ بھرپور حملے سے پہلے ایک دو راستوں کو بارودی سرنگوں سے کسی حد تک صاف کر دیا جائے۔ یہ کام راتوں کو چھپ چھپ کر بہت احتیاط سے کرنا پڑتا ہے۔ ساتھی اس خطرناک کام کو بڑی جانفشانی اور مہارت سے انجام دے رہے ہیں۔

کمانڈر صاحب میرے پاس سے اٹھنے لگے تو وہیں رکتے ہوئے اس سامان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو ہم نے محاذ پر بھیجنے کیلئے مدرسہ میں جمع کیا تھا۔ اس میں گرم بوٹ، پوستینیں، جیکٹیں وغیرہ تھیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ ایک دو روز میں انشاء اللہ مزید کچھ سامان جمع ہو جائے گا تو جلدی آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

آپ کے پاس بھیج کر دلی معانقہ کرنے کے لئے میں نے ان کے دونوں ہاتھ

صدر ضیاء الحق اور جہاد افغانستان

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو برسر اقتدار آئے۔ اس کے صرف پونے دس ماہ بعد ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو افغانستان میں کمیونسٹ لیڈر "نور محمد ترہ کئی" نے صدر داؤد خان کو قتل کر کے "انقلاب ثور" کے نام سے کمیونسٹ انقلاب برپا کر دیا۔ جس کے صرف دس روز بعد جہاد افغانستان کا آغاز ہو گیا ——
کمیونسٹ انقلاب کے خونیں پنجے گاڑنے کیلئے جب ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو روسی فوجیں افغانستان میں آگھسیں اور ببرک کارمل کو صدارت کے تخت پر براجمان کر دیا تو یہاں کے مسلمان "فتح یا شہادت" کا عزم لے کر اس طوفان سے بھی ٹکرا گئے اور افغانستان کی بستی بستی اور گاؤں گاؤں سراپا جہاد بن گیا۔ بقول بھائی جان مرحوم

وہی ہیں مرد جن پر یاس کے سایے نہیں پڑتے
وہ بڑھ کر تند طوفانوں سے ٹکرایا ہی کرتے ہیں

افغانستان کا دینی پس منظر

"زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن" کی یہ کربناک صورت حال پوری امت مسلمہ کیلئے بہت بڑا چیلنج تھی کیونکہ افغانستان ایسا خطہ ہے جہاں پونے چودہ سو سال سے مسلمانوں کا اقتدار سایہ فگن چلا آرہا ہے۔ یہاں اسلام کی شمع رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام حضرت عبدالرحمن بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت ابورفاعہ العدوی رضی اللہ عنہم نے اپنی مقدس جانوں کی بازی لگا کر روشن کی تھی، اور جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مایہ ناز رفقاء نے اسلامی احکام کی ترویج و اشاعت اور اسلام کے عادلانہ قوانین نافذ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

یہیں آنحضرت ﷺ کے خادم خاص حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔
اس سرزمین کو مکحول، ضحاک بن مزاحم، عطاء بن ابی السائب، مقاتل بن حیان، عطاء بن ابی مسلم خراسانی بلخی، اور سعید بن ابی سعید المقبری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل

اللہ و تابعین کا وطن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

یہیں امام ابوداؤد سجستانی (صاحب السنن) ابوحاتم ابن حبان البستی، امام بغوی اور علامہ خطابی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث وفقہ پروان چڑھے۔

اسی مردم خیز سرزمین نے حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت حاتم اصم اور مولانا جلال الدین رومی (صاحب مثنوی) مولانا عبدالرحمن جامی رحمہم اللہ جیسے محقق صوفیائے کرام اور اولیائے عظام پیدا کئے۔

یہی ابوسلیمان الجوزجانی اور ابوجعفر الہندوانی رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے فقہاء مجتہدین کا مسکن رہا۔

یہیں سے حضرت مقاتل بن سلیمان جیسے ائمہ تفسیر، اخفش جیسے ائمہ ادب ولغت، فردوسی جیسے شعراء، امام رازی جیسے متکلمین اور ابوریحان البیرونی جیسے مسلم سائنس دان ابھرے اور دنیائے علم وفن پر چھا گئے۔

اسی سرزمین کے ایک نقیب ونواز محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کی شجاعت اور جود وجلال کی داستانیں ثبت ہیں۔[1]

اس پورے ملک کی پوری آبادی (سوائے اسماعیلی فرقے کے، اور سوائے کمیونسٹوں کے، جو حالیہ دور کی پیداوار ہیں) قبول اسلام کے وقت سے نسلاً بعد نسل مسلمان چلی آرہی ہے، اور اب بھی مسلمانوں کی تعداد ۹۹ فیصد سے زیادہ ہے۔

پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہ عظمت اسلام ہے یہ سرزمیں

---

[1] مشاہیر افغانستان کے یہ اسماء گرامی یہاں محض نمونے کے طور پر درج کئے گئے ہیں ورنہ افغانستان کی عظیم دینی شخصیات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے صرف ناموں کی فہرست بھی ایک مستقل رسالہ کی ضخامت اختیار کر لے گی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو [illegible] کی کتاب "افغانستان میں [illegible]" ص [illegible] آخر کتاب [illegible] دیکھئے [illegible]

کمیونزم کی خونیں یلغار

اسلام کے پروانوں اور جان نثاروں کی اس مایہ ناز سرزمین پر اب دنیا کا بدترین کفر "کمیونزم" اپنے خونیں پنجے گاڑ رہا تھا اور اپنا منحوس اقتدار مسلط کرنے کیلئے ظلم و ستم، وحشت و بربریت اور دجل و فریب کا ہر حربہ استعمال کر رہا تھا۔ وہ کمیونزم جو اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے اور انسانیت کا بھی ـــــ افغانستان میں آگ اور خون کا بازار گرم تھا، مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا جا رہا تھا، ان کی بستیوں کو روسی ٹینک اور طیارے ملبوں کا ڈھیر بنا رہے تھے۔ پاک دامن خواتین کی عصمتیں لٹ رہی تھیں، قرآن کو نجاستوں میں پھینکا اور پاؤں تلے روندا جا رہا تھا، مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں پر بلڈوزر چلائے جا رہے تھے[۱] بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی دل دوز چیخوں اور سسکیوں سے حشر برپا تھا ـــــ ان کربناک حالات میں قرآن کریم کا یہ فرمان امت مسلمہ کو پکار رہا تھا :

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ
هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا" ۱

"اور تم کو کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعا کر رہے ہیں کہ

---

[۱] ثور انقلاب کے بعد یہ سب واقعات کثرت سے پیش آتے رہے۔

"اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال لے جس
کے رہنے والے (کفار) ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو
ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار
بنا۔" (النساء آیت ۷۵)

پاکستان کی کڑی آزمائش

قرآن کریم کا یہ خطاب یوں تو پوری امت مسلمہ سے تھا لیکن پاکستان اور ایران کے مسلمان اس کے سب سے پہلے مخاطب تھے کہ مسلم افغانستان پر یہ قیامت انہی کے پڑوس میں ڈھائی جا رہی تھی۔ پاکستان کیلئے یہ اور بھی کڑی آزمائش اس لئے تھی کہ اس صورت حال سے خود پاکستان کی سلامتی کو انتہائی شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کیونکہ روسی فوجیں افغانستان میں اسے راستے کی ایک منزل سمجھ کر داخل ہوئی تھیں۔ روس کا اصل نشانہ پاکستانی بلوچستان اور اس کا گرم سمندر تھا جس کے ذریعہ وہ مشرق اوسط کے تیل تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اس پس منظر میں پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب پر جو بھاری اور نازک ذمہ داری آ پڑی تھی، وہ ان کے ایمان کا بھی کڑا امتحان تھا، جرأت و شجاعت کا بھی، اور سیاسی تدبر و فراست کا بھی ____ حالات ایسے تھے کہ وہ روس جیسی سپر طاقت سے براہ راست جنگ مول لیتے تو پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کو منہ مانگی مراد مل جاتی، وہ موقع غنیمت جان کر مشرق اور جنوب سے پاکستان پر حملہ آور ہو جاتا۔ اور پاکستان و افغانستان دونوں ہی عالمی طاقتوں کا میدان جنگ بن جاتے ____ خاموش تماشائی بنے رہنا بھی ایمانی غیرت، اسلامی فریضے اور سیاسی تدبر کے منافی تھا، کیونکہ کفر اور روسی فوجوں کا قبضہ اگر آج مسلم افغانستان پر برداشت کر لیا جاتا تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوتا کہ کل ہمیں کمیونزم کے اس طوفان کے پاکستان میں گھس آنے پر بھی کوئی خاص اعتراض نہیں ہو گا۔

لہٰذا نجاست کے اس بھیانک طوفان کو صرف ڈیورنڈ لائن (پاک افغان سرحد)

پر روکنا کافی نہ تھا بلکہ اسے افغانستان سے پرے دھکیل کر اس کے سامنے مضبوط بند لگانا ضروری تھا ـــــ اس شرعی فریضے کو نظر انداز کرنا قومی خودکشی کے مترادف ہوتا کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

جہاد میں صدر ضیاءؒ کے کارنامے

اس خطرناک دوراہے پر صدر محمد ضیاء الحق صاحب شہید نے ایک درمیانی راہ نکالی اور اس پر احتیاط سے مردانہ وار بڑھتے چلے گئے۔ اس راستے سے انہوں نے دنیا کو عالمی جنگ سے دوچار کئے بغیر مجاہدین اور جہاد افغانستان کیلئے وہ عظیم قوت فراہم کی جو جنگ میں براہ راست داخل ہو کر بھی نہ پہنچائی جا سکتی تھی۔

(۱) انہوں نے جہاد افغانستان کیلئے پوری دنیا اور خصوصاً عالم اسلام کے ضمیر کو جھنجوڑا، انہوں نے دلسوزی کے ساتھ دلیل و برہان سے ان کو بتایا کہ مجاہدین صرف افغانستان کی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں، اس موقع پر ان کی موثر حمایت اور بھرپور امداد نہ کی گئی تو کمیونزم کے اس ناپاک سیلاب کو مشرق وسطیٰ تک پہنچنے سے نہیں روکا جا سکے گا ـــــ اس کام کیلئے صدر مرحوم نے اقوام متحدہ، مسلم سربراہی کانفرنس، اور ہر عالمی تنظیم اور فورم کو بڑی قابلیت اور خود اعتمادی سے استعمال کیا، اور اپنے سفارتی ذرائع کو اس مہم پر لگا دیا ـــــ اس طرح وہ مجاہدین کیلئے پوری دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور روس کو یکہ و تنہا چھوڑ دینے میں کامیاب ہو گئے۔

(۲) انہوں نے عالم اسلام اور دیگر ممالک سے مجاہدین کو امداد دلوانے اور اسے مجاہدین تک پہنچانے میں انتہائی فعال، ہمدردانہ اور باوقار روش اختیار کی، اور امریکہ آخر تک ان سے اپنی تمام تر امداد کے معاوضے میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کرا سکا جو اس مقدس جہاد کے اغراض و مقاصد کے خلاف ہوتا ہے ـــــ حتیٰ کہ صدر مرحوم اور ان کے رفیق خاص جنرل اختر عبدالرحمن شہید نے، جو اس وقت آئی ایس آئی کے سربراہ تھے، امریکہ کو پوری

کوشش کے باوجود مجاہدین سے براہ راست رابطہ رکھنے کی بھی اجازت نہ دی تاکہ امریکی سی آئی اے اپنے ایجنٹ افغانستان میں گھسانے میں کامیاب نہ ہو جائے اور مجاہدین کو بلیک میل نہ کر سکے۔

(۲) انھوں نے ان مسلم رضاکاروں کیلئے پاکستان کے دروازے کھول دیئے جو جہاد میں حصہ لینے کیلئے مختلف ممالک سے آ رہے تھے۔ چنانچہ سرزمین افغانستان کی ایک ایک انچ کو آزاد کرنے کیلئے مجاہدین نے اپنے خون کا جو نذرانہ پیش کیا اس میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مصر، اردن، عراق، ترکی، فلسطین، تیونس، الجزائر، پاکستان، ایران، بنگلہ دیش، برما، سری لنکا، فلپائن اور انڈونیشیا تک کے مسلم رضاکاروں کا خون شامل ہے
خصوصاً عربوں کی روایتی شجاعت کی ولولہ انگیز داستانیں تو افغانستان کے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

(۳) افغان مجاہدین کی تنظیموں میں جہاد کے ابتدائی دور میں شدید اختلاف و انتشار تھا، ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ ایک تنظیم یا ایک قبیلے نے دوسرے پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین کی یہ خانہ جنگی اس جہاد کو سبوتاژ کر سکتی تھی ____ یہ ضیاء الحق صاحب، جنرل اختر عبدالرحمن شہید اور ان کے مخلص رفقاء ہی کا کارنامہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان مختلف گروپوں اور تنظیموں کو متحد اور یک جان کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چھوٹی چھوٹی تنظیمیں بڑی بڑی جماعتوں میں ضم ہو گئیں اور بڑی بڑی سات جماعتوں کا ایک مرکز "سات جماعتی اتحاد" کے نام سے وجود میں آیا جس نے باہمی مشورے سے افغانستان کی ایک مجوزہ جمہوری حکومت کی تشکیل کی اور انجینئر احمد شاہ کو متفقہ طور پر اس مجوزہ جمہوری حکومت کا صدر منتخب کر لیا۔ صدر ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمن کی شہادت تک ان تنظیموں میں کوئی انتشار نظر نہ آتا تھا اور ماضی کی رنجشیں "قصہ پارینہ" بن چکی تھیں۔

(۵) وہ اور جنرل اختر عبدالرحمن شہید افغان مجاہدین کے بھائی، ان کے دکھ درد کے ساتھی تو تھے ہی، اس جہاد میں ان کے قابل اعتماد مشیر و رہنما بھی تھے، وہ خود سپاہی، سپہ گر

اور سپہ سالار تھے ان کے مشوروں سے افغان رہنما خوب استفادہ کرتے رہے ۔۔۔۔
مجھ سے صدر ضیاء الحق شہید کے بڑے صاحبزادے جناب اعجاز الحق نے بیان کیا کہ انھیں افغان رہنماؤں نے بتایا کہ ہم صدر ضیاء الحق صاحب کے پاس بسا اوقات رات کے ۳ - ۴ بجے تک بیٹھے رہتے افغانستان کا نقشہ سامنے ہوتا' وہ اس کی مدد سے ہمیں اہم فوجی نوعیت کے فنی مشورے دیا کرتے تھے ۔

(۶) مجاہدین کیلئے مشکل ترین مسئلہ اپنے بال بچوں کی حفاظت اور ان بے خانماں لاکھوں مہاجرین کو پناہ دینے کا تھا' جو کیمونسٹوں کی بربریت کا نشانہ بن کر پاکستان کا رخ کر رہے تھے ' ضیاء الحق شہید نے مجاہدین کو اس معاملہ میں بے غم کر دیا' افغان مہاجرین کیلئے پاکستان کے دروازے چوپٹ کھول دیئے انھیں نہ صرف پناہ دی بلکہ یہ احساس بھی نہ ہونے دیا کہ وہ کسی اجنبی ملک میں آگئے ہیں' پاکستان کے مختلف علاقوں میں ان کیلئے کیمپ قائم کر کے ہر قسم کی ضروریات مہیا کی گئیں' وہ کیمپ دیکھتے ہی دیکھتے اچھے خاصے قصبے اور شہر بن گئے ایسا ہی ایک شہر پشاور کے قریب "پبی" ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر میں نے بھی دیکھا ہے اس شہر کی ایک خصوصیت مجھے یہ بتائی گئی کہ یہاں بجلی مفت فراہم کی گئی ہے' ممکن ہے مہاجرین کی دوسری بستیوں میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہو' یہ ایسی رعایت ہے جو کسی پاکستانی کو بھی حاصل نہیں ۔۔۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود ان مہاجرین پر یہ پابندی نہیں لگائی گئی کہ وہ انہی کیمپوں میں رہیں بلکہ مکمل آزادی دی گئی کہ وہ پاکستانیوں کی طرح جس شہر میں چاہیں رہیں اور ملازمت' مزدوری اور کاروبار کریں۔[1]

(۷) انھوں نے افغانستان کی سرحد تک جانے والے کئی دشوار گزار کچے پہاڑی راستوں

---

[1] لیکن اس آزادی سے جہاں ان ستم رسیدہ مہاجرین کو عظیم الشان فائدہ پہنچا وہیں کچھ تخریب کار انتہا پسند کی خفیہ دہشت گرد تنظیم "خاد" نے بھی پورا فائدہ اٹھایا' اس کے دہشت گرد جو روس کے تربیت یافتہ تھے' مہاجرین کے بھیس میں پاکستان کے شہروں میں پھیل گئے' اور انھوں نے دہشت گردی' منشیات فروشی' اور تخریب کاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا' جس سے پاکستان میں بہت سے معاشرتی اور سیاسی مسائل پیدا ہوگئے اس طرح ان ایجنٹوں نے ایک طرف تو پاکستان کو شدید نقصانات سے دوچار کیا دوسری طرف ستم رسیدہ افغان مہاجرین کو بھی بدنام کیا۔ رفیع

کو پختہ سڑک میں بدل دیا جس سے مقامی آبادی کی مشکلات بھی کم ہوئیں اور مہاجرین و مجاہدین کیلئے آمد و رفت آسان ہو گئی۔

(۸) انہوں نے زخمی مجاہدین و مہاجرین کو معیاری علاج اور معذور ہو جانے والوں کو مصنوعی اعضاء فراہم کرنے کیلئے بعض مسلم ممالک کے تعاون سے کئی ہسپتال اور ادارے پاکستانی سرحد کے نزدیک قائم کئے' جو ان ستم رسیدہ مسلمانوں کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔

(۹) انہوں نے ہر اہم موقع پر افغان بھائیوں کی بھرپور وکالت کی' ان کے حوصلوں کو بڑھایا' اور بلند رکھا' انہیں یہ اچھی طرح محسوس کروا دیا کہ وہ اس جہاد میں تنہا نہیں' پاکستان اور یہاں کے عوام ان کے دکھ درد میں سب سے زیادہ شریک ہیں۔

یہ تو جہاد افغانستان کے سلسلہ میں ضیاء شہید اور ان کے رفقاء کے وہ کارنامے ہیں جو سرسری انداز میں نوک قلم پر آ گئے اور جن سے ہر وہ شخص واقف ہو گا جو اس جہاد سے دلچسپی اور اس کے متعلق ضروری معلومات رکھتا ہو ____ اور بھی نہ جانے کتنے کارنامے ہوں گے جو میرے علم میں نہیں آئے ____ اور بہت سے کارنامے تو شاید صیغہ راز میں ایسے ہوں جو کبھی بھی مورخ کی دسترس میں نہ آ سکیں گے ____ غرض بقول بھائی جان مرحوم

کاروان شوق ہر منزل سے آگے بڑھ گیا
میری ہر منزل غبار رہ گذر ہوتی گئی

نظروں کا تارا ____ کچھ آنکھوں کا کانٹا

اس مومنانہ اور مدبرانہ ان تھک جد و جہد کی بدولت صدر ضیاء الحق اتحاد عالم اسلامی اور جہاد افغانستان کی علامت بن گئے تھے' وہ امت مسلمہ کی ہمدردیاں اور مالی امداد خود پاکستان کیلئے بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے' اور عالم اسلام میں پاکستان کا وقار بلند تر ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ افغانی سرحد سے متصل پاکستانی علاقوں صوبہ سرحد اور بلوچستان

میں کئی ملکوں کے اہلِ خیر مسلمانوں اور تنظیموں نے دل کھول کر ترقیاتی اور رفاہی کاموں میں نجی طور پر بھی مالی تعاون کیا۔ ___ اور صدر ضیاء ان جرات مندانہ اور مجاہدانہ کارناموں کی بدولت عالمِ اسلام کی نظروں کا تارا بنتے چلے گئے ۔

جنہیں آتا ہے مرنا اپنی عزت اور اصولوں پر
وہ اپنی برتری دنیا سے منوایا ہی کرتے ہیں
(حضرت کلیم)

جہادِ افغانستان جوں جوں کامیابی کے مراحل طے کر رہا تھا' روس کو اپنی سیاسی اور فوجی موت قریب ہوتی نظر آ رہی تھی' بھارت کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی' روس کی ہمدردی میں افسوس ہے کہ لیبیا بھی پیش پیش تھا' ان طاقتوں نے جتنا زور جہادِ افغانستان کو بدنام کرنے میں صرف کیا' اتنا ہی زور وہ پاکستان اور صدر مرحوم کو بدنام کرنے کیلئے لگاتی رہیں ۔ پاکستان کو طرح طرح کی اندرونی سازشوں اور تخریب کاروں کا نشانہ بنایا گیا' پی آئی اے کا طیارہ اغوا کرایا گیا' پاکستان کے بڑے شہروں میں بموں کے دھماکے اور تخریب کاریاں روز کا معمول بن گئیں' خود ضیاء الحق شہید کے طیارے پر کئی بار حملے کئے گئے' روسی اور بھارتی لابی نے صدر مرحوم کو اپنی بے ہودہ تنقید و ستم کا نشانہ بنا کر پاکستانی عوام کو جہادِ افغانستان کے خلاف ورغلانے اور روس کے غیظ و غضب سے ڈرانے کی جان توڑ کوشش کی ___ لیکن ضیاء شہید کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا' وہ چٹان کی طرح جمے اور پھول کی طرح مسکراتے رہے ۔

وہ بڑے بڑے کام نہایت خاموشی سے کر گزرنے کے عادی تھے' انہیں کریڈٹ لینے کا جنون نہ تھا' عوامی سطح پر جہادِ افغانستان کے بارے میں بہت کم بولتے تھے' لیکن جب دشمنوں کی تخریبی کارروائیوں سے عوام میں ہراس پیدا ہونے لگتا تو ان کی محبت بھری پُراعتماد اور ولولہ انگیز آواز سنائی دیتی کہ :

" یہ ہمیں اپنی افغان پالیسی کی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے' قوموں

کو اپنے اعلیٰ مقاصد کیلئے اس سے بھی زیادہ قربانیاں دینی پڑتی
ہیں ان کارروائیوں کے ذریعہ ہمیں اپنے اصولوں سے نہیں
ہٹایا جا سکتا۔"

اس آواز کی گونج پاکستان کے راسخ العقیدہ عوام کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں سنائی دیتی اور دشمن اسلام کے سارے تار و پود بکھر کر رہ جاتے۔ عوام کا یہ عزم پھر تازہ ہو جاتا۔

یہ فتنہ و شر کے پروردہ تخریب کا ساماں لاکھ کریں
ہم بزم سجانے آئے ہیں ہم بزم سجا کر دم لیں گے
(حفیظ کیفیؔ)

امریکہ روسی فوجوں کے خلاف اپنے سیاسی مفادات کی خاطر مجاہدین کو امداد دینے پر مجبور تھا اور ضیاء الحق صاحب کو راضی رکھنا بھی اس کی مجبوری تھی ــــ پھر جیسے ہی روس نے اپنی فوجیں افغانستان کی سرزمین سے نکالنے کا فیصلہ کیا امریکہ نے ایک دن ضائع کئے بغیر اس سے مجاہدین کے خلاف سمجھوتہ کر لیا تاکہ اس جہاد کے سارے ثمرات خود سمیٹنے کیلئے یہاں مجاہدین کی حکومت کو قائم ہونے سے روکا جا سکے۔ ضیاء صاحب کے ہوتے ہوئے مجاہدین کے خلاف کوئی کارروائی پاکستان کے راستے سے کرانا ممکن نہ تھا اس لئے اب ضیاء شہید کا وجود امریکہ کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک رہا تھا۔

اس جہاد کے عالمی اثرات اور دشمنوں کے اندیشے

اسلام دشمن طاقتیں پوری شدت سے محسوس کر رہی تھیں کہ اگر جہاد افغانستان کامیاب ہو گیا اور پورے افغانستان میں مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو:

۱ ــــ پاکستان اور افغانستان یک جان دو قالب ہو کر عالم اسلام کی ایک طاقت بن جائیں گے جس پر دشمن طاقتوں کو اپنا دباؤ قائم رکھنا ممکن نہ رہے گا بلکہ ایران اور ترکی ان کے

ساتھ مل گئے تو مضبوط اسلامی بلاک کی داغ بیل بھی پڑ سکتی ہے۔

۲۔ عالم اسلام جو جہاد کا سبق بھلا کر بڑی طاقتوں کے سامنے کاسہ لیسی کی زندگی گذار رہا ہے اسے اس بھولے ہوئے سبق کی حیرت انگیزی کا عملی آنکھوں مشاہدہ ہو جائے گا۔ اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی، حوصلے بلند ہوں گے اور پوری مسلم دنیا میں حقیقی آزادی کی لہر جاگ اٹھے گی۔

۳۔ روس کی مقبوضہ اسلامی ریاستوں میں آزادی کی جو لہر جہاد افغانستان کے نتیجے میں ابھر رہی ہے وہ طوق غلامی کو توڑ پھینکے گی اور عالم اسلام کو ناقابل تسخیر بنا دے گی۔

۴۔ فلسطین کا جہاد جو "عرب قومیت" کی نذر ہو گیا تھا وہ اب "مسلم قومیت" کی بنیاد پر قوت مذہبی بن کر ابھرے گا۔ مسلمانان عالم اپنے قبلہ اول کو آزاد کرانے کیلئے جہاد میں افغانستان کے نقش قدم پر چل کھڑے ہوں گے۔

۵۔ پاکستان کے خلاف "پختونستان" کا مسئلہ جو اس کے دشمنوں نے پال رکھا ہے ہمیشہ کیلئے دفن ہو جائے گا۔

۶۔ مسلمانان کشمیر بھی افغان مجاہدین کی پیروی کرتے ہوئے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں گے اور ہندوؤں کی غلامی کا منحوس طوق اپنے گلوں سے نکال پھینکنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔

۷۔ ضیاء الحق اس دور کے مقبول ترین اور کامیاب ترین مسلم حکمران ثابت ہوں گے۔ مسلم دنیا کی اہم قوتیں دو بنیادی مسائل پر ان کے گرد جمع ہو جائیں گی۔ انہیں اکٹھا ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی اور اسلام کے عادلانہ نظام حیات کے نفاذ کی راہ میں بھی کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اثر انداز نہ ہو سکے گی۔

۸۔ بیرونی قوتوں کا رعب اور بھرم جاتا رہے گا اور جو مظلوم اقوام دشمنوں کے پنجہ استبداد یا پرفریب جال میں گرفتار ہیں وہ بھی غلامی کے اس جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں گے۔

۹۔ جہاد کی ایک خصوصیت   نے دشمن طاقتیں تاریخ کے حوالے سے خوب

جانتی ہیں ـــــ یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں آزادی اور جہاد کی سپرٹ پیدا ہو جاتی ہے تو ان کی باہمی رنجشوں اور رقابتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے ـــــ چنانچہ عالم اسلام کے اتحاد کو یہ سپر طاقتیں دنیا پر اپنی چودھراہٹ جمائے رکھنے کیلئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتی ہیں اور اس خطرے کے بارے میں اتنی حساس ہیں ان کا بس چلے تو یہ بھی اگر عالمی سیاست پر نظر آنے لگے، تو اس کے سدباب کیلئے بڑے سے بڑا گھناؤنا جرم کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتیں ـــــ جہاد افغانستان کی اوٹ میں ان کو "یہ سب سے بڑا خطرہ" صاف دکھائی دے رہا تھا ـــــ اور صورت حال ایسی بن گئی تھی کہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے

جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

"جہان نو" کے یہ امکانات، جن کی طرف مظلوم انسانیت اور خصوصاً عالم اسلام کی پرامید نگاہیں لگی ہوئی تھیں، امیدوں کے وہ چراغ تھے جنہیں جہاد افغانستان کے ۱۵ لاکھ شہیدوں نے اپنے خون سے روشن کیا تھا ـــــ مگر انسانیت دشمن طاقتیں ان امکانات کی اصل جڑ، جہاد افغانستان کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچنے سے روکنے پر تلی ہوئی تھیں۔

اس مشترک مقصد کیلئے انہوں نے پہلے قدم کے طور پر ایک کامیابی تو پاکستان پر "جنیوا سمجھوتہ" مسلط کر کے حاصل کر لی تھی، لیکن مزید پیش رفت کی راہ میں جہاں مجاہدین کا آہنی عزم و استقلال حائل تھا، وہیں ایک بڑا سنگ گراں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی پرعزم مدبرانہ شخصیت تھی، جس کو ہٹائے بغیر پاکستان کی راہ سے مجاہدین کے خلاف کسی کارروائی کا امکان نہ تھا، بلکہ صدر مرحوم نے جب ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو "جونیجو حکومت" کو برطرف کر دیا، تو مغربی سیاسی مبصرین اشاروں میں "اس اندیشے" کا اظہار بھی کرنے لگے تھے کہ اب صدر ضیاء کسی وقت "جنیوا سمجھوتے" کی منسوخی کا بھی اعلان کر سکتے ہیں۔

خونی ڈرامے کی تیاری

جہاد افغانستان کو سبوتاژ کرنے اور پاکستان کو اس کے بنیادی نظریے "مسلم قومیت" اور "نفاذ اسلام" سے ہٹانے کیلئے ان طاقتوں کی اب سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ صدر مرحوم کی مضبوط شخصیت کو راستے سے ہٹا کر پاکستان میں "جمہوریت" کے پرفریب نام پر ایسی ضعیف وکمزور حکومت قائم کرا دی جائے جو ان طاقتوں کے رحم وکرم پر رہے اور ان کے اشاروں پر چل سکے ___ چنانچہ بھارتی، روسی اور مغربی ذرائع ابلاغ نے مئی ۱۹۸۸ء کے بعد سے پاکستان، پاکستانی فوج اور صدر ضیاء الحق مرحوم کے خلاف زہر اگلنے کی مہم کو تیز تر کر دیا، پاکستان میں ان کی ایجنسیاں اور زیادہ سرگرم عمل ہو گئیں ___

ایک طرف اسلام دشمن طاقتیں اور ان کی ایجنسیاں یہ مہم پوری مستعدی سے چلا رہی تھیں، دوسری طرف پاکستان کے سیاسی کھلاڑیوں کا وہ گروہ جسے صرف حقیقی اور خود غرضانہ' یا محض سیاست کا مرض لاحق ہے، وہ عالمی حالات اور اسلامی مفادات سے کان اور آنکھیں بند کر کے ان کی لے میں لے ملا رہا تھا۔ جس اگست (۱۹۸۸ء) کی ۱۷ تاریخ کو صدر مرحوم کی شہادت کا سانحہ پیش آیا، اس کی ۲ تاریخ تک ان کے خلاف دھمکیوں اور الزامات کی یہ مہم اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی "اندر اور باہر کے اس پروپیگنڈے کا مربوط انداز غمازی کر رہا تھا کہ کسی خونی ڈرامے کا سٹیج تیار کیا جا رہا ہے" اس میں پاکستان کے وہ کئی عاقبت نا اندیش نام نہاد سیاسی لیڈر بھی شامل تھے جنہیں غالباً خود یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس "خونی ڈرامے" کی تیاری میں حصہ لے رہے ہیں ___

پیادہ تو ہے بچارہ، اک مہرہ ناچیز!
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے، شاطر کا ارادہ

صدر ضیاء الحق کی شہادت

بالآخر صدر مرحوم کو ان کے لائق ترین رفقاء کے ساتھ ایک پراسرار سازش

کے ذریعہ اس طرح اچانک شہید کردیا گیا کہ دنیا پر حیرت اور عالم اسلام پر سکتہ سا چھا گیا' کروڑوں مسلمانوں کے دل بے چین' زبانیں گنگ اور احساسات منجمد ہو کر رہ گئے۔

صدر مرحوم بدھ ۴ محرم ۱۴۰۹ھ' ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح کو پاک فضائیہ کے طیارے "سی-۱۳۰" میں بہاولپور گئے تھے' جہاں انہوں نے فوجی یونٹوں کا معائنہ اور نئے امریکی ٹینک کے تجربات کا مشاہدہ کیا' نماز ظہر باجماعت ادا کی اور سہ پہر کو ۳ بجکر ۴۶ منٹ پر' جب وہی طیارہ انہیں اور ان کے رفقاء کو لے کر' بہاولپور ایئرپورٹ سے اسلام آباد واپس جانے کیلئے فضاء میں بلند ہوا' تو صرف ۵ منٹ کے اندر ایئرپورٹ سے ۸ میل کے فاصلے پر گر کر پاش پاش ہوگیا' طیارے میں سوار کل تیس افراد میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا!

اس اندوہناک سانحہ میں صدر مرحوم کے ساتھ ان کے دست راست "جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل اختر عبدالرحمٰن جو پہلے تک آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے جہاد افغانستان کے روح رواں تھے' اور چیف آف جنرل اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل محمد افضال بھی شہید ہوگئے۔ نیز طیارے کے عملے کے تمام ارکان سمیت' پاکستانی فوج کے ۳ میجر جنرل' ۵ بریگیڈیئر' ایک کرنل' ایک اسکواڈرن لیڈر اور ایک نائب صوبیدار بھی ساتھ شہید ہوئے' ان میں صدر شہید کے پریس سیکریٹری' بریگیڈیئر جناب صدیق سالک' ملٹری سیکریٹری بریگیڈیئر جناب نجیب احمد' اور صدر کے اے-ڈی-سی اسکواڈرن لیڈر جناب راحت مجید صدیقی بھی شامل تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جہاز کی تقریباً ہر چیز جل گئی' لیکن قرآن مجید کا وہ نسخہ جو سفر میں صدر مرحوم کے ساتھ رہتا تھا' اور ایک دو کتابیں جو اس سفر میں ساتھ تھیں' سالم رہیں۔[1]

غرض! یہ قوم کے نامور سپوت اور پاکستانی بہادر افواج کے قابل فخر ارکان جو اپنے عظیم سپہ سالار سمیت سب کے سب وردیوں میں تھے' جہاد ہی کے سلسلہ کے اس

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی' مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۸۸ء ص ۱ کالم ۲

معجزہ[1] کر دکھایا ہے' میں بھلا آپ کی اس کارگزاری کا کیا صلہ دے سکتا ہوں' صرف اور صرف اللہ رب العزت آپ کو اس کی جزا دے گا" ___ اس بات میں یقیناً کوئی شک نہیں ہے کہ جنرل ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمن نے افغانستان میں روس کی شکست کو ایک معجزے کی طرح رونما کیا تھا' اور اگر روس کو اس جنگ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا' تو پھر ان دونوں حضرات کو راستے سے ہٹانا نہایت ضروری تھا۔

۱۹۷۹ء میں افغانستان میں ننگی روسی جارحیت کے بعد جنرل ضیاء نے جنرل اختر کو حکم دیا تھا کہ اس جنگ میں بھرپور طریقے پر مزاحمت کی جائے' سیکریٹ کیمپ قائم کئے جائیں' خفیہ سپلائی لائنز کے جال بچھا دیئے جائیں' مجاہدین کے لئے ٹریننگ کیمپ کھولے جائیں' اور تن من دھن کی بازی لگا کر ہر قیمت پر روسی افواج کا مقابلہ کیا جائے' افغانستان کے سات جماعتی اتحاد کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کیا جائے اور گوریلا مزاحمتی جتھوں (مجاہدین) کی ہر طرح مدد کی جائے ___ جلد ہی امریکہ سے سپلائی لائنز کو ہتھیار فراہم کئے جانے کو ایک مربوط اور منظم نظام کے ذریعہ منسلک کر دیا گیا۔ جنرل اختر نے اپنی ذہانت سے مجاہدین کی جنگ کو ایک زبردست حملہ آور قوت میں تبدیل کر دیا اور اس جنگ میں روسی بری طرح داغ کئے جانے لگے"

---

[1] یہ میں چونکہ اقتباس کے الفاظ بعینہٖ نقل کر رہا ہوں' اس لئے یہ لفظ بھی نقل کرنا پڑا' ورنہ سچی بات یہ ہے کہ لفظ "معجزہ" شریعت کا اصطلاحی لفظ ہے' جو صرف اس خارق العادت عجیب و غریب واقعہ پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کسی نبی کے ذریعہ ظہور میں آئے۔ غیر نبی کے ہاتھوں جو عجیب واقعہ رونما ہو' خواہ وہ کتنا ہی عجیب اور کتنا ہی بڑا کارنامہ ہو' اسے "معجزہ" کہنا درست نہیں۔ رفیع

"جان بیرن" آگے تین چار پیراگراف کے بعد لکھتا ہے کہ :

"جنرل اختر کا (امریکی ٹینکوں کے) اس مظاہرے میں (جو بہاولپور میں ہوا) شرکت کا کوئی پروگرام نہیں تھا مگر ۱۶ اگست کو ان کے ایک نائب نے انہیں چند ایسی عجیب و غریب باتیں بتائیں، جن کا صدر ضیاء کو بتایا جانا ضروری تھا، صدر ضیاء سے اس سلسلہ میں بات کی گئی تو انھوں نے جنرل اختر کو اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور کہا اس دوران تم سے ان باتوں پر بھی گفتگو کر لی جائے گی، چنانچہ جنرل اختر کا بھی صدارتی طیارے میں جانا طے ہو گیا۔"

روسی دھمکیاں ــــــ اور صدر ضیاء

صدر ضیاء الحق اور جنرل اختر عبدالرحمن نے جہاد افغانستان کے سلسلے میں جو کارنامے انجام دیئے انہیں مختصراً بیان کرنے کے بعد جان بیرن نے لکھا ہے کہ :

"ضیاء کو مجاہدین کی امداد سے روکنے کیلئے روس نے پاکستان کے خلاف دہشت گردی کی ایک باضابطہ مہم شروع کر دی۔ روسی حکومت کے آلہ کار، پاکستانی شہروں میں جگہ جگہ دھماکے کرتے۔ "خود ہے کے منظم کردہ ان حملوں میں صرف ۱۹۸۷ء میں ۲۳۴ بے گناہ شہری قتل، اور بارہ سو سے زیادہ زخمی ہوئے، دنیا بھر میں (اس عرصہ میں) دہشت گردی کے ذریعہ قتل اور زخمی ہونے والوں کا یہ تقریباً نصف حصہ تھا۔

ضیاء کو جھکایا نہیں جا سکا۔ مجاہدین کو ہتھیاروں کی سپلائی برقرار رہی، مجاہدین کی فتوحات ہوتی اور بڑھتی ہوتی چلی گئیں، یہاں تک کہ گوربا چوف اپنی فوجیں واپس بلانے پر مجبور ہو گئے۔

(آگے لکھتے ہیں) روس نے بوکھلا کر پاکستان اور صدر ضیاء کے خلاف اپنی باتیں بھی دھمکیوں کو سرعام اور تیز کر دیا۔
صدر ضیاء کے پاس ان دھمکیوں کو سچ سمجھنے کی کئی وجوہات تھیں ۱۹۸۱ء کے بعد سے صدر ضیاء پر کم از کم چار مرتبہ قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء کے موسم گرما میں روس کی طرف سے صدر ضیاء پر پھر ایک بھرپور حملہ کرایا گیا جو ناکام رہا ضیاء کے ایک نائب کے بقول ضیاء نے روس کو یہ جواب بھجوایا کہ "تمہاری ساری دھمکیاں بیکار ہیں بحیثیت ایک سچے مسلمان کے میرا ایمان ہے کہ موت کا ایک دن معین و مقرر ہے جسے نہ میں تبدیل کر سکتا ہوں نہ تم قریب لا سکتے ہو"

اس مجرمانہ کارروائی کی تحقیقات

سانحہ بہاولپور کے بعد اس کی جو تحقیقات ہوئیں ان کے بارے میں بھی "ریڈرز ڈائجسٹ" کی اس تحقیقی رپورٹ میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں ــــ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"پورے علاقے کو (جہاں یہ جہاز گر کر تباہ ہوا تھا) فوجی جوانوں نے گھیرے میں لے لیا۔ پاکستانی افسران اور امریکی ایئرفورس کے ماہرین نے بڑی تندہی کے ساتھ جہاز کی تباہی کے اسباب کی چھان بین شروع کی۔ لاک ہیڈ کمپنی (طیارہ بنانے والی امریکی فرم) کے افسران اور ماہرین بھی تحقیقات کیلئے آ گئے۔"

آگے چل کے لکھا ہے کہ:

"کیمیائی اشیاء کے ماہرین نے طیارے کے کاک پٹ اور بعض

دیگر مقامات پر متعدد کیمیکلز کے آثار دریافت کئے جن میں
انتہائی مہلک PETN دھماکہ خیزی اور سلفر کے اجزاء پائے
گئے۔ بعد میں ایک پاکستانی لیبارٹری سے بھی اس کی تصدیق
ہوئی کہ طیارے میں پھٹنے والا بارودی مواد موجود تھا۔ تحقیقاتی
بورڈ نے طیارے کی تباہی کو ایک واضح مجرمانہ کارروائی
قرار دیتے ہوئے اسے ایک مجرمانہ فعل "بحث" کے ذریعہ کریو
(جہاز کے عملے) کو بے ہوش یا مفلوج کر دینے کا شاخسانہ
قرار دیا۔ اس نتیجہ پر پہنچنے کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ بورڈ نے
مزید تحقیق و تفتیش کو انتہائی ضروری قرار دیا۔"

چند سطروں کے بعد لکھا ہے کہ:

"امریکی قانون کے مطابق ایف بی آئی کو "۸۶ء کے انسداد دہشت
گردی" امریکہ سے باہر جا کر بھی اس قسم کی تحقیقات کا مجاز
ہے۔ چنانچہ ۱۳ اگست کو اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے زبانی طور پر
تحقیقاتی ٹیم کو پاکستان جا کر تحقیقات کی اجازت دی تھی مگر
چند ہی گھنٹوں بعد یہ اجازت اسے "غیر ضروری اضافی
سرگرمی" کہہ کر واپس لے لی گئی۔ اسسٹنٹ اٹارنی مسٹر
"لیوریول" نے اس تحقیقات کیلئے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ
سے کئی مرتبہ رجوع کیا مگر امریکی بیوروکریسی نے اجازت
دینے سے انکار کر دیا۔"

آگے چند سطروں بعد لکھا ہے کہ:

"ایک پاکستانی اعلیٰ افسر کے مطابق اسلام آباد کی امریکی
ایمبیسی نے پاکستانی حکومت سے کہا اس واقعہ کو بھول جا کر

روسی حکام پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ حکومت پاکستان ریچھ کی دم مروڑنے کی غلطی نہ کرے۔"

جان بیرن کا کہنا ہے کہ:

"اس کارروائی کے بعد حاصل شدہ اجسام میں سے بعض صحیح و سالم بھی تھے۔ بہاولپور ملٹری ہسپتال میں ان کا پوسٹ مارٹم بھی کیا گیا۔ ایسے اجسام میں بریگیڈیئر جنرل واسم کا جسد بھی شامل تھا مگر ہسپتال کے عملے کے مطابق ایک اعلیٰ سرکاری حکم کے مطابق کسی بھی جسم کے پوسٹ مارٹم سے منع کر دیا گیا، گویا اس طرح مردہ اجسام پر مفروضہ کر دینے والے کیمیکلز کے اثرات کا جائزہ لینے سے صریحاً روک دیا گیا۔"

چند سطروں بعد لکھتا ہے کہ:

"بہاولپور کی پولیس سے بھی تفتیش کنندگان نے اس مجرمانہ کارروائی کے سلسلہ میں کوئی سوال و جواب نہیں کئے۔ پاکستانی میونسپل حکام نے ریڈرز ڈائجسٹ کو بتایا کہ اس حادثے سے متعلق کسی بھی شخص سے کچھ نہیں پوچھا گیا۔"

ریڈرز ڈائجسٹ کے نمائندے جان بیرن کی اس رپورٹ کو نہ صرف آزمایا جا سکتا ہے بلکہ آنکھیں بند کر کے اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً یہ المناک سانحہ جس انداز میں رونما ہوا اور اس واقعے کی جو تفصیلات دنیا کے سامنے آچکی ہیں ان سے یہ خوفناک نتیجہ بہرحال نکلتا ہے کہ یہ سازش خواہ کسی بھی غیر ملکی طاقت نے تیار کی ہو اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جب تک پاکستان کے کچھ ضمیر فروش غدار اس میں شامل نہ ہوں۔

گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

شہید صدر ضیاء الحق جہاد افغانستان کی کامیابی سے امت مسلمہ کے لئے جو دور رس انقلابی نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے امت مسلمہ کو ان سے محروم کرنے ہی کیلئے صدر مرحوم کو راستے سے ہٹایا گیا ہے' تاہم اس دلدوز واقعہ نے اس تاریخی حقیقت کو پھر طشت از بام کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو کبھی بھی بڑی سے بڑی طاقت اس وقت تک شکست نہیں دے سکی' جب تک اسے مسلمانوں ہی میں چھپے ہوئے "جعفر و صادق" میسر نہ آ گئے۔ اگر بنگال میں انگریزوں سے جنگ میں "سراج الدولہ" شہید کے ساتھ جعفر نے غداری نہ کی ہوتی' اور میسور میں سلطان ٹیپو شہید سے ان کا وزیر "صادق" غداری نہ کرتا تو آج برصغیر ہند کا جغرافیہ اور تاریخ دونوں مختلف ہوتے ـــــ لیکن یہ المناک واقعات نہ ہوتے تو سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کو جو عزت و سربلندی اللہ کے راستے میں شہادت نے عطا کی' اور دنیا و آخرت کی جو ذلت و رسوائی جعفر و صادق کا مقدر بنی' وہ بھی بعد کی نسلوں کیلئے سامان عبرت نہ بنتی'

جعفر از بنگال' صادق از دکن
ننگ ملت' ننگ دیں' ننگ وطن

جنرل ضیاء اور ان کے رفقاء کی شہادت کا جو بڑا سانحہ چونکوں میں رونما ہو گیا' اگر اس کے نتیجے میں خدانخواستہ جہاد افغانستان کے مقاصد کو گم کر دیا گیا (جس کے آثار نظر آ رہے ہیں) تو جس طرح جعفر و صادق کی غداریوں کے بھیانک نتائج برصغیر کے مسلمان آج تک بھگت رہے ہیں' اسی طرح شاید سانحہ بہاولپور کے خوفناک اثرات سے بھی ہم صدیوں تک پیچھا نہ چھڑا سکیں۔

تاریخ نے قوموں کے وہ دور بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی ہے' صدیوں نے سزا پائی

شہید کا جنازہ

اسلام آباد میں شہید صدر کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے ۱۷ محرم سنیچر کے روز انسانوں کا جو سمندر ہر طرف سے فیصل مسجد کی طرف رواں دواں تھا ان میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ میں نے حج کے علاوہ انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں دیکھا۔ میں قائد اعظم اور قائد ملت کے جنازوں میں بھی شریک ہوا ہوں لیکن غالباً یہ پاکستان کی تاریخ میں جنازے کا سب سے بڑا اجتماع تھا ــــ یہ اس منکسر المزاج قائد کا جنازہ تھا جس نے زندگی بھر اپنی کوئی سیاسی پارٹی نہیں بنائی۔ اس جنازے میں شرکت کیلئے عوام سے نہ کوئی اپیل کی گئی نہ ان کیلئے سواریوں کا بندوبست کیا گیا۔ بیشتر لوگ پیادہ پا چلے آ رہے تھے، دوسرے شہروں سے اسلام آباد پہنچنے والے تمام راستوں پر بھی انسانوں، گاڑیوں، بسوں اور ٹرکوں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ عوام نے جگہ جگہ مرحوم کی محبت میں اثر انگیز کلمات لکھ کر بینر آویزاں کئے تھے۔ مہاجرین افغانستان نے بھی جو اب اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے تھے، جگہ جگہ بینر لگا کر اپنے محسن بھائی کو جذبات تشکر اور دعاؤں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد وہیں مجاہدین افغانستان کی ساتوں بڑی تنظیموں کے سربراہوں سے بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے انتہائی غمگین مگر پر اعتماد لہجے میں اس عزم کا اظہار کیا کہ "ہم اس خون کا بدلہ لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

چند روز بعد دوبارہ اسلام آباد جانا ہوا تو شہید کے مزار پر ہر طرف فریم کئے ہوئے مرثیے منڈیر سے لگا کر رکھے تھے۔ نظر پتھر کے ایک کتبے پر پہنچ کر رک گئی جو قبر کے پہلو سے لگا تھا، اس پر مہاجرین افغانستان کے ایک سید گھرانے نے فارسی کا یہ شعر کندہ کیا تھا:

اے خاک تیرہ، دلبر ما را، عزیز دار
این نور چشم ماست، کہ در بر گرفتہ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے تاریک مٹی، ہمارے محبوب کو عزت سے رکھنا، یہ ہمارا نور نظر ہے جسے تو نے گود میں لے لیا ہے" ــــ نہ جانے وہ کتبہ اب بھی وہاں

رکھا ہے 'یا ہٹا دیا گیا۔

اس المناک سانحے سے مسلمانان عالم پر جو گزری' اس کے برعکس دشمنوں کے یہاں گھی کے چراغ جل اٹھے' خصوصاً روسی فوج جس کو صدر ضیاء اور جنرل اختر نے عبرتناک شکست سے دوچار کیا تھا' اور جس کی نصف تعداد اس وقت تک افغانستان سے راہ فرار اختیار کر چکی تھی' باقی نصف اپنا بوریہ بستر باندھ رہی تھی' اس کی تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔

مجھے بعض مجاہدین نے بتایا کہ ہم نے سانحہ بہاولپور کی اندوہناک خبر "ژاور دیزہ" کے محاذ پر اپنے کیمپ میں سنی تو سب ساتھی بلک بلک کر رونے اور دعا کرنے لگے' ہم نے دشمن کی جس چھاؤنی (یا چوکی) کا محاصرہ کیا ہوا تھا' اچانک اس کی توپوں سے روشنی کے رنگ برنگ گولے آسمان میں بلند ہو کر پھلجھڑیوں کے انداز میں آتش بازی کرنے لگے' یہ دشمن کی طرف سے اس اندوہناک سانحے پر خوشی کا اظہار تھا' ہم سے برداشت نہ ہوا' چند ہی لمحوں میں ہماری توپوں نے ان کی ساری خوشی ملیامیٹ کر دی' اور وہاں پھر موت کی سی خاموشی چھا گئی ———— مجاہدین کی اس کارروائی کا مقصد یہ بتانا تھا کہ

طوفان بلا سر سے گزرتے ہی رہے ہیں
زخمی ہے' مگر آج بھی سر خم تو نہیں ہے

اس وقت کی جنگی صورتحال

روس دنیا کا سب سے بڑا رقبہ رکھنے والا ملک ہے' اور اس کی آبادی ۲۸ کروڑ ہے —— اس کی چالیس لاکھ فوج کو دنیا کی سب سے بڑی فوج کہا جاتا ہے' جس میں افغانستان کی جنگ میں روس کے صدر گورباچوف کے اعتراف کے مطابق دس لاکھ فوج نے حصہ لیا' لیکن ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء کو جب افغانستان سے روسی فوجوں کی باقاعدہ پسپائی شروع ہوئی تو اس وقت وہاں ان کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زائد رہ گئی تھی' اور صدر ضیاء کی شہادت کے وقت تک اس میں سے بھی آدھی فوج راہ فرار اختیار کر چکی تھی' باقی تقریباً

پچاس ہزار فوج کو لگ بھگ چھ ماہ میں واپس جانا تھا ـــــ یہ پسپائی بھی روسی فوجوں کیلئے جان جوکھوں کا کام تھا کیونکہ مجاہدین ان کے واپس جانے والے قافلوں کا بھی تعاقب کر رہے تھے۔

امریکہ نے "جنیوا سمجھوتے" کے وقت ہی سے مجاہدین کی امداد سے عملاً ہاتھ کھینچ لیا تھا' اس کے باوجود صدر ضیاء کی شہادت کے وقت مجاہدین کی فتوحات عروج پر تھیں' کمیونسٹ روسی کابلی فوجیں اپنی چوکیاں اور چھاؤنیاں چھوڑ چھوڑ کر راتوں رات فرار ہو رہی تھیں' مجاہدین کے آزاد کرائے ہوئے علاقوں میں شب و روز اضافہ ہو رہا تھا' صوبہ "تخار" پورا کا پورا فتح ہو چکا تھا' اور کابل سمیت دوسرے علاقوں کی آزادی بھی سامنے نظر آ رہی تھی۔

صدر ضیاء مرحوم نے ـــــ جن سے زیادہ گہری نظر افغانستان کی جنگی صورت حال پر شاید ہی کسی کی ہو ـــــ کہا تھا' اور ان کی یہ بات اخبارات میں بھی چھپی تھی کہ "ان شاء اللہ ۱۹۸۹ء کا سال افغانستان کی مکمل آزادی کا سال ہو گا' اور ہم آنے والے رمضان میں جمعہ کی نماز اپنے افغان بھائیوں کے ساتھ کابل کی جامع مسجد میں ادا کریں گے۔"

ادھر ہمارا افغانستان کو سبوتاژ کرنے کیلئے دشمن طاقتوں کا ایک مشترکہ حملہ "جنیوا سمجھوتے" کی شکل میں ہو چکا تھا' اب دوسرا بھرپور وار "سانحہ بہاولپور" کی صورت میں کیا گیا' لیکن مجاہدین کے حوصلوں میں فرق نہ آیا' وہ اپنے تند و تیز حملوں اور فتوحات کی بڑھتی ہوئی رفتار سے برابر اس عزم کا اعلان کر رہے تھے کہ ـــ

اللہ کی رحمت سے کھلی' دم توڑ چکی ہے تاریکی
ہلکا سا دھندلکا باقی ہے' اس کو بھی مٹا کر دم لیں گے

صوبہ "پکتیکا" کی فتح

سانحہ بہاولپور کو ابھی ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ ستمبر کے پہلے ہفتے میں دنیا

مدارس اور جامعات کے مجاہد طلبہ کو صوبہ "پکتیکا" کے محاذ "ارغون" سے کمانڈر زبیر احمد صاحب کا یہ پیغام وصول ہوا:

"اس ماہ کے آخر میں اس فیصلہ کن حملے کا پروگرام ہے جس کا آپ کو مدت سے انتظار تھا ____ جن ساتھیوں کو شہادت کا شوق ہو وہ محاذ پر پہنچ جائیں۔"

دینی مدارس اور جامعات میں ۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء سے سہ ماہی امتحانات شروع ہونے والے تھے ____ غالباً حملے کے واسطے یہ دن اس لئے بھی مقرر کئے گئے تھے کہ سہ ماہی امتحان سے فارغ ہو کر جو چند روز چھٹی کے مل جاتے ہیں ان میں طلبہ کی زیادہ تعداد شریک جہاد ہو سکے گی۔ جن کے مقدر میں یہ سعادت لکھی تھی وہ امتحان سے فارغ ہوتے ہی محاذ پر چلے گئے لیکن پھر اکتوبر بھی شروع ہو گیا، وہاں سے کوئی خبر نہ آئی!

فتح شرنہ

روزانہ کی طرح ۱۶ اکتوبر کو میں اخبار میں "ارغون" کی خبر تلاش کر رہا تھا کہ اس کے بجائے "شاران" کی شاندار فتح کی خوشخبری ملی۔ اخبارات میں جو تفصیلات آئی تھیں ان سے میں اس نتیجے پر پہنچا ____ اور بعد میں تصدیق ہو گئی ____ کہ اخبارات میں "شاران" غلط چھپا ہے۔ اور خبر کا تعلق "شرنہ" سے ہے جو افغانستان کے جنوب مشرقی صوبہ "پکتیکا" کا دارالحکومت ہے۔ یہ وہی شرنہ ہے جس کے ایک خوں ریز معرکہ میں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے بانی مولانا ارشاد احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ۲۱ ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا تھا۔ (اس معرکہ کا مفصل حال بہت پیچھے عرض کر چکا ہوں)

کئی سال سے صوبہ "پکتیکا" میں دشمن کے پاس صرف دو چھاؤنیاں باقی تھیں، ایک شرنہ جواب فتح ہو گئی، دوسری "ارغون" جس کی فتح کا انتظار تھا ____ "شرنہ"

ارغون سے آگے کابل کی طرف واقع ہے۔ اس لئے "ارغون" کی فتح کا پیش خیمہ بن سکتی تھی کیونکہ اب یہاں سے ارغون چھاؤنی کو رسد تک پہنچنے کا امکان نہیں رہ گیا تھا۔ مجاہدین نے "ارغون" سے پہلے اس کا محاصرہ اسی مقصد سے کیا تھا   چنانچہ اخبارات نے لکھا تھا کہ "گزشتہ ایک ماہ کے دوران "ارگون"، "بلدک" اور "ارمر" پر قبضے کے بعد "شہران" (شرنہ) پر مجاہدین کے قبضے کو "بڑی کامیابی" قرار دیا گیا ہے۔"

فتح ارغون

توقع کے عین مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل سے اگلے ہی دن جمعہ ۲ اکتوبر کے اخبارات میں "ارغون" کی فتح مبین کی خبر بھی آگئی۔ اس خبر نے مسرت کی وہ لذت عطا کی کہ بقول بھائی جان مرحوم

"میری جبین شوق میں سجدے مچل گئے"

اب صوبہ پکتیکا پورا کا پورا آزاد ہو چکا تھا ______ یہ افغانستان کا پہلا صوبہ ہے جو مکمل طور پر آزاد ہو گیا ہے   روزنامہ جنگ کراچی نے اس کی خبر پہلے صفحے پر دو کالموں میں دو سطری سرخی کے ساتھ شائع کی تھی اسے بلفظہ نقل کرتا ہوں:

مجاہدین نے افغانستان کے ۴ صوبوں پر قبضہ کر لیا

بامیان، وردک اور قندھار کے بعد کابل فوج نے پکتیکا صوبے کو بھی خالی کر دیا

کابل (ریڈیو رپورٹ) افغان مجاہدین نے بدھ کی شب ملک کے جنوب مشرقی صوبے پکتیکا پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین نے پکتیکا کے دارالحکومت "شہران" (شرنہ) پر پہلے کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ پکتیکا میں متعینات ہزاروں فوجیوں نے بدھ کی شب اور جمعرات کی صبح اس صوبے کو چھوڑ دیا، وہ اپنے ساتھ ٹینک اور دوسرا فوجی سامان بھی لے گئے۔ مجاہدین نے افغانستان کے دیگر ۳ صوبوں پر پہلے ہی قبضہ کر رکھا ہے جن میں

کا تصور آتے ہی دل دھک سے ہو گیا ۔۔ یا اللہ! وہ خیریت سے ہوں پھر اس خیال سے کچھ ڈھارس بندھی کہ میں نے پچھلی ملاقات میں بھی انہیں "آیت الکرسی" پڑھ کر رخصت کیا تھا۔

جو مجاہدین اس محاذ پر گئے ہوئے تھے چند روز کے صبر آزما انتظار کے بعد اللہ کے فضل سے ان میں سے کئی بخیریت واپس آ گئے ان سے زامہ خولہ کے تاریخی معرکے اور فتح مبین کی ایمان افروز روئداد سن کر دل مسرت سے جھوم اٹھا۔

پھر ۱۲ اور ۱۳ نومبر ۱۹۸۸ء کو لاہور میں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا سالانہ اجتماع ہوا ____ وہاں خود کمانڈر زبیر صاحب اور ان کے ایسے کئی رفقاء سے ملاقات ہوئی جو اس یادگار معرکے میں اہم ذمہ داریوں پر مامور تھے ان سے خوب جی بھر کے ساری روئداد اتنی تفصیل سے سن کر آپ کو بھی سنانے کو دل چاہنے لگا بقول حضرت مرشد عارفی

آتا ہے لطف اپنی ہی باتوں میں اب مجھے
کچھ ایسی دلنشیں تری تقریر ہو گئی

پاکستانی مجاہدین کا ایک اعزاز

یہ معلوم ہو کر غیر معمولی مسرت ہوئی کہ "پوسٹ زامہ خولہ" کی فتح براہ راست کمانڈر زبیر اور ان کے جانباز رفقاء کا کارنامہ ہے اور اس کے اعتراف کے طور پر افغان تنظیموں کے مقامی کمانڈروں نے ایک اجلاس میں کمانڈر زبیر احمد خالد صاحب کو گولڈ میڈل دیا ہے کہ یہ پوسٹ ان ہی کی ولولہ انگیز کمان میں کئی گھنٹے کی خوفناک جنگ کے بعد حیرتناک طور پر فتح ہوئی تھی اور یہی جنگ ارغون کیلئے فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ اس سے دشمن فوج پر جو ایک بکتربند ڈویژن کے علاوہ ملیشیا کے بھی چھ سو جنگجو قبائلی جوانوں پر مشتمل تھی ____ ایسا خوف طاری ہوا کہ چوتھے روز اس نے "ارغون چھاؤنی" کسی مزید جنگ کے بغیر راتوں رات خالی کر دی ____ اس طرح کمانڈر زبیر اور انکے رفقاء صرف زامہ خولہ کے نہیں بلکہ پورے ارغون کے فاتح قرار دیئے گئے نیز صرف پاکستانی

مجاہدین کیلئے بلکہ ان سب مجاہدین کیلئے بڑا اعزاز ہے جو اس معرکہ میں شریک تھے۔ وللہ الحمد

ارغون کو آزاد کرانے کیلئے پوست زامہ خولہ پر جو قبضہ کن معرکہ ہوا اور اس میں دینی مدارس و جامعات کے اولوالعزم علماء و طلبہ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جس طرح فتح مبین عطا فرمائی اس کی ایمان افروز روئداد اس قابل ہے کہ اسے آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کیا جائے ــــــ یہ روئداد حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ماہنامہ "الارشاد" کے "فتح مبین نمبر"[1] میں متفرق مضامین کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں صوبہ "پکتیکا" کے افغان کمانڈر مولانا ارسلان رحمانی اور کمانڈر زبیر سمیت اس معرکے میں شریک ہونے والے کئی اور مجاہدین کے بھی انٹرویو شائع ہوئے ہیں۔ یہ تفصیلات میں نے ان حضرات سے زبانی بھی سنی ہیں لیکن محض حافظے پر اعتماد کرنے کے بجائے یہاں ان کو احتیاطاً "فتح مبین نمبر" سے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کر رہا ہوں کہ تحریرات کو جوڑ کر ساری روئداد مرتب شکل میں قارئین کے سامنے آجائے۔ آگے جو اقتباسات آ رہے ہیں وہ بھی اسی "فتح مبین نمبر" سے لئے گئے ہیں۔ البتہ "فتح مبین نمبر" میں کئی متفرق واقعات کا باہمی ربط واضح نہیں تھا۔ اس خلا کو میں نے لکھنے کے دوران متعلقہ مجاہدین سے بار بار تحقیق کر کے پر کیا ہے۔

اس روئداد سے افغانستان میں مجاہدین کا طریقہ جنگ زیادہ کھل کر سامنے آئے گا اور یہ بھی اندازہ ہوگا کہ ہم آئے دن اخبارات میں جو چھوٹی چھوٹی سی خبریں افغانستان میں مجاہدین کی فتوحات کی پڑھتے رہتے ہیں وہ صرف اخبارات ہی میں چھوٹی ہوتی ہیں، میدان جہاد میں ان کا صبر آزما ہفتوں و مہینوں اور برسوں پر محیط ہوتا ہے۔ چند سطروں کی یہ خبریں جب ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں اس سے پہلے برسوں تک ان کو یہ سرفروش میلوں میں پھیلے ہوئے میدان کارزار پر اپنے خون سے تحریر کرتے ہیں اور فتح کی ہر چھوٹی

---

[1] شمارہ صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

سے چھوٹی خبریں کتنے ہی گمنام شہیدوں کے ایمان و صبر اور عزیمت و سرفروشی کی ایسی ہی کئی داستانیں چھپی ہوئی ہیں جن کی مورخ کو ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔

زامہ خولہ کا دفاعی حصار

پاکستان کی سرحد سے تقریباً ۳ کلو میٹر پر دشمن کی "پوسٹ زامہ خولہ" سمیت کئی اور پوسٹیں (چوکیاں) اور "ارغون چھاؤنی" جس "وادی ارغون" میں واقع ہیں، اس کی لمبائی شمالاً جنوباً کم از کم ۲ کلو میٹر اور چوڑائی شرقاً غرباً کم از کم ۵ کلو میٹر ہے۔ یہ وادی چاروں طرف سے طویل و عریض پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے، مجاہدین کے مراکز اسی وادی کے کنارے پر مغربی اور مشرقی پہاڑوں میں ہیں چند ماہ قبل جب ہم اپریل ۱۹۸۸ء میں اس محاذ پر گئے تھے، اس وقت حرکۃ الجہاد الاسلامی کا اصل مرکز "خالی قلعہ" تھا، یہ جگہ پوسٹ زامہ خولہ سے بہت دور تھی اور "مزرکہ" میں ذیلی مرکز تھا جو پوسٹ سے جنوب مغرب میں صرف ۲ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس لئے اب کی دفعہ سے "مزرکہ" ہی کو اصل مرکز بنالیا گیا تھا، زامہ خولہ پر آخری حملے کی ساری تیاریاں یہیں سے کی گئیں، یہ جگہ سرسبز پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، اسی کے آس پاس مولانا ارسلان رحمانی اور دیگر افغان تنظیموں کے مراکز ہیں، ان کے دو مراکز پوسٹ زامہ خولہ کے مشرق میں بھی پہاڑوں کے اندر ہیں۔

"پوسٹ زامہ خولہ" جو پوری کی پوری زمین دوز ہے "وادی ارغون" کے شمالی کنارے کے پاس ہے، اس کے پیچھے شمال ہی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس کی دو معاون پوسٹیں "عالم خان تنعہ" اور "قلعہ تیک محمد" ہیں اور ان کے پیچھے ارغون چھاؤنی، اس کا ہوائی اڈہ اور ارغون شہر ہے۔

پوسٹ زامہ خولہ کو وادی ارغون کی چوڑائی کے بیچوں بیچ پہاڑی ٹیلے پر ایسی جگہ بنایا گیا ہے کہ اس کے پیچھے چاروں طرف پہاڑوں تک وادی ارغون کا چٹیل میدان ہے جو بارودی سرنگوں سے بٹا پڑا تھا تاکہ مجاہدین مغرب یا مشرق کے پہاڑوں سے اتر کر،

کے سامنے جنوب سے اس کی طرف پیش قدمی کر رکھی تھی لیکن مغرب اور مشرق کی پہاڑیوں
اور ٹیلوں میں بھی جہاں جہاں سے مجاہدین کے آنے کا امکان تھا، وہاں بھی بارودی
سرنگیں "اینٹی ٹینک زمین" بچھی ہوئی تھیں۔ اس چٹیل میدان میں جو ندی نالے بھی ہیں،
جو مغربی اور مشرقی پہاڑوں سے نکل کر پوسٹ کے قریب تک چلے گئے ہیں، وہ بھی
بارودی سرنگوں سے بھرے پڑے تھے، خاص طور پر پوسٹ کے قریب تو چاروں طرف
تاروں والی بارودی سرنگوں کی ۵ انچ موٹی باڑھ بچھی ہوئی تھی جس میں ایک قدم رکھنے کی
گنجائش نہیں تھی۔ اسی لئے مجاہدین اب تک پوسٹ پر زیادہ تر حملے مغربی اور مشرقی
پہاڑوں سے توپوں اور میزائلوں سے کرتے رہے، جب تک ان پہاڑوں، چٹیل میدان،
اور ندی نالوں میں کوئی راستہ سرنگوں سے صاف کر کے نہ بنا لیا جاتا، پوسٹ کے قریب
جا کر حملہ کرنے کی کوئی صورت نہ تھی ــــ یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ تھی جس نے اتنا
پیچیدگی کی صبر آزما اور خطرناک مہم کمانڈر زبیر نے کئی ماہ سے شروع کی ہوئی تھی۔

بارودی سرنگوں کی صفائی

کراچی کی پچھلی ملاقات میں کمانڈر زبیر صاحب نے اس مہم کا ذکر مجھ سے کیا تھا
اور اسی وقت سے ان کے نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمن فاروقی، جن کا تعلق پنجاب
سے ہے، چیدہ چیدہ نوجوانوں کے ساتھ مل کر "پوسٹ کے قریب" جانے والے ندی
نالوں اور راستوں کو بارودی سرنگوں سے صاف کرنے اور حسب موقع مورچے
کھودنے کا کام تیز رفتاری سے شروع کر چکے تھے۔ اس مہم میں جن سرفروشوں نے حصہ
لیا ان میں "نصراللہ" خاص طور سے قابل ذکر ہے، یہ وہی شوخ سخت جان نوجوان ہے جس
کے بارے میں آپ کافی پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اس نے روسیوں کے چوکی نمبر ایک کی
کمانڈوں کا تن تنہا مقابلہ کر کے ایک کو تباہ اور پانچ کو اپنے کئی فوجی افسروں کی آنکھوں تلے
بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بارودی سرنگوں کی تلاش جان جوکھوں کا کام تھا، اسے رات کی تاریکی میں

انتہائی خفیہ طور پر کسی آلے کی مدد کے بغیر انجام دینا پڑتا تھا ـــــ کسی بارودی سرنگ پر پاؤں پڑ جائے یا ذرا سی چوک ہو جائے تو وہ پھٹ کر کسی بھی لمحے جان لے سکتی تھی ـــــ چنانچہ ایک پرانے مجاہد "عبدالحمید بگلہ دمنی" جو فتح ارغون کی بنیاد فراہم کرنے والی اس مہم میں شب و روز شریک تھے فتح سے چند روز پہلے ان کا پاؤں زمین میں چھپی ہوئی ایک بارودی سرنگ پر آگیا اور یہ غریب الوطن نوجوان فتح کی خوشیاں دیکھنے سے پہلے ہی زبان حال سے یہ کہتا ہوا شہید ہو گیا کہ :

اے اہل چمن ' موسم گل تم کو مبارک
اپنا تو تعلق تھا گلستاں سے خزاں تک

تاہم جوں جوں بارودی سرنگیں صاف ہوتی گئیں ' سرکفت نوجوانوں کی یہ جماعت "یوسف زامہ خولہ" کے قریب ہوتی گئی ' یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب ایک خشک نالے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ـــــ نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمن اور دو ساتھی ہر رات چھپتے چھپاتے اس نالے تک آتے اور ساری رات یہاں سے "یوسف" اور اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتے ـــــ وہ کہتے ہیں کہ یہ نالہ تاروں والی بارودی سرنگوں کی ۱۵ گز چوڑی باڑھ کے اتنے قریب تھا کہ ہم اس کے تاروں کو چھو سکتے تھے ـ اس باڑھ کے اس پار چوکی زامہ خولہ دور تک ٹیلوں پر پھیلی ہوئی تھی ' وہاں سے ہمیں کمیونسٹ فوجیوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں ـــــ ہم اس نالے میں بیٹھ کر چھوٹے وائرلیس سیٹ پر کمانڈر زبیر صاحب کو اپنی اور دشمن کی پوزیشن بتاتے ' ہم وائرلیس کو منہ کے بالکل قریب کر کے اوپر سے چادر اوڑھ کر آہستہ سے بات کرتے تھے کہ دشمن کو ہماری خبر نہ ہو جائے ـ

یہ کارروائی تقریباً دو ماہ لگاتار جاری رہی ' جس کے نتیجے میں کمانڈر زبیر نے دن میں بھی قریب آ کر آس پاس کی پہاڑیوں اور ٹیلوں سے "یوسف زامہ خولہ" پر حملے شروع کر دیئے تھے ـ

آزمائشی حملہ

۱۲ ستمبر ۱۹۸۸ء (ماہ محرم ۱۴۰۹ھ کی تقریباً ۳ تاریخ) کو مجاہدین نے کمانڈر زبیر صاحب کی قیادت میں "پوسٹ زامہ خرد" پر اچانک ایک محدود تیز حملہ کیا جس کا ایک مقصد دن میں بالکل قریب جاکر پوسٹ کا جائزہ لینا اور بارودی سرنگوں کی اس باڑھ کو چیک کرنا تھا جو پوسٹ اور مجاہدین کے درمیان اب تک حائل تھی۔۔۔۔ اس حملے میں وہ دشمن پر فائر برساتے ہوئے اس باڑھ تک جا پہنچے۔۔ کچھ مجاہدین جوش میں آکر اس میں بھی گھسے تھے لیکن بارودی سرنگیں لگاتار دھماکوں کے ساتھ پھٹنی شروع ہو گئیں جن سے ابو سفیان، حبیب اللہ اور پڑھیدان محمد کے عبدالغفار سمیت کئی نوجوان شدید زخمی ہوئے۔۔۔۔ تاہم مجاہدین اس حملے کا مقصد حاصل کر کے واپس آگئے۔۔۔۔ کمانڈر زبیر صاحب کو دشمن کی بعض دفاعی کمزوریوں کا اندازہ ہو گیا اور بارودی سرنگوں کی اس باڑھ کی صحیح صورت حال بھی معلوم ہو گئی۔

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

اب ان کی اس رائے میں مزید پختگی پیدا ہو گئی کہ اگر ساتھیوں کی ایک قابل ذکر تعداد، جو اللہ کے راستے میں شہید ہونے کی حقیقی آرزو رکھتی ہو، پوسٹ پر مختلف سمتوں سے حملہ آور ہو اور اس باڑھ پر راکٹ برسا کر بارودی سرنگوں کو پھاڑتی جائے اور اس سے جو راستہ بنے اس پر تیزی سے بڑھتی جائے تو پھر بھی باقی ماندہ سرنگوں اور دشمن کی فائرنگ سے کچھ ساتھی شہید اور معذور تو ضرور ہو جائیں گے لیکن کافی ساتھی پھر بھی باڑھ کو عبور کر کے پوسٹ میں جا گھسیں گے۔

اس موقع پر صوبہ پکتیکا کے افغان کمانڈر مولانا ارسلان رحمانی صاحب غزنی گئے ہوئے تھے، وہ جیسے ہی واپس آئے کمانڈر زبیر صاحب اور مولوی عبدالرحمن فاروقی نے ان کو ۱۲ ستمبر کی روئداد سنائی اور پوسٹ کا اور اس تک جانے والے راستوں کا جو

نقشہ مولوی عبدالرحمن اور نصراللہ صاحب نے تیار کیا تھا وہ پیش کر کے انہیں بتایا کہ پوسٹ زامہ خولہ سے ۲۰۰ میٹر ادھر بارودی سرنگوں کی ہوڈ اکر جو ڑی باڑھ ہے' وہاں تک ہم نے بڑی حد تک سرنگیں صاف کر کے راستے بنائے ہیں' اب صرف اس باڑھ کو عبور کرنے کیلئے کچھ مجاہدین کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی' اس کے لئے ہم اور ہمارے ساتھی اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اگر پچاس ساتھی ہمارے ہوں' اور پچاس آپ کے تو انشاءاللہ ایک ہی حملے میں پوسٹ فتح ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں کمانڈر زبیر صاحب نے بعد میں ماہنامہ "ارشاد" کو جو انٹرویو دیا' اس میں وہ فرماتے ہیں کہ :

"ہمارے ساتھیوں نے اللہ کے فضل سے اتنی تندہی اور جانفشانی سے اس پوسٹ کی تمام تر معلومات حاصل کر لی تھیں کہ پوسٹ کا پورا نقشہ ہماری سمجھ میں آگیا' ہمیں دشمن کی توپوں' مشین گنوں' اور کلاشنکوفوں تک کے مورچے معلوم ہو گئے ۔ جب مولانا ارسلان رحمانی صاحب سے ہم نے پوسٹ پر حملے کی اجازت چاہی تو اس وقت ہمارے لئے پوسٹ پکی ہوئی فصل کی مانند فتح کیلئے تیار تھی' صرف ہمت درکار تھی' اور قربانی دینے والوں کی ضرورت تھی' ان دونوں چیزوں کی الحمدللہ ہمارے ساتھیوں میں کمی نہ تھی ۔"

لیکن مولانا رحمانی اس تجویز سے متفق نہ تھے' وہ حرکۃ الجہاد الاسلامی کے ان مہمان مجاہدین پر باپ کی سی شفقت فرماتے تھے' ان کا خیال تھا کہ اس باڑھ کو عبور کرنے کی کوشش میں بہت سے مجاہد شہید ہو جائیں گے' اور پوسٹ پھر بھی فتح نہ ہوگی' کیونکہ پوسٹ زامہ خولہ نہایت مضبوط دشمن دوز چوکی ہے' جس میں ہر طرح کے مہلک ہتھیاروں کی کمی نہیں' پھر اس کو ارغون چھاؤنی اور دوسری چوکیوں "عالم خان قصہ" اور "تیک محمد پوسٹ" سے بھرپور کمک ہر وقت مل سکتی ہے' اس لئے فی الحال اس حملے سے

تنظیم کو بھی سخت نقصان ہو گا۔

کمانڈروں کی شوریٰ

مولانا رحمانی کمانڈر زبیر کو قائل نہ کر سکے تو انہوں نے اس علاقے میں موجود تمام فعال تنظیموں کے کمانڈروں کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا کر اس میں یہ مسئلہ رکھا۔ اس کی روئیداد خود مولانا رحمانی اپنے انٹرویو میں سناتے ہیں کہ:

> "تمام تنظیموں کے کمانڈروں نے یک زبان زبیر خالد صاحب سے کہا کہ فی الحال ہمیں اس سخت موسم میں ایسے حملے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے، کوئی کمانڈر ان بارودی سرنگوں کی موجودگی میں آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس پر حرکۃ الجہاد الاسلامی کے کمانڈر زبیر خالد نے پرجوش انداز میں کہا "میں آگے بڑھنے کو تیار ہوں، میرے مجاہد ساتھی اس قربانی کیلئے حاضر ہیں" لیکن یہ مجلس بغیر کسی فیصلے کے برخاست ہو گئی۔"

مولانا رحمانی آگے فرماتے ہیں کہ:

> "زبیر خالد صاحب مجلس شوریٰ کی اس کارروائی سے دل برداشتہ ہو گئے اور مجھ سے کہا کہ اگر آپ حملے کا پروگرام نہیں بناتے تو ہم خواہ مخواہ یہاں پہاڑوں میں وقت گذارنے نہیں آئے، میں واپس جاتا ہوں، خدا حافظ" یہ کہہ کر وہ پاکستان روانہ ہو گئے۔"

کمانڈر زبیر ایک گاڑی میں پاکستان کے سرحدی قصبے "میرانشاہ" کی طرف روانہ تو ہو گئے، لیکن پیچھے سے اپنے نائب مولانا عبدالرحمٰن فاروقی سے کہہ گئے "پریشان نہ ہونا، ساتھیوں کو سمجھانا میں نے حملے کی اجازت لینے کیلئے گیا ہے"

مولانا ار رحمانی نے جب دیکھا کہ زبیر واقعی چلے گئے ہیں تو فوراً ایک آدمی گھڑ
روانہ کیا اور گھڑ میں اپنے مرکز کو وائرلیس پر بھی ہدایت کی کہ زبیر خود کو میرا پیغام پہنچا دیں
کہ "آپ واپس آجائیں میں آپ کی ہدایات ماننے کو تیار ہوں" ___

کمانڈر زبیر کو پیغام ملا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے فوراً واپس آ گئے

اگلے روز ۲۰ ستمبر کو مولانا ار رحمانی نے پھر وفقان کمانڈروں کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور سب
کو منصوبے کے مجوزہ پروگرام پر راضی کر لیا۔

حملے کا پروگرام

پروگرام یہ طے ہوا کہ حملہ ۳۰ ستمبر جمعہ کو بعد نماز ظہر کیا جائے گا، تمام تنظیمیں
کمانڈر زبیر کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں گی۔ اس حملے کے انچارج کمانڈر زبیر ہیں اس لئے
پوسٹ پر چڑھائی براہ راست انہی کے مجاہد ساتھی ان کی کمان میں کریں گے۔ باقی تمام
کمانڈر اپنے اپنے مجاہدین کے ساتھ مناسب مقامات پر بالکل تیار حالت میں رہیں گے تاکہ
کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نمٹا جا سکے۔ نیز وہ اپنے اپنے مراکز سے نہ صرف پوسٹ
زامہ خولہ پر بلکہ ارغون چھاؤنی اور اس کی دوسری حفاظتی چوکیوں پر میزائلوں اور توپوں
سے لگاتار گولہ باری کریں گے تاکہ پوسٹ زامہ خولہ تک کوئی کمک نہ پہنچ سکے۔ یہ گولہ
باری سہ پہر کو ۳ بجے سے شروع ہوگی اور ٹھیک پونے ۶ بجے ___ جبکہ کمانڈر زبیر اپنا
دستہ لے کر بارود کی باڑھ کے پاس پہنچ چکے ہوں گے ___ بند ہو جائے گی۔ پھر فوراً یہ
دستہ بارودی سرنگوں کی باڑھ میں نیا راستہ بنانے کیلئے اس پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے
کئی راکٹ (R.P.G.7) فائر کرے گا تاکہ وہاں سے ممکن حد تک بارودی سرنگیں پھٹ
کر ختم یا کم ہو جائیں۔ اس راستے سے یہ دستہ کلاشنکوفوں، دستی بموں اور راکٹوں سے حملہ
کرتا ہوا پوسٹ پر چڑھائی کر دے گا ___ منصوبے کی دیگر اہم تفصیلات بھی اجلاس میں
طے کر لی گئیں، جن میں سے بعض کو "صیغہ راز" میں رکھا گیا۔

حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مجاہدین کو اس فیصلے کی اطلاع ہوئی تو وہ خوشی سے ...

مل کر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے جیسے عید کا چاند نظر آگیا ہو۔ جگر مرحوم نے شہادت کے ایسے ہی متوالوں کے بارے میں تو کہا تھا کہ ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں' مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں
جب وقت شہادت آتا ہے' دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

حملے میں' جس میں اصل کردار کمانڈر زبیر اور ان کے ساتھیوں کو ادا کرنا تھا' صرف دو دن باقی تھے' سب کو اندازہ تھا کہ اس خطرناک حملے میں ہم میں سے بہت سے شہید ہوں گے اور اکثر زخمی یا معذور ہو جائیں گے ___ اس لئے ان دونوں کا ایک ایک لمحہ انہوں نے حملہ کی ___ اور آخرت کی تیاری میں صرف کیا۔

جن کے ذمہ کوئی ڈیوٹی تھی' وہ اس میں مگن تھے' باقی مجاہدین میں سے کوئی سپے اسلحہ کی صفائی اور مرمت میں لگا ہوا تھا' کوئی نوافل میں سجدہ ریز ہو کر رب ذوالجلال سے آہ و زاری کے ساتھ فتح و نصرت کی دعا کر رہا تھا' کوئی ذکر و تلاوت میں مشغول تھا تو کوئی وصیت نامہ لکھنے میں منہمک ___ کچھ نوجوانوں نے اگلے دن روزہ بھی رکھا۔

وصیت نامے

یہ مجاہدین اپنا وصیت نامہ لکھ کر ہمیشہ تیار رکھتے ہیں' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حالت امن میں بھی یہ تاکید فرمائی ہے کہ :

"مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ"

"جس مرد مسلم کے پاس کوئی ایسی چیز ہو' جس کی وصیت کرنا چاہتا ہے (مثلاً کسی کی امانت یا قرض یا کوئی حق اس کے ذمہ ہو) اس کو دو راتیں بھی اس حال میں گذارنے کا حق نہیں ہے کہ

اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔"

(صحیح مسلم۔ حدیث ۴۰۱۱)

ظاہر ہے کہ جہاد میں جبکہ موت ہر وقت سامنے ہوتی ہے' اس حکم کی تعمیل اور زیادہ ضروری ہے تاکہ اگر کسی کا حق اپنے ذمہ رہ گیا ہے تو کسی قابل اعتماد شخص کو اس کی ادائیگی کی وصیت کر جائے کیونکہ شہید کے اور تو سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی کا مال اس کے ذمہ رہ گیا ہو تو وہ ادائیگی کے بغیر معاف نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ خود حقدار ہی معاف کر دے۔ امام المجاہدین رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"یُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ"

"شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے سوائے قرض کے۔"

(صحیح مسلم۔ حدیث ۴۸۸۶)

کمانڈر زبیر کی عقابی نظریں دشمن پر بھی گڑی ہوئی تھیں انہوں نے کئی دن سے مجاہدین کی ایک ٹولی چوکی زامہ خولہ کے قریب اس کی نگرانی پر لگائی ہوئی تھی تاکہ بارودی باڑھ تک پہنچنے کے جو راستے کسی حد تک صاف کر دیئے گئے تھے ان میں دشمن پھر بارودی سرنگیں نہ چھپا دے۔ اس گروپ نے وہاں مورچہ کھود کر اس میں اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا کہ

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

ایک حادثہ

۲۹ ستمبر کو ایک حادثہ پیش آیا۔ "شاہد مسعود کشمیری" جو مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد میں زیر تعلیم تھے' سہ ماہی امتحان کے قریب جب ان کو محاذ سے دعوت ملی تو اساتذہ کو بمشکل راضی کر کے امتحان سے رخصت لے کر سیدھے محاذ پر آ گئے' اور اسی گروپ میں شامل ہو گئے' جس نے پوسٹ کے قریب مورچہ میں اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔

کے مشورے سے پورے منصوبہ جنگ کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کی نوک پلک درست کی اور متعلقہ افراد کو ضروری ہدایات دی گئیں - مجاہدین کے کل چھ دستے بنائے گئے -

۱- حملہ آور دستہ

یہ ساٹھ جانبازوں پر مشتمل تھا جسے بارودی سرنگوں کی باڑھ عبور کر کے پوسٹ پر چڑھائی کرنی تھی - کمانڈر زبیر صاحب نے اس کی کمان براہِ راست اپنے ہاتھ میں رکھی اور نصر اللہ کو گروپ کمانڈر مقرر کیا - اسی دستے میں ایک عرب مجاہد "ابوالحارث" تھے - مولانا ارسلان رحمانی نے بھی اپنی تنظیم کے ایک کمانڈر سمیت کئی افغان مجاہدین کو اس دستے میں شامل کیا تھا -

۲- ریزرو دستہ (احتیاطی گروپ)

۲۲ غازیوں کا یہ دستہ نائب کمانڈر سوم مولانا عبدالقیوم کی کمان میں تھا - اس کے ذمے یہ کام تھا کہ حملہ آور دستہ کو بوقت ضرورت کمک پہنچائے - یا دشمن سے پوسٹ کے کسی اور رخ پر چھیڑ چھاڑ کر کے اس کی توجہ بانٹ دے -

۳- توپ خانہ

۲ جوانوں کے اس دستہ کو "نصر اللہ جہادیار" کی کمان میں مارٹر توپ استعمال کرنی تھی ____ یہ وہ "نصر اللہ" نہیں جن کا ذکر پہلے دستے میں اور پیچھے بھی کئی بار آیا ہے یہ دوسرے "نصر اللہ" ہیں ان کا لقب "جہادیار" ہے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۸۶ء سے خود کو جہاد کیلئے وقف کر دیا ہے - یہ زبیر صاحب کے نائب کمانڈر (چہارم) ہیں ____ اس دستے کو افغان تنظیموں کے مراکز سے گولہ باری بند ہو جانے کے بعد، ترمب کے مغربی پہاڑ سے دشمن کے ان مورچوں پر گولہ باری کرنی تھی جو مجاہدین کے حملہ آور دستہ پر فائرنگ کر رہے ہوں -

۴۔ دوشکہ (اینٹی ایئر کرافٹ)

۵: مجاہدین کے اس دستے کی کمان قاری محمد عابد فردوسی کے سپرد کی گئی۔ اس کے ذمہ بھی تقریباً وہی کام تھا جو توپ خانے کے سپرد کیا گیا تھا۔ اسے اپنی کارروائی قریب کے ایک ٹیلے سے کرنی تھی۔

۵۔ گرینوف ہیوی مشین گن گروپ

یہ تین افراد پر مشتمل تھا۔ اس کے امیر "ابوبکر بنگلہ دیشی" مقرر ہوئے۔ اسے بھی ایک مغربی ٹیلے سے جو پوسٹ سے اور زیادہ قریب تھا' تقریباً وہی کارروائی کرنی تھی جو پچھلے دو دستوں کے سپرد کی گئی۔

دفاعی دستہ

یہ ۲۱ مجاہدین پر مشتمل تھا' اس کی کمان قاری نعمت اللہ جروار (نائب کمانڈر دوم) کے پاس تھی۔ اس کے ذمہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور دیگر اہم فرائض کے علاوہ ایک کام یہ تھا کہ پورے محاذ جنگ کے گردوپیش پر نظر رکھے کہ دشمن کی کوئی فوج دائیں بائیں یا پیچھے سے حملہ آور نہ ہو جائے۔

اکثر دستوں نے حملے سے ایک رات پہلے ہی پہاڑوں کے اندر پوسٹ زامہ خولہ کے بالکل مغرب میں پہنچ کر "درہ عبدالرحمن" میں پوزیشن سنبھال لی' اور ۱۲ بجے یہ دعا کر کے سو گئے کہ "یا اللہ! ہم تھکے ہوئے ہیں' آپ ہمیں تہجد کے وقت اٹھا دیجئے۔"

غیر آباد علاقے میں نماز جمعہ تو جائز نہیں' جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ نماز میں ہر مجاہد سرور وکیف' عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کے ایک عجیب عالم میں گم تھا اور قیام و قعود اور رکوع و سجود کی لذت اس احساس کے ساتھ دوبالا ہو رہی تھی کہ یہ زندگی کی آخری نماز ہے' ہر ایک اپنے رب ذوالجلال سے بزبان حال کہہ رہا تھا کہ:

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے، میرے جگر کا لہو
میرا نشیمن نہیں درگہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو
تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو

سہ پہر چار بجے افغان تنظیموں نے ارغون چھاؤنی، یوسف زامہ خولہ اور گرد و نواح کی تمام پوسٹوں پر اپنے اپنے مراکز سے گولہ باری اور میزائل داغنے شروع کر دیئے۔

جرأتِ رندانہ

ادھر جو مجاہدین مغربی پہاڑیوں سے پوسٹ کی طرف کوچ کا حکم سننے کے منتظر تھے، ان کی نظریں ایک پراسرار منظر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ۳ نوجوان نئی پہاڑی سے وادی میں اترتے نظر آئے، جو بہت احتیاط سے کیوں گھاٹیوں اور درختوں کی آڑ لے کر یوسف زامہ خولہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک کراچی کے قائم [illegible] تھے، دوسرے بجوڑ ایجنسی کے اختیار [illegible] اور تیسرے محمد رفیق ___ کمانڈر نے انہیں ایک خطرناک مہم پر روانہ کیا تھا ___ نیچے اتر کر کچھ دور تک تو یہ خشک ندی نالوں میں کبھی جھک کر کبھی بیٹھ کر چلتے رہے لیکن انہیں "یوسف زامہ خولہ" اور "پوسٹ عالم خان کلے" کے درمیان جو خالی زمین ہے، وہاں جانا تھا۔ اس طرف کوئی ندی نالہ نہ تھا جس میں چھپ کر آگے بڑھتے، چٹیل میدان تھا ___ وہاں پہنچ کر یہ لوگ لیٹ گئے اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے لگے ___ ۵ بجے کے بعد کا وقت تھا، ترچھی دھوپ میں اس میدان میں پڑا ہوا ایک ایک پتھر سامنے کے صاف نظر آ رہا تھا، دونوں پوسٹوں سے دشمن کے سپاہی انہیں باسانی دیکھ سکتے تھے، جن کا صرف

ایک گول تینوں کیلئے کافی ہو سکتا تھا ___ دیکھنے والے مجاہدین پر سکتہ سا طاری تھا.....
لیکن "چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس" رکھنے والے یہ جانباز پیٹ اور کہنیوں کے بل اس طرح کھسکتے چلے گئے جیسے کسی کھیل میں مگن ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد تھی کہ دشمن کی نظران پر نہ پڑی۔ یہاں تک کہ یہ تینوں کئی سو میٹر کا فاصلہ طے کر کے یوسف زامہ خول کے پیچھے تمام قدن قلعے کے قریب جا پہنچے اور کچھ کچھ فاصلے سے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پلاس تھے۔ پل بھر میں دونوں پوسٹوں کو ملانے والی ٹیلیفون لائن کٹ چکی تھی۔۔۔

یہ ڈرامائی کارنامہ انجام دے کر جب یہ واپس آئے اور کمانڈر صاحب کو ۲۰۰ میٹر لمبا وہ تار پیش کیا جسے کاٹ کر لائے تھے۔ تو ان کے چہروں پر کھلی ہوئی مسرت، چمکتے ہوئے گرد آلود کپڑے، سینوں میں بے تحاشا پھولا ہوا سانس اور کہنیوں سے رستا ہوا خون، شجاعت و جفاکشی کی ایسی داستان کہہ رہے تھے جو تاریخ کو صدیوں میں نصیب ہوتی ہے۔

بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللہی

اس ولولہ انگیز کامیابی نے مجاہدین کے ۴۲ افراد میں جو یقین و توکل اور دشمن کی صفوں میں جو تہلکہ برپا کیا اس نے آج شام کی جنگ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ شام کے سائے پھیل چکے تھے۔

اب کمانڈر زبیر اپنے ساتھ جانبازوں کا دستہ لے کر پہاڑی نعمران سے اترے۔ یوسف زامہ خول کی طرف جانے والے ایک خشک نالے میں پہنچ کر انہوں نے اس دستے کو ۲ حصوں میں بانٹ دیا۔ ۸ جانباز اپنے ساتھ رکھے اور ۳ کو "نصر اللہ" کی کمان میں شمال کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ پوسٹ پر ایک دوسرے کے راستے سے حملہ آور ہوں۔

نصر اللہ کے دستے میں "پنج عیدن" کے ایک پرانے مجاہد عبدالغفار کے پاس ایک

چھوٹی دور تک مار کرنے والی توپ R.R.82 بھی تھی تاکہ وہاں سے بارودی سرنگوں کی باڑھ سے کچھ
پہلے منتخب مقام پر نصب کر کے دشمن کے مورچوں کو نشانہ بنائیں اور مجاہدین اس فائر کے
سائے میں آگے بڑھ سکیں ۔ دونوں دستوں نے عصر کی نماز پڑھ کر آگے جا کر ادا کی ۔

سب افغان تنظیموں کی بیک وقت اور مسلسل گولہ باری سے دشمن کو اندازہ
ہو گیا تھا کہ آج کا حملہ غیر معمولی ہے ۔ ٹیلیفون کا رابطہ کٹ جانے سے وہ اس خوف میں
گرفتار ہو گیا کہ مجاہدین اس کے عقب میں بھی پہنچ چکے ہیں ۔ اس لئے وہ بھی ہر طرف اندھا
دھند گولہ باری کر رہا تھا ۔ پورے علاقے میں حشر برپا تھا ۔ عصر کے کوئی دیر بعد اچانک
دشمن کی نظر کمانڈر زبیر کے دستے پر پڑ گئی جو کافی آگے آ کر اب نالے کے ایک موڑ سے گزر
رہا تھا ۔ اسی لمحے مشین گنوں اور اینٹی ایئر کرافٹ گنوں کے سارے فائر اس دستے پر ٹوٹ
پڑے ۔

مجاہدین کی بے بسی

یہ جانباز فوراً نالے کے کنارے کی ناتمام اوٹ میں چپٹ لیٹ گئے گولوں اور
گولیوں کا قیامت خیز طوفان ان کے اوپر سے گزر رہا تھا ۔ یہ برست عالم خان تعدا اور
یوسف زاہد خالد دونوں طرف سے آ رہے تھے ۔ اور گز بھر آگے جا کر نالے کی ایک ایک
انچ زمین میں پیوست ہو رہے تھے ۔ سر اٹھانا ناممکن تھا ۔ ہر ایک کی زبان پر کلمہ طیبہ
اور ہر ایک شہادت کا منتظر ۔

ذرا پہلے یہ جس ترتیب سے آگے بڑھ رہے تھے اسی ترتیب سے زمین سے
چپکے ہوئے لیٹے رہے ۔ چوتھے نمبر پر محمد امین کشمیری تھے ۔ بڑی مشین گن کی ایک گولی
ان کی ران میں لگی اور شگاف کر کے ران سے پار ہو گئی مگر اللہ تعالیٰ نے ہڈی ٹوٹنے
سے بچا لیا ۔

اس جنگ کے یہ پہلے زخمی تھے ۔ ساتھیوں سے کہا "میری فکر نہ کرو ، موقع ملے
تو پیش قدمی شروع کر دینا" ۔ اس دستے میں پہلے سے طے کر کے افراد چنے گئے تھے

زامہ خولہ پوسٹ کا نقشہ
پہاڑیاں

"ارغون" پر مجاہدین کا قبضہ

اوپر دی گئی تصاویر ماہنامہ الارشاد شمارہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ سے لی گئی ہیں

کہ جو زخمی ہو گا وہ پیچھے چلا جائے گا نہیں اور اس کے لئے کوئی پیچھے نہیں رہے گا۔ چنانچہ میداں کو بھی جنگ کے بعد دوسرے زخمیوں کے ساتھ ہی اٹھایا گیا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی کہ یہاں صرف ایک زخمی ہوا ورنہ دشمن اگر چند گز پیچھے فائر کر سکتا تو یہ تیس کے تیس اس کی زد میں تھے اسی حال میں سورج غروب ہو گیا سب نے لیٹے لیٹے اشاروں سے مغرب کی نماز ادا کی اور اس مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی رو رو کر دعا مانگی۔

منصوبے کے مطابق ٹھیک پونے ۶ بجے جبکہ آفتاب غروب ہونے والا تھا، افغان تنظیموں کی توپوں اور میزائلوں کے فائر بند ہو چکے تھے تاکہ پیش قدمی کرنے والے مجاہدین ان کی زد میں نہ آجائیں۔ اس گولہ باری کا مقصد صرف یہ تھا کہ دشمن کی چھاؤنی اور چوکیاں ایک دوسرے کو رسد کمک نہ پہنچا سکیں اور پیش قدمی کرنے والے مجاہدین پر آگے بڑھ کر حملہ نہ کر سکیں۔ متعین پروگرام کے مطابق اس وقت مجاہدین کے اس دستہ کو بارودی سرنگوں کی پٹی کے پاس خشک نالے میں ہونا چاہئے تھا تاکہ اندھیرا ہوتے ہی یہ اس پٹی پر راکٹ برسا کر اپنے لئے راستہ بنا لیتے مگر دشمن کی فائرنگ نے اس طوفان میں انہیں پیش قدمی روک کر اندھیرے کا یہیں انتظار کرنا پڑا ___ اس ناگہانی صورت حال سے پورے منصوبۂ جنگ کو دو بڑے نقصانات پہنچے ___ ایک نقصان یہ ہوا کہ کمانڈر زبیر کا وائرلیس سیٹ جو ان کی پشت میں لگا ہوا تھا، کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے کہیں نکل کر گم ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس دستہ کا رابطہ باقی مجاہدین سے کٹ گیا۔

بروقت کارروائی

ادھر "جند دیار" کا سات نفری دستہ جو مغرب میں "قاضی درہ" کے ایک پہاڑ پر مارٹر توپ نصب کر کے اپنی باری کا منتظر تھا، افغان تنظیموں کی گولہ باری بند ہوتے ہی اس نے دشمن کے ان مورچوں پر پوری رفتار سے گولہ باری شروع کر دی جو کمانڈر زبیر کے اور دوسری طرف نصراللہ کے پیش قدمی کرنے والے دستہ پر فائرنگ کر رہے تھے۔

اسی طرح "دوشکا" (اینٹی ایئرکرافٹ گن) کا دستہ جو قاری عابد فردوسی کی کمان میں ایک اور مغربی ٹیلے پر مورچہ زن تھا، اس نے بھی کارروائی کی۔ تیسری طرف سے بڑی مشین گن کا ۳ نفری دستہ جو ابوبکر بنگلہ دیشی کی کمان میں ایک اور قریبی ٹیلے پر گھات لگائے بیٹھا تھا، اس نے بھی فائر کھول دیا ــــ اس ۳ طرفہ کارروائی سے دشمن کے فائر کسی حد تک کم ہوئے، اور پیش قدمی کرنے والے دونوں گروپوں کو سہارا ملا ــــ کمانڈر زبیر نے موقع پاتے ہی آگے جا کر نالے میں دور تک جائزہ لیا، اور واپس آ کر اپنے جانبازوں کے ساتھ فوراً پیش قدمی شروع کر دی۔

اندھیرا بڑھ چلا تھا، اب "جہادیار" قاری عابد اور ابوبکر تینوں بہت احتیاط سے فائر کر رہے تھے۔ وہ ہر فائر سے پہلے یہ اچھی طرح دیکھ لیتے کہ کمانڈر زبیر یا نصراللہ کے دستہ کا کوئی مجاہد اس کی زد میں تو نہ آ جائے۔

خوفناک ــــ اور عجیب

اسی دوران یہ خوفناک واقعہ پیش آیا کہ جہادیار نے ۵۲ واں گولہ فائر کیا تو وہ پوسٹ زامہ خولہ سے پہلے ہی پیش قدمی کرنے والے مجاہدین کے پاس جا گرا ــــ جہادیار کے تن بدن میں خوف کی بجلی سی دوڑ گئی، گھبرا کر ــــ وہ تو یہی کہتے ہیں کہ:

"میں نے دوربین سے دیکھا تو بے ساختہ میرے منہ سے "الحمدللہ" نکلا کیونکہ وہ گولہ پھٹا نہیں تھا، اگر پھٹ جاتا تو پتہ نہیں کتنے شہید اور کتنے زخمی ہو جاتے۔"

یہ کہتے ہیں "میں نے اس شام کل سو گولے فائر کئے" ــــ سب پھٹے، صرف یہ گولہ نہیں پھٹا۔

اس التفات خاص کا، میں لطف کیا کہوں
جس نے دیا تھا درد، وہی غم گسار ہے
(حضرت عارفی)

بہرحال! جماعت کے قاری حامد اور ابوبکر جب تک پیش قدمی کرنے والے مجاہدین کے دونوں گروپوں کو اپنی دوربینوں سے دیکھتے رہے، دشمن کے مورچوں پر تاک تاک کر فائر کر کے دونوں گروپوں کو سہارا دیتے رہے ______ اندھیرا چھا جانے کے بعد پھر ان کو بھی فائر روکنے پڑے۔

دشمن کے فائروں میں پھر تیزی آگئی تھی اب وہ اندھیرے میں اٹکل پچوں فائر کر رہا تھا۔ کمانڈر زبیر کا دستہ گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے ندی نالوں میں چھپتا اور گرتا پڑتا ہوا مردانہ وار آگے بڑھ رہا تھا۔ کمانڈر زبیر سب سے آگے تھے، ان کے پیچھے نائب کمانڈر (اول) مولوی عبدالرحمن فاروقی اور دو مجاہد ساتھی۔

اچانک دشمن کا ایک گولہ پاس آکر پھٹا اور اس کا ایک دہکتا ہوا پرچہ عبدالرحمن کی پنڈلی کاٹتا ہوا نکل گیا۔ زخم بڑا تھا مگر ہڈی بچ گئی ___ خون روکنے کیلئے کمانڈر زبیر نے فوراً اپنے رومال سے ان کی پنڈلی کس کر باندھی اور دونوں تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

کمانڈر صاحب کا خیال تھا کہ دوسری طرف سے گروپ کمانڈر "نصراللہ" منصوبے کے مطابق اپنے تین جانبازوں کو لے کر پوسٹ پر حملہ آور ہو گیا ہوگا، اس لئے یہ جلد سے جلد وہاں پہنچنا چاہتے تھے ___ لیکن وائرلیس کی عدم موجودگی میں انہیں معلوم نہ ہوسکا کہ وہ گروپ بھی ایک جان لیوا صورت حال میں گرفتار ہو چکا ہے!

آرزو وہ تھی کہ اب ور بھی گردوں کے پاس
سختئ تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ!

کڑی آزمائش

"نصراللہ" کا دستہ مغرب کے وقت بارودی سرنگوں کی پانچ سے چھ فاصلے پر پہنچ گیا تھا، یہاں عبدالغفار نے اپنی مورچہ شکن توپ نصب کر کے نماز کے بعد پوسٹ کے

مورچوں پر فائرنگ شروع کر رکھی تھی تین ساتھی گولے دینے کے لئے ان کے ساتھ رہے ' باقی آگے بڑھ گئے ' اور دشمن کی فائرنگ میں مردانہ وار پیش قدمی کرتے ہوئے پوسٹ نامہ خولہ کے اتنے قریب جا پہنچے کہ وہاں سے انہوں نے دشمن پر کلاشنکوفوں سے جوابی فائر شروع کر دیا۔ بشیر احمد صابر جو نصر اللہ کے پیچھے تھے کلاشنکوف کی دو میگزینیں خالی کر چکے تھے تیسری کی باری تھی۔

یہ سب جانباز فائر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے مگر اندھیرے میں ان کو بارودی سرنگوں کی باڑھ نظر نہ آئی جس پر راکٹ برسا کر انہیں اپنے لئے راستہ بنانا تھا ۔۔۔۔ اس کے جال میں پھنسنے کا علم انہیں اس وقت ہوا جب گروپ کمانڈر نصر اللہ ' بارود کے ایک خوفناک دھماکے سے بری طرح زخمی ہو کر گر پڑے ' اور چلنے کے قابل نہ رہے ' انہیں اٹھانے کیلئے صابر آگے بڑھے تو ایک اور بارودی سرنگ ان کی دونوں ٹانگوں کے درمیان زبردست دھماکے سے پھٹی ' یہ بھی زخمی ہو کر گرے ۔۔۔۔ پھر لگاتار دھماکوں سے کئی اور ساتھی شدید زخمی ہو کر گر پڑے ۔۔۔ چند گز چوڑی باڑھ تاروں والی بارودی سرنگوں سے اس طرح پاٹی گئی تھی کہ کہیں ایک قدم رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔

کچھ افغان ساتھی ابھی اس باڑھ میں داخل نہیں ہوئے تھے ' لیکن وہ بھی اب راکٹ برسا کر راستہ بنانے کے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایک ہی راکٹ سے نہ جانے کتنی سرنگیں بیک وقت پھٹ کر ان زخمی ساتھیوں کی جانیں لے لیتیں جو باڑھ کے اندر بے بس پڑے تھے۔

بشیر تو تھوڑی دیر بعد کسی طرح خود ہی اس باڑھ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ' باقی زخمیوں کو عبدالغفار اور افغان ساتھیوں نے اپنی جان پر کھیل کر نکالا ' اور پیچھے لے آئے ۔۔۔ غرض اس رات کا کوئی ساتھی باڑھ کو عبور نہ کر سکا ۔ البتہ عبدالغفار اپنی توپ سے کمانڈر زبیر کے دستے کو مدد دینے کیلئے عشاء تک فائر کرتے رہے ' انہوں نے ۱۵۔ ۲۰ گولے پھینکے تھے جن سے دشمن کے بعض مورچوں کو نقصان پہنچا۔

اب صرف کمانڈر زبیر کا سخت جان دستہ ہی بارودی سرنگوں کی خوفناک باڑھ کو

عبور کرنے اور پوسٹ نامہ خول پر چڑھائی کیلئے باقی رہ گیا تھا' زخمی الیاس کے ندی میں رہ جانے کے بعد اب یہ صرف ۲۹ جانباز تھے' جو گھپ ٹوپ اندھیرے اور دشمن کی اندھا دھند فائرنگ میں تن تنہا آگے بڑھ رہے تھے۔ وائرلیس ساتھ نہ ہونے کے باعث نہ ان کو دوسرے دستوں کا حال معلوم تھا' نہ دوسروں کو ان کے بارے میں یہ معلوم کہ :

کون سی وادی میں ہے' کون سی منزل میں ہے؟
عشق بلا خیز کا' قافلہ سخت جان

انتہائی خطرناک صورتحال

اسی خیال سے کہ بارودی سرنگوں کی باڑھ اب قریب ہوگی' یہ اس پر راکٹ برسانے کی تیاری کر چکے تھے کہ بڑھتے بڑھتے اچانک رحمت اللہ بنگلہ دیشی کا پاؤں ایک تار میں الجھ گیا۔ بارودی سرنگ خوفناک دھماکے سے پھٹی' اور وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ لگاتار کئی اور دھماکے ہوئے' اور بہت سے ساتھی زخمی ہو کر گر پڑے ـــــ اب پتہ چلا کہ یہ بھی بارودی سرنگوں کی باڑھ میں پھنس چکے ہیں۔ اب راکٹ برسانے کے منصوبے پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ پیچھے اور آگے پیچھے' دائیں بائیں ہر طرف بارودی سرنگوں کا جال تھا' جس میں ہر دھماکے کے ساتھ جانباز زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ دشمن کی فائرنگ بھی زوروں پر تھی ـــــ تدبیریں فیل' اور منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ بظاہر اب کسی کے بچنے کا امکان نہ تھا۔

اسی دوران گرے ہوئے زخمیوں نے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو آواز دی کہ "یہاں ہر طرف بارود ہے' زمین پر پاؤں نہ رکھنا' ہمارے سینوں پر پاؤں رکھ کر آگے بڑھو" اس مقصد کیلئے جس جس سے ممکن ہوا سیدھا لیٹ گیا' تاکہ ان آنے والوں کا پاؤں بارودی سرنگ پر نہ پڑ جائے۔

کسمپرسی اور انتہائی بے بسی میں ہر مجاہد اللہ تعالیٰ کے حضور سراپا التجا اور مجسم فریاد بن گیا اور اسی کی رحمت بے پایاں کے بھروسہ پر' جو جانباز ابھی گرے نہیں تھے وہ دو

کراہتے ہانپتے ہوئے پھلانگ پھلانگ کر آگے بڑھتے گئے ۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

نصرت غیبی

یہ واقعہ اگر میں نے خود ان جانبازوں سے براہ راست نہ سنا ہوتا تو مشکل سے اس پر یقین آتا کہ یہ باقی ماندہ جانباز اس بارود میں سے بے تحاشا بھاگتے بھاگتے پار ہو گئے ان کے پاؤں تلے کوئی بھی بارودی سرنگ نہیں پھٹی ۔۔۔ یہ لوگ زبیر، مولوی عبدالرحمٰن، بدر احمد اور خالد احمد کراچوی وغیرہ تھے ۔

مجاہد عمران کے مدنی جن کا تعلق فیصل آباد سے ہے اور ۱۹۸۵ء سے محاذ پر لڑتے رہے ہیں کہتے ہیں :

"ہمارے ساتھ ایک مجاہد "بھائی سرفراز" تھے جو حال ہی میں تبلیغ میں ایک چلہ لگا کر آئے تھے ۔ جنگ سے قبل تین دن تک وہ بار بار یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! ہماری ایسی نصرت فرما، ایسی نصرت فرما کہ ہم تیری نصرت کو آنکھوں سے دیکھیں" :
ہمیں بارودی سرنگوں کی بابت میں واقعی اللہ تعالیٰ کی نصرت نظر آئی ۔ ہمیں ایسے راستے سے گزارا گیا کہ جہاں بارود کا نام و نشان بھی نہ ملا ۔"

نصراللہ بھائی مزید تفصیل بتاتے ہیں کہ :

"جن راستوں پر ہم ساتھی گئے تھے، ہم نے اگلی صبح ان راستوں کو چیک کیا تو وہاں بے شمار بارودی سرنگیں تھیں جن کو ہم نے ناکارہ بنایا ______ مجاہدین ان کے اوپر سے

بڑے۔ آگے میں تھا‘ میرے پیچھے عبدالرحمن‘ ان کے
پیچھے عدیل احمد۔ ہم ایک مورچے کے بالکل سامنے آگئے جہاں
سے تین دشمن گن چلا رہے تھے‘ ان کا برسٹ ہمارے آس
پاس سے گزر رہا تھا ___ میں نے عدیل کو اس مورچے پر
راکٹ مارنے کا حکم دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر R.P.G-7 چلایا‘
راکٹ لگتے ہی مورچے سے فائرنگ بند ہوگئی۔"

اس اہم مورچے کے ٹوٹ جانے سے دشمن کے دفاعی حصار میں فیصلہ کن شگاف پڑا اور ان سرفروشوں کو ادھر سے یلغار کا موقع مل گیا۔ بقول بھائی جون مرحوم

راستے کھلتے گئے‘ عزم سفر کے سامنے
منزلیں ہی منزلیں‘ اب نظر کے سامنے

مرکزی پوسٹ پر چڑھائی

کمانڈر زبیر پوری قوت سے نعرہ تکبیر لگا کر اس مورچے کی طرف دوڑے‘ پیچھے سرفروش نعرے لگاتے ہوئے ان کے ساتھ ہو لئے اور باقیوں نے اسی ٹیلے پر مختلف سمتوں سے خاموش چڑھائی شروع کر دی ___ کراچی کے مجاہد "خالد محمود راجپوت" جنہوں نے آج سے پہلے دشمن کا ٹیلیفونی رابطہ کاٹنے کا شاندار کارنامہ انجام دیا تھا لکھتے ہیں کہ:

"مجھے اوپر کی طرف جانے والی ایک پگڈنڈی مل گئی‘ اس پر
تھوڑا چڑھنے کے بعد مجھے دائیں طرف ایک مورچے میں تین
فوجی بیٹھے نظر آئے جو ہمارے پیش قدمی کرنے والے ساتھیوں
(کمانڈر زبیر وغیرہ) پر کلاشنکوفوں سے فائر کر رہے تھے ___
میں ان کے بالکل قریب سے گزر رہا تھا‘ پیچھے کی میرے لئے
کوئی جگہ نہیں تھی مگر اندھیرے میں وہ سمجھے کہ میں ان کا آدمی
ہوں‘ مجھے دیکھتے ہی وہ فارسی میں زور زور سے بولے ’بیادرا!

بلند ہوئی "اس طرف انتظار ہے" (بھاگو مارو مارو) اس
طرف "تخریب کار" (مجاہدین) ہیں" ـــــ میں ان کی
بات سن کر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا، چند قدم
آگے ایک ٹوٹا ہوا مورچہ نظر آیا، میں نے بھاگ کر اس کی آڑ میں
پوزیشن سنبھال لی، اور ان فوجیوں پر کلاشنکوف سے برسٹ
مارا (جس سے میگزین کی تیس کی تیس گولیاں بیک وقت فائر
ہو جاتی ہیں) ـــــ وہ گھبرا کر مورچے سے نکلے اور اندھیرے
میں غائب ہو گئے۔

توپ پر ڈرامائی قبضہ

خالد محمود آگے کا حال بتاتے ہیں کہ:

"مجھے پتہ تھا کہ ادھر مغرب کی طرف ان کی بڑی توپ نصب
ہے، میں اس پر قبضہ کرنے کیلئے بڑھا، اور اندھیرے میں توپ
کے مورچے کے بالکل عقب میں آ گیا، اس مورچے میں چار
مسلح فوجی بیٹھے تھے، توپچی بھاگ چکا تھا، میری طرف ان کی پیٹھ
تھی ـــــ اچانک میں نے دیکھا کہ میری کلاشنکوف میں چڑھی
ہوئی میگزین تو (پچھلے برسٹ سے) خالی ہو چکی ہے ـــــ
میں فوجیوں کے بالکل سر پر کھڑا تھا، میگزین بدلنے کی کوشش
کرتا تو ہلکی سی کھٹک انہیں چونکا دیتی، اور جتنی دیر میں نئی میگزین
چڑھاتا، وہ میرا جسم گولیوں سے چھلنی کر ڈالتے ـــــ ذہن میں
فوراً ایک خیال آیا، میں بلی چال چلتے ہوئے ان کے اور قریب
ہو گیا اور پیچھے سے پوری قوت سے دھاڑا "تسلیم شو" (ہتھیار
ڈال دو) ـــــ خدا کی قدرت کہ میری آواز سنتے ہی ان پر اتنا

خوف چھایا کہ وہ سب یک وقت چیخ اٹھے "تسلیم تسلیم" (ہم ہتھیار ڈالتے ہیں) ۔۔۔ میں نے دوبارہ (فارسی میں) چیخ کر کہا سب اوندھے منہ زمین پر لیٹ جاؤ اور ہتھیار دور پھینک دو" انہوں نے مشینی انداز میں میرے حکم کی تعمیل کی ۔۔۔ میں نے موقع پاکر جلدی سے میگزین تبدیل کی اور فوراً دو چار ہوائی فائر کئے ۔۔۔ وہ اور سہم گئے ۔ پھر اپنی جیب سے کچھ تسمے نکالے جو اسی نیت سے ساتھ رکھے تھے میں نے وہ تسمے ان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "یہ تسمے اٹھالو اور فوراً ہر ایک دوسرے کے ہاتھ پیچھے باندھ دے" ۔۔۔ فوجیوں نے بے چوں وچرا تعمیل کی ۔۔۔ اب میں نے آگے بڑھ کر ان کی کلاشنکوفوں کی میگزینیں نکالیں' اور ان فوجیوں کو اسلحہ سمیت لے کر آگے چل دیا ۔ راستے میں اور ساتھی بھی آ گئے ۔

اس دور میں بھی مرد خدا کو ہے میسر
جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی

افغان مجاہدین کی موثر کارروائی

کمانڈر زبیر کا وائرلیس گم ہو جانے کے بعد سے مجاہدین کے تمام گروپوں کا رابطہ ان سے کٹ گیا تھا' ہر طرف سخت تشویش پھیلی ہوئی تھی' مولانا ارسلان رحمانی جو اپنے مرکز کے پاس زیزہ میں افغان مجاہدین کے ساتھ بالکل تیار حالت میں تھے' وائرلیس پر ان کا رابطہ مجاہدین کے باقی گروپوں سے قائم تھا' کمانڈر زبیر کے دستے کا حال معلوم نہ ہونے سے وہ بھی سخت پریشان تھے ۔

"قاضی دره" کے پہاڑ پر "جماوبار" دوران کے ساتھی اپنی مارٹر توپ کے پاس انتہائی بے بسی اور اضطراب کی حالت میں اندھیرے کے باوجود دوربینوں سے پوسٹ کے

حالات کا جائزہ لینے کی ہر ممکن کوشش میں لگے ہوئے تھے ـــــ کچھ دیر تک بغور جائزہ لینے کے بعد انہیں وہاں ہونے والی فائرنگ کے شعلوں ' آوازوں ' اور فائرنگ کے بدلے ہوئے رخ سے یقین ہو گیا کہ کچھ ساتھی پوسٹ میں گھس چکے ہیں ' اور وہاں جنگجو مجاہدوں سے لڑائی ہو رہی ہے ۔ انہوں نے اس کی اطلاع وائرلیس پر مولانا رحمانی کو دی ۔ مولانا نے یہ اطلاع ملتے ہی پوسٹ زامہ خوہ کے مشرق میں موجود افغان مجاہدین کو وائرلیس پر ایک خفیہ سگنل دیا اور خود اپنے جانبازوں کو جیپوں اور ٹرکوں میں لے کر ایک جنوبی ندی سے ' وادی ارغون کو عبور کر کے پوسٹ زامہ خوہ کے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے ۔

مشرق سے افغان مجاہدین نے ' جنہیں سگنل دیا گیا تھا ' فوراً عالم خان قلعہ پر انتہائی شدید تیز حملہ کیا ۔ میزائلوں ' توپوں اور مشین گنوں کے علاوہ انہوں نے آگے بڑھ کر کلاشنکوفوں سے بھی زبردست فائرنگ کی ۔ بارودی سرنگوں کی باڑھ یہاں بھی تھی ' اس لئے یہ قلعہ میں تو نہ گھس سکے ' لیکن یہ حملہ اتنا بھرپور تھا کہ عالم خان قلعہ کے فوجیوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے ' اور انہیں " پوسٹ زامہ خوہ " کو بھلا کر اپنی پوری طاقت اس حملہ کو روکنے پر لگانی پڑی ـــــ اس بروقت موثر کارروائی سے کمانڈر زبیر اور ان کے ساتھیوں کو پوسٹ زامہ خوہ میں اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا موقع مل گیا ۔

مرکزی پوسٹ پر قبضہ

کمانڈر زبیر اور ان کے ساتھی ' سامنے کا اہم مورچہ فتح کر چکے تھے ' اور پرجوش نعرے لگاتے ہوئے دوسرے مورچوں کی طرف بڑھ رہے تھے ـــــ دشمن فوجیوں کو سب سے زیادہ اعتماد بارودی سرنگوں کی باڑھ پر تھا ' انہوں نے جب یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ وہ باڑھ بھی ان کا راستہ نہیں روک سکی ' اور یہ " بلائے بے درماں " اب آگے مورچوں کو تباہ کرتی ' اور فتح کے نعرے لگاتی سر پر آ پہنچی ہے ' تو ہمت ہار کر فوجی اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ کمانڈر زبیر کہتے ہیں کہ :

"ہم نے پوسٹ سے تقریباً دس میٹر کے فاصلے پر پہنچ کر دشمن
ہی کے ایک خالی کئے ہوئے مورچے میں پوزیشن لے لی۔
ہمارے پیچھے "حرب اللہ" آر پی جی کے ساتھ عرب مجاہد
"ابوالورث" تھا دونوں نے وہاں پہنچ کر سامنے کی عمارت پر
سات راکٹ مارے جس سے زاسہ خولہ کا مرکزی کمانڈر زخمی
ہو کر بھاگ نکلا۔ اس کا بھاگنا تھا کہ باقی فوجیوں کے حوصلے بھی
جاتے رہے اور جس کا رخ جدھر تھا وہ اسی طرف بھاگ کھڑا
ہوا____"

کچھ ساتھیوں نے اندر جا کر اس عمارت کی تلاشی لی اور باقیوں نے آگے بڑھ کر ایک اور مورچے پر راکٹ مارا تین فوجی وہیں ڈھیر ہو گئے، جو زندہ بچے وہ مورچے میں دبکے ہوئے تھر تھر کانپ رہے تھے، فاتح مجاہدین نے انہیں فوراً گرفتار کر کے حکم دیا "آگے آگے چلو اور راستہ بتاؤ"۔

ان کی طرف تابڑ توڑ کارروائیوں سے دشمن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ رہے سہے فوجی بھی اپنے اپنے مورچے چھوڑ کر خندقوں کے راستے بھاگ کھڑے ہوئے____ جنہیں راہ فرار نہ ملی وہ پوسٹ کے نیچے دو زمین دوز کمروں میں جا چھپے، یہ کمرے فاصلے فاصلے سے تھے، ہر کمرے کے آگے بہت ہی نیچی چھت کا ایک ایک سائبان تھا جو مورچے کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس سے گزر کر اندر ایک ایک تہ خانہ تھا، وہ بزدل اب انہیں تہ خانوں میں چھپے ہوئے تھے، ان کمروں کے سائبان اور مورچے، مجاہدین کی آن کی زبردست گولہ باری سے پہلے ہی تباہ ہو چکے تھے۔

ہر تہ خانے سے دوسرے تک آنے جانے کیلئے نیچے ہی نیچے خندقیں بنی ہوئی تھیں۔ فاتح مجاہدین منتشر ہو کر ان زمین دوز کمروں پر چڑھ دوڑے، جو کمرہ سامنے آتا یہ پہلے اس پر راکٹ یا دستی بم مارتے، پھر اندر گھس کر زندہ فوجیوں کو گرفتار کر لیتے۔ اس طرح کتنے ہی فوجی ہلاک، زخمی اور گرفتار ہوتے چلے گئے____ اس کارروائی کے دوران کچھ

جانباز بڑی توپ کی طرف بڑھے لیکن ادھر سے خالد محمود جواں پر پہنچے ہی قبضہ کر چکے تھے' اپنے قیدیوں کو ہانکتے ہوئے لا رہے تھے۔ ان سب نے مل کر تمام قیدیوں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

آج سہ پہر سے اچانک شروع ہونے والے حملے سے جو سراسیمگی یہاں کے فوجیوں میں پھیلی تھی' اس کی کچھ داستان ان کمروں کے بعض مناظر سے معلوم ہوئی۔ خالد محمود کہتے ہیں کہ ایک کمرے میں میز پر کاغذ' اور اس پر ایک قلم پڑا تھا' کسی فوجی نے اپنے عزیز کو خط لکھنا شروع کیا تھا مگر جملہ بھی ادھورا رہ گیا تھا ___ ایک کمرے میں چاول کی ایک پلیٹ رکھی تھی' جس سے دو تین لقمے کھائے گئے تھے' چمچہ وہیں پڑا تھا ___ ایک اور کمرے میں دودھ کا گلاس رکھا تھا جس میں سے شاید صرف دو گھونٹ پیے گئے تھے ___ بعض کمروں میں تاش کے بکھرے ہوئے پتے "طاؤس و رباب آخر" کی داستان عبرت سنا رہے تھے۔

کرامتوں کا ظہور

آج ان سرفروشوں کو جہاں طرح طرح کی سخت آزمائشوں سے واسطہ پڑا' وہیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و عنایت کے ایسے عجیب و غریب کرشمے سامنے آتے رہے جن سے ایمان کو تازگی اور دلوں کو نئی قوت نصیب ہوئی' بقول حضرت مرشد عارفی ؒ

اک طرز التفات کرم ہے جفائے دوست
دل چاہتا ہے روز نیا امتحاں رہے

حزب اللہ ڈوگر کا' جو بہت پرانے مجاہد ہیں' بیان ہے کہ:

"میں مولانا عبدالرحمٰن کے ساتھ تھا' آگے جاکر مجھے پتہ نہ چلا کہ وہ کس طرف چلے گئے' سامنے ایک کمرہ تھا' میں نے اس کے دروازے سے ایک راکٹ اندر مارا' لیکن راکٹ پھٹنے کی آواز نہ آئی' میں حیران تھا کہ راکٹ پھٹنے کی آواز بہت زیادہ ہوتی ہے'

آواز کیوں نہیں آئی؟ اسی اثنا میں ایک زخمی کمرے سے باہر نکلا، اس کے پیچھے مولانا عبدالرحمٰن اور دو ساتھی نکلے (جو اسے گرفتار کرکے باہر لا رہے تھے) مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ بھی اسی کمرے میں تھے ۔ میں نے جا کر کمرے میں دیکھا، راکٹ کا گولہ ٹوٹ گیا تھا، پھٹا نہیں تھا! اگر وہ پھٹ جاتا تو مولانا عبدالرحمٰن اور دو دوسرے ساتھی بھی زخمی ہو جاتے ۔"

حزب اللہ ہی دوسرا واقعہ سناتے ہیں کہ :

> "میں نے دستی بم (گرنیڈ) ایک کمرے کے روشندان سے اندر پھینکا وہ روشندان میں جا کر پھنس گیا، نہ اندر گیا، نہ پھٹا، جبکہ گرنیڈ بم کو جب پن نکال کر پھینک دیا جائے تو اسے بہرحال پھٹنا ہی ہوتا ہے، اسے پھٹنے سے روکا نہیں جا سکتا ـــــ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ قریب ہی اپنے مجاہد ساتھی تھے، خدا تعالیٰ کے حکم سے وہ بم پھٹا ہی نہیں ۔"

خلاصہ یہ کہ بقول حضرت کیفی مرحوم

محبت درد میں ہر بار یہ ہوا محسوس
اک ہاتھ قلب پہ آہستگی کے ساتھ آیا

حزب اللہ اسی موقع کا تیسرا واقعہ سناتے ہیں کہ :

> "کمانڈر زبیر نے مجھے اور عدیل کو (مرکزی پوسٹ کے) ان کمروں کی تلاشی لینے بھیجا جن کو تالے لگے ہوئے تھے، ہم دروازے کو ایک لات مارتے وہ ٹوٹ کر دور جا گرتا ـ حالانکہ دروازے ٹھیک ٹھاک مضبوط بنے ہوئے تھے، میرے دل میں خیال آیا کہ کمزور بنے ہوئے ہیں اسی لئے ایک لات سے ٹوٹ

جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اگلے دروازے کو لات مار ی تو وہ ٹوٹا' دو تین بار زور سے لاتیں ماریں مگر وہ نہ ٹوٹا' عمران نے بھی پوری قوت سے لاتیں ماریں' وہ ٹس سے مس نہ ہوا' صفدر آیا' اس نے بھی کوشش کی' پھر ہم تینوں نے مل کر کوشش کی مگر دروازہ نہ ٹوٹا جب ہم ناکام ہو گئے تو خیال آیا کہ میرے دل میں تھوڑی دیر قبل ایک غلط بات آئی تھی' تو میں نے فوراً دل میں اللہ پاک سے استغفار کی' اور کہا "یا اللہ! یہ دروازے بہت مضبوط ہیں' ہم سے نہیں ٹوٹتے' ہم تیری نصرت چاہتے ہیں" ___ یہ کہہ کر میں نے لات ماری ___ دروازہ ٹوٹ کر دور جا گرا۔"

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں' اپنے عمل کا حساب

معاون پوسٹوں پر قبضہ

کمروں کی تلاشی کے دوران ہی کچھ مجاہدین شمالی معاون پوسٹوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہو گئے تھے' ان دونوں پوسٹوں میں صرف ایک ایک دو دو کمرے تھے' ایک مارٹر توپ اور تین بڑی مشین گنیں پختہ مورچوں میں نصب تھیں۔ لیکن مرکزی پوسٹ سے بھاگنے والے فوجیوں نے بھی وہیں پناہ لی تھی۔ وہاں کے فوجی پہلے ہی مرکزی پوسٹ پر مجاہدین کے قبضے اور عالم خان قلعہ پر افغان مجاہدین کے شدید حملے سے گھبرائے ہوئے تھے' ان بھگوڑے فوجیوں نے انہیں آپ بیتی سنا کر اور سراسیمہ کر دیا۔ چنانچہ ان کیلئے مٹھی بھر مجاہدین کے صرف ایک دو راکٹ ہی کافی ہو گئے' وہ بدحواس ہو کر یہاں سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے' کچھ گرفتار کر لئے گئے

مرکزی پوسٹ پر قبضہ مکمل ہوتے ہی کمانڈر زبیر نے جنوبی پوسٹ پر کارروائی

کیلئے عدیل اور خالد محمود کو کچھ جانبازوں کے ساتھ روانہ کیا ۔ اس پوسٹ میں دو مارٹر توپیں اور دو بڑی مشین گنوں کے مورچے تھے ' وہاں سے اب تک فائر آ رہا تھا   اسی پوسٹ کے جنوبی کنارے پر دیوہیکل روسی ٹینک زمین دوز مورچے میں کھڑا تھا ـــــ وہی ٹینک جو مجاہدین کے سابقہ تمام حملوں کے جواب میں ان پر گولے برسایا کرتا تھا۔ کئی ماہ قبل جب ہم نے پوسٹ پر حملہ کیا تھا ۔ اس وقت بھی اس نے ہمیں نشانہ بنانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی ۔

کمانڈر زبیر نے سب قیدیوں کو ایک جگہ بند کروا کر ان کی حفاظت کیلئے عبدالکریم ندیم اور کچھ ساتھیوں کو چھوڑا ' اور خود بھی جنوبی پوسٹ کی سرکوبی کیلئے جا پہنچے ' اور میگا فون پر اعلان کیا کہ "تمام فوجی ہتھیار ڈال دیں ' ورنہ سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا" ـــــ یہاں سے بھی بہت سے فوجی بھاگ چکے تھے ' باقیوں نے ہتھیار ڈالنے ہی میں عافیت سمجھی ' جنہوں نے مزاحمت کی انہیں خمیازہ بھگتنا پڑا ـــــ غرض رات کے تقریباً بارہ بجے تک چاروں پوسٹیں اللہ کی مدد سے مجاہدین کے قبضے میں آ چکی تھیں ۔ دشمن کے بچپن فوجی گرفتار اور بہت سے ہلاک ہوئے ' باقی ارغون چھاؤنی کی طرف بھاگ گئے تھے ۔

ابھی تک ان فاتح مجاہدین کا رابطہ مجاہدین کے باقی گروپوں سے کٹا ہوا تھا ' اور ان میں سے کوئی بھی بارودی سرنگوں کی باڑھ عبور نہ کر سکا تھا ' سوائے عبدالغفور کے کہ وہ کئی گھنٹوں کی لگاتار کوشش سے اپنے راستے کی بارودی سرنگوں کو یکے بعد دیگرے ناکارہ بنا کر گیارہ بجے کے بعد فاتح مجاہدین سے آ ملے ۔

زخمی مجاہدین اور شہید

چاروں پوسٹوں سے فائرنگ کی آوازیں بند ہوئیں تو بارودی سرنگوں میں پھنسے ہوئے زخمی ساتھیوں نے   جواب تک انتہائی صبر کے ساتھ اس لئے خاموش پڑے تھے کہ باقی مجاہدین کی کارروائیوں میں خلل نہ آئے ـــــ آوازیں دے کر اپنی طرف متوجہ کیا ۔ عبدالکریم ندیم اور بختیار حسین نے آوازیں سنیں تو ایک اور ساتھی کو

قیدیوں کے پاس چھوڑ کر اس طرف روانہ ہوئے۔

یہاں دیکھا تو مولانا عبدالقیوم جو زبیر دستے کے قائد تھے اور ابوبکر جو بڑی مشین گن کے دستے کے امیر تھے یہ دونوں بھی زخمی پڑے تھے اور کمانڈر زبیر کے دستے چلنے کی کوشش میں بارودی سرنگوں سے زخمی ہوئے تھے ____ انہیں اٹھانے کی کوشش میں ایک اور بارودی سرنگ پھٹ گئی جس سے عبدالکریم اور مختیار بھی زخمی ہو کر گر پڑے اور ابوبکر دوبارہ زخمی ہوگئے ان کے پورے جسم پر شدید زخم آئے اسی اثنا میں کمانڈر زبیر آگئے زخمیوں نے انہیں بارودی سرنگوں کے قریب آنے سے روکا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ گئے اور زخمیوں کو اٹھانے کی کاروائی منظم انداز میں شروع ہوئی جس میں قیدی فوجیوں سے بھی مدد لی گئی۔

رحمت اللہ بلوچ جو کمانڈر زبیر کے دستے میں بارودی سرنگوں کی زد میں سب سے پہلے زخمی ہو کر گرے تھے ان کے پاؤں میں بارودی سرنگوں کا تار پھنسا ہوا تھا انہیں اٹھانے کی کوشش میں رہا تو بیک وقت دو بارودی سرنگیں اور پھٹ پڑیں اس حادثے سے مجاہد عبدالمختیار اور دو قیدی فوجی شدید زخمی ہوئے ایک المناک سانحہ یہ ہوا کہ رحمت اللہ دوبارہ زخمی ہو کر شہادت سے ہمکنار ہوگئے ____ یہ غریب الوطن جانباز آج کے معرکے کا واحد شہید ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت سید نفیس شاہ صاحب نے ایسے ہی جانبازوں سے رشک کے انداز میں کہا ہے کہ ــ

مجاہد! ناز کر اپنے مقدر پر کہ تو کل کو
شہیدان احد کا ہم پیالہ ہونے والا ہے

مولانا نثار سلطان کی پریشانی

مولانا نثار سلطان رحمانی اور دوسرے مجاہدین نے جب دور سے دیکھا کہ پوسٹ پر فائرنگ کے تبادلے کے بعد وہاں سکوت چھا گیا ہے اور کمانڈر زبیر کے دستے نے اب تک رابطہ نہیں کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سب یا تو شہید ہوگئے یا گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

رحمت اللہ شہید

اس تاریخی معرکے میں سب کا پہلے سے اندازہ یہ تھا کہ بہت سے مجاہد شہید ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آج کا یہ اعزاز بنگلہ دیش کے ۱۹ سالہ ہونہار "رحمت اللہ" کے حصہ میں لکھا تھا۔ یہ ڈھاکہ کے ایک عظیم دینی اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے' ان کے والد جناب "امداد اللہ" بنگلہ دیش کی سب سے بڑی جامع مسجد "بیت المکرم" میں اہم ذمہ داری پر فائز ہیں' اور دادا حضرت مولانا محمد اللہ صاحب رحمہ اللہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے' بنگلہ دیش کے مشہور ترین علماء و مشائخ میں ان کا ممتاز مقام تھا' "حافظ جی حضور" کے لقب سے مشہور تھے۔

رحمت اللہ شہید رحمہ اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں زیر تعلیم تھے۔ شہادت سے صرف ایک ماہ قبل پہلی بار جہاد میں شریک ہوئے اور کراچی واپس آگئے ـــ لیکن زندگی کے اس لذیذ ترین تجربے نے جہاد کی ایسی حلاوت اور قربانی کی ایسی تڑپ پیدا کی کہ چند ہی روز بعد تعلیم سے محاذ پر آکر پورا ایک سال جہاد کیلئے لکھوا دیا' پھر اصرار کر کے کمانڈر زبیر کے اس دستے میں شامل ہو گئے' جسے آج سب سے خطرناک اور فیصلہ کن کردار ادا کرنا تھا اور ـ شہادت کا عظیم تمغہ فتح کی خوشیاں ساتھیوں کیلئے چھوڑ گئے۔

شہید نے تین روز پہلے خواب دیکھا تھا کہ "ان کے دادا نے ان کی شادی کرائی ہے" یہ انہوں نے اپنے دوست بختیار کو شہادت کے روز صبح کو سنا کر کہا تھا "مجھے اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں آج کی جنگ میں ضرور شہید ہو جاؤں گا' تم پیچھے نہ ہٹنا اور میرے گھر والوں کو خوشخبری سنا کر ان کی تسلی کرنا"

شہید کے والد صاحب کو جب ڈھاکہ میں فون پر اطلاع دی گئی تو انہوں نے برجستہ کہا "مجھے شہادت کا اندازہ ایک خواب سے ہو چکا تھا' میں فون پر بات شروع کرنے سے پہلے ہی حاضرین کو اپنے مجاہد بیٹے کی شہادت کی خبر دے چکا ہوں"

شہید کو مجاہدین نے اپنی ایمبولنس میں کراچی پہنچایا پھر بذریعہ طیارہ ڈھاکہ لے جایا گیا جامع مسجد بیت المکرم ڈھاکہ میں علمائے کرام اور عوام و خواص کے جم غفیر نے نماز جنازہ پڑھی اور اپنے عظیم دادا کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

شہادت سے تین روز پہلے انہوں نے جو خواب دیکھا تھا اُسے اور امام المجاہدین رسول اللہ ﷺ کی اس عظیم بشارت کو دیکھئے جو شہید کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے کہ۔

"لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ، يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ مِنْ دَمِهِ وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ، وَيُزَوَّجُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ"

"شہید کے واسطے اللہ کے پاس چھ انعامات ہیں (۱) اس کے خون کا پہلا حصہ نکلتے ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اسے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے (۲) اور اسے عذاب قبر سے مامون کر دیا جاتا ہے (۳) اور اسے بڑی گھبراہٹ (یعنی میدان حشر کی ہولناکیوں) سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ (۴) اور

اسے ایمان کے زیور[1] سے آراستہ کیا جاتا ہے (۵) اور اس کی شادی بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں[2] سے کر دی جاتی ہے (۶) اور اس کی شفاعت اس کے ستر رشتہ داروں کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔"

(سنن ابن ماجہ ۔ حدیث ۲۷۹۹)

فتح مبین

ارغون کی ریڑھ کی ہڈی "پوسٹ ناصر خولہ" ٹوٹ جانے کے بعد دشمن کیلئے "ارغون" میں کھڑا رہنا ممکن نہ تھا' وہ اس نوشتہ دیوار کو پڑھتے ہی اگلی صبح یکم اکتوبر کو عالم قلعہ سے اور ۲ اکتوبر کو "ٹیک محمد پوسٹ" اور دیگر نواحی پوسٹوں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اب ارغون چھاؤنی پر حملہ میں کوئی پوسٹ حائل نہ تھی' چنانچہ نئے منصوبے کے مطابق ۳ اکتوبر کو مجاہدین اس پر بھرپور حملہ کرنے ہی والے تھے کہ راتوں رات کابل سے ہیلی کاپٹر آکر چھاؤنی سے روسیوں اور بڑے فوجی افسروں کو اٹھا کر لے گئے۔ باقی فوج جس میں اب بارہ سو افراد رہ گئے تھے' پیرا ملیٹری ایجنٹ محبوب 'ملیشیا کے کمانڈر "کرنل" اور چھاؤنی کے انچارج اور دیگر افسران کے ساتھ "منا خان" کی طرف پیدل ہی فرار ہو گئی۔

"منا خان" شرنہ سے آگے فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا' لیکن یہ بد نصیب قافلہ ابھی "سر روزہ" ہی کے قریب پہنچا تھا کہ وہاں کے مجاہدین جو گھات لگائے بیٹھے تھے' اس پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ سینکڑوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے' بہت سے زندہ پکڑ لئے گئے' صرف دو سو فوجی "منا خان" کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔

مگر یہ قسمت کے مارے بھی منا خان کے قریب پہنچے تو کرنیز سے وائرلیس پر حکم ملا کہ 'منا خان پر ایک دن پہلے مجاہدین کا قبضہ ہو چکا ہے' لہٰذا تم فی الحال کسی جگہ پوزیشن

---

[1] اس زیور کی تفصیل جامع ترمذی کی روایت میں یہ آئی ہے کہ شہید کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھ دیا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت بھی دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔"

[2] مسند احمد کی روایت میں ان حوروں کی تعداد ۷۲ بیان فرمائی گئی ہے۔

نے کر جان بچاؤ، ہو سکتا ہے مدد رسے بیلی کا بیڑا تمہاری مدد کو آجائیں" مرتا کیا نہ کرتا، انھوں نے ایک عمارت میں، دو چند ہولر آدھ گھنٹہ تک حملہ آور مجاہدین کا مقابلہ کیا پھر سب کے سب ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ ارغون سے بھاگنے والے بارہ سو افراد میں سے بھی تقریباً دس سپاہی اور افسران مارے گئے، باقی گرفتار کر لئے گئے۔

ادھر ارغون چھاؤنی اور شہر میں مجاہدین کے لشکر داخل ہو چکے تھے، بھاگنے والی فوج صرف تھوڑا سا خفیف اسلحہ کا ٹکڑا راکٹ لانچر گرینیڈ وغیرہ ہی ساتھ لے جا سکی تھی، سارے ٹینک بکتر بند گاڑیاں، توپیں، مشین گنیں، بے شمار خفیف اسلحہ، گولہ بارود اور کروڑوں روپے کے ساز و سامان سے بھرے ہوئے گودام مجاہدین کے قبضہ میں آگئے۔ صوبہ پکتیکا کے باقی سب علاقے پہلے ہی آزاد ہو چکے تھے، اکتوبر کو ارغون کی فتح سے یہ پورا صوبہ کفر کے ناپاک وجود سے آزاد ہو گیا۔

محترم سید نفیس شاہ صاحب نے ایک دور مجاہدین کی ایسی فتوحات دیکھ کر فرمایا تھا کہ

بحمد اللہ، حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے، اب اجالا ہونے والا ہے
یہ کام اہل جنوں کا ہے، وہی اس کو سمجھتے ہیں
یہ کام اہل خرد سے بالا بالا ہونے والا ہے
کوئی کابل میں جا کر یہ نجیب اللہ سے کہہ دے
ترا اے روسیاہ! منہ اور کالا ہونے والا ہے

مال غنیمت کی شرعی تقسیم

اس فتح مبین سے کروڑوں روپے کا جو مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھ آیا اس کے خاص خاص اعداد و شمار تو آگے آپ کمانڈر زبیر صاحب کے خط میں پڑھ لیں گے، یہاں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مال غنیمت کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے "حلال طیب" قرار دیا،

ایک ٹینک اور دسرے ... کا ذخیرہ مجاہدین کے قبضے میں

ایک اور صحیح سالم ٹینک مجاہدین کے قبضے میں

دونوں تصاویر ماہنامہ الارشاد شمارہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ سے لی گئی ہیں

زامہ خولہ پوسٹ کا ایک تباہ شدہ مورچہ

ارغون کی ایک اور زمین دوز حفاظتی چھاؤنی "نیک محمد پوسٹ" فتح کے بعد

اوپر دی گئیں تصاویر ماہنامہ الارشاد شمارہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ سے لی گئی ہیں

اور اس کی تقسیم کا مفصل قانون قرآن و سنت میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر قسم کے کل مال غنیمت کے پانچ مساوی حصے کرکے چار حصے ان مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں جو جنگ میں شریک تھے ___ افسر اور ماتحت کا حصہ برابر ہے ___ اور باقی پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے ___ زاہد خولہ اور ارغون چھاؤنی سے جو اسلحہ، مال و دولت اور ساز و سامان حاصل ہوا اسے بھی شرعی قانون کے مطابق تقسیم کیا گیا۔

مال غنیمت میں سے چوری، جسے "غلول" کہا جاتا ہے بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح یہ بھی کسی کو حق کہ خود مجاہدین کو جائز نہیں کہ جس کے جو ہاتھ لگے لے بھاگے، یہاں امام المجاہدین آنحضرت ﷺ کی اسی مضمون کی ایک حدیث ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اس حدیث مبارک کی موقع کی مناسبت سے ایک نادر خصوصیت یہ ہے کہ اسے آنحضرت ﷺ کے صحابی اور کابل کے اولین فاتح حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے انہوں نے یہ حدیث سرزمین افغانستان ہی میں کابل کی فتح کے موقع پر سنائی تھی ___ پھر اسے حدیث کے مشہور امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "سنن ابو داؤد" میں سند سے نقل کیا جو ایران اور افغانستان ہی کے علاقے "سجستان" (سیستان) کے مایہ ناز فرزند ہیں۔

"عَنْ اَبِي لَبِيْدٍ قَالَ، كُنَّا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ بِكَابُلَ، فَاَصَابَ النَّاسُ غَنِيْمَةً، فَانْتَهَبُوْهَا، فَقَامَ خَطِيْبًا، فَقَالَ "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ النُّهْبٰى "فَرَدُّوْا مَا اَخَذُوْا، فَقَسَمَهُ بَيْنَهُمْ"

"ابو لبید فرماتے ہیں کہ ہم کابل میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ لوگوں کو مال غنیمت ملا' انہوں نے (جو پیشتر نومسلم تھے شرعی قانون سے واقف نہ تھے) اس میں چھینا جھپٹی کی (جس کو جو ہاتھ لگا' لے بیٹھا) تو عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت میں چھینا جھپٹی سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے" لوگوں نے یہ سنتے ہی جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا' چنانچہ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے اسے ان سب میں (شرعی طریقے پر) تقسیم فرما دیا۔"

(سنن ابی داؤد ــــ حدیث ۲۷۰۳)

کمانڈر زبیر کا یادگار خط

فتح ارغون کے بعد مجھے کمانڈر زبیر صاحب کا جو دستی خط ملا' وہ فتح کے صرف آٹھ روز بعد کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں کچھ ایسے واقعات بھی درج ہیں جو ابھی تک میں نے آپ کو نہیں سنائے' ملاحظہ فرمایئے اور ان کی تواضع وانکساری کا بھی اندازہ کیجئے:

محترم المقام واجب الاحترام مکرمی جناب مفتی رفیع عثمانی صاحب' زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج میں ارغون چھاؤنی کے دامن میں بیٹھ کر یہ عریضہ ارسال کر رہا ہوں' دل تو چاہ رہا ہے کہ آپ سے بغل گیر ہو کر یہ عظیم خوشخبری آپ کو سناؤں' اس لئے کہ ارغون کے اصل فاتح آپ ہیں۔ میں نے اس سے قبل ایک خط میں اور اس سے بھی قبل محاذ جنگ پر آپ کی موجودگی میں چند ٹوٹے پھوٹے کلمات میں یہ کہا تھا کہ "جس سرزمین پر آپ کے قدم لگے ہیں' وہ اب ہرگز برداشت نہیں کر سکتی کہ اس پر دشمن کے ناپاک اجسام مزید ٹھہر سکیں"۔ ـــــ آپ کے ان مبارک قدموں کے صدقے مجاہدین نے حیرت انگیز طریقے سے ارغون چھاؤنی کو فتح کر لیا ـــــ قبل اس کے کہ ارغون کی اس عظیم فتح کے مختصر حالات بیان کروں'

ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے یہ درد دل بھی رکھ دوں کہ آپ ارنون کی اس سرزمین کی پیاس بجھائیں جو آج سے چند ماہ قبل آپ کی قدم بوسی کیلئے بے قرار تھی لیکن دشمن کے ناپاک وجود کی وجہ سے زمین کا وہ ٹکڑا آپ کی زیارت سے محروم رہا۔ آج زمین کا وہ ٹکڑا مجسم شکایت بنا ہوا طلب کرتا ہے کہ میرے اصلی فاتحین کہاں ہیں جن کی قدم بوسی کیلئے میں عرصے سے تڑپ رہا ہوں؟ وہ مبارک قدم مجھے کب چومنے کو ملیں گے؟

میں چاہ رہا ہوں کہ آپ پہلی فرصت میں مفتوحہ علاقے کا دورہ کریں اور ارنون چھاؤنی کا معائنہ کریں کہ کس ڈھب و غضب پلاننگ سے یہ چھاؤنی تیار کی گئی تھی۔ اور حقیقت میں یہ ان چھاؤنی کو دیکھنے کے ہیں بعد میں تو وہ ویرانوں میں تبدیل ہو جائے گی   اور اب جنگ کے مختصر حالات۔

۲۰ ستمبر بروز جمعہ میں نے اپنے چند جانبازوں کو لے کر "ارنون" کی چار چوکیوں جو ارنون چھاؤنی کے راستے کی ایک مضبوط دیوار تھیں ان پر حملہ کیا تین گھنٹے گھمسان کی جنگ ہوئی اور بالآخر اللہ رب العزت نے آپ کی دعاؤں کی بدولت دشمن کو شکست فاش دی اور ہم "فاتحین" کی حیثیت سے پوسٹ میں داخل ہوئے۔ اس جنگ میں آپ کے روحانی فرزندوں نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے جو یقیناً آپ حضرات کیلئے باعث صد افتخار ہیں۔ حرکۃ کا ایک عرب مجاہد روسی فوجی وردی پہن کر پوسٹ میں داخل ہو گیا اور دھوکہ دے کر تمام فوجیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ایک کشمیری مجاہد نے دشمن کا ڈرائیور بن کر ان کی بکتر بند گاڑی کو مجاہدین کے پاس پہنچا دیا۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے۔

اس عظیم معرکے میں ایک مجاہد شہید اور ۹ زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے پوسٹ میں گھس کر دشمن کو گرفتار کر لیا اور تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس معرکے میں دشمن کے نقصان اور مال غنیمت کی تفصیل درج ذیل ہے:

فوجی مردار	۱۲	فوجی گرفتار	۵۵

غنیمت

کلاشنکوف	۴۴ عدد	گرنیڈ (دستی بم)	۳۰۰ عدد
اینٹی ایئر کرافٹ گنیں	۴ عدد	خنجر	۱۰ عدد
بڑی توپیں	۴ عدد	گاڑیاں بڑی	۲ عدد
ٹینک	۱ عدد	بکتر بند گاڑی	۱ عدد
راکٹ لانچر	۲ عدد	تیل کا ٹینکر	۱ عدد
وائرلیس سیٹ	۶ عدد	نقدی	۳ لاکھ افغانی روپے

اس کے علاوہ ایمونیشن بے شمار تقریباً ۵۰ ٹرک سے بھی زائد جس میں فوجی سامان، وردیاں، ہیلمٹ، برفانی سامان، چارپائیاں، کمبل، بستر اور خورد و نوش کا سامان شامل ہے۔ گرفتار ہونے والے فوجیوں میں ۱۱ فوجی آفیسر، ایک "خاد" کا ایجنٹ، اور ایک اینٹی جنس کا افسر شامل ہیں، دس آفیسر مردار ہونے والوں میں شامل تھے۔

زامہ خولہ کی عظیم فتح کے بعد دشمن بوکھلا گیا۔ اگلے دن دشمن نے مزید دو مضبوط پوسٹیں خالی کر دیں۔ اس فتح کی خوشی میں مجاہدین جب آگے بڑھے تو شیطانی روسی سپاہ روس کے گزشتہ دس سال میں بنائی جانے والی قلعہ نما چھاؤنی "ارغون" میں بھی نہ ٹھہر سکے، یہاں تک کہ تیسرے دن قلعہ "شرنہ" اور ارغون چھاؤنی میں اذان کی آواز گونج رہی تھی۔ ارغون چھاؤنی سے پکڑے جانے والے اسلحہ اور دیگر سامان کا صحیح اندازہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ مختصر رپورٹ یہ ہے:

ٹینک	۵ عدد	وائرلیس اسٹیشن	فوجی سامان کے گودام

اللہ پاک نے روس کی یہ جدید ٹیکنالوجی مجاہدین کو ارغون سے عطا کی "انتقالی تحقیقی گاڑی"
جس میں وائرلیس اسٹیشن کے ساتھ ساتھ ٹیلیگراف کا مکمل نظام نصب ہے

دشمن کی ایک فوجی گاڑی مجاہدین
کے قبضے میں

وائرلیس گاڑی کا اندرونی منظر

اوپر دی گئی تصاویر ماہنامہ الارشاد شمارہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ سے لی گئی ہیں

بکتر بند گاڑیاں	۲۰ عدد	ٹیلیفون ایکسچینج	بے شمار خفیف اسلحہ
دوسری گاڑیاں	۸۰ عدد	تیل کے بڑے ذخائر	ایمونیشن بے شمار
سینکڑوں فوجی مردار		مسلح گرفتار ۔ ۔ ۔	

یہ سب نتیجہ آپ حضرات کی امداد اور آپ کی خصوصی دعاؤں کی بدولت ہے ۔ میں پھر آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ پہلی فرصت میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کریں ۔

والسلام

سپہ سالار "حرکۃ الجہاد الاسلامی" زبیر احمد خالد

۱۲-۱۰-۸۸

تقریباً ایک ماہ بعد ' ۳ نومبر کو "ارغون" کا یہ عظیم فاتح ' جس کی انکساری پر مجھے ہمیشہ رشک آیا ہے ' دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے دفتر اہتمام میں گردن جھکائے دو زانو بیٹھا تھا ' اسے دیکھنے اور سننے والوں سے کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور وہ اس جنگ میں "اپنے ساتھیوں" کے کارنامے ' بات بات پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہوئے ' دھیمے دھیمے سنا رہا تھا ۔ چہرے پر وہی معصوم تبسم ' آنکھوں میں عزم و تشکر کا دبا طوفان ' ایک ایک لفظ تواضع ' انکساری اور ادب و احترام میں ڈھلا ہوا ' پوری داستان میں کہیں شیخی تو کیا ' اپنے کسی کارنامے کا اشارہ تک بھی نہیں ۔ ۔ ۔ ان کے کارنامے جو اب تک خاصے مشہور ہو چکے تھے ' ہمیں ان کے ساتھیوں سے معلوم ہوئے جو یہاں "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے سہ روزہ سالانہ اجتماع میں تقریباً سب کے سب آئے ہوئے تھے ۔

پوچھنے پر کمانڈر زبیر صاحب نے بتایا کہ آج کل ہمارے بیشتر ساتھی "گردیز" کے قریب "خوست" کے اور کچھ "غزنی" کے محاذ پر ہیں ' میں خود بھی غزنی کے علاقے "حکیم خانی" میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہوں ۔ وہاں کی جنگی صورت حال بھی تفصیل سے بتائی ۔

اگلے روز اجتماع کے ختم پر تمام پاکستانی مجاہدین کو ہدایت کی گئی کہ وہ کل ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء سے شروع ہونے والے قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے بعد ہی اپنے اپنے محاذ پر جائیں کہ یہ بھی ایک امانت ہے جس کی ادائیگی شرعاً ضروری ہے۔

میں نے کمانڈر صاحب سے رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا "آپ کس محاذ پر جائیں گے؟" کہنے لگے کہ "سرحد پر پہنچ کر جس محاذ پر زیادہ ضرورت محسوس ہوگی وہیں چلا جاؤں گا۔" اب یاد نہیں رہا کہ اس مرتبہ بھی میں نے ان پر آیت الکرسی پڑھی یا نہیں، البتہ شاعر مشرق کا یہ شعر زبان پر آتے آتے نہ جانے کیوں رہ گیا ؎

نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

دشمن طاقتوں کا تیسرا وار

عالم اسلام سے جہاد افغانستان کے عالمگیر ثمرات کو "ہائی جیک" کرنے کیلئے دشمن طاقتیں دو وار پہلے کر چکی تھیں "جنیوا سمجھوتہ" اور "سانحہ بہاولپور" ۔ اب تیسرا وار جو دوسرے کی طرح کاری تھا، پاکستان پر سیکولر "زنانی حکومت" مسلط کر کے کیا گیا ___

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اپنی شہادت سے کچھ پہلے پاکستان میں عام انتخابات کے لئے ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کی تاریخ کا اعلان کر چکے تھے، ان کی شہادت کے ۳ ماہ بعد اسی تاریخ پر یہ انتخابات ہوئے، لیکن صدر ضیاء کو راستے سے ہٹا کر اسلام دشمن عالمی طاقتوں نے بڑی چابکدستی اور بے حد تیزی سے ان انتخابات کو اسلام، پاکستان اور جہاد افغانستان کے خلاف استعمال کیا ___ انتخابات اہل پاکستان کے تھے، پاکستان میں ہو رہے تھے، لیکن انتخابی مہم امریکہ، برطانیہ، روس اور بھارت میں چلائی جا رہی تھی، ان کے طاقتور ذرائع ابلاغ پوری ڈھٹائی سے اپنی مطلوبہ پارٹی کے پروپیگنڈے پر ایڑی سے چوٹی کا زور لگا رہے تھے، پاکستان میں ان کے گماشتے اپنی مہارت دکھا رہے تھے، خوف، لالچ اور فن کارانہ

پروپیگنڈے کا شاید ہی کوئی حربہ ایسا ہو جو آزمایا نہ گیا ہو بلکہ انتخابات کے بعد بھی تین حکومت سازی کے وقت' دو امریکی وزیر اسلام آباد میں ڈیرا ڈالے رہے۔ یہ ایک عبرتناک داستان ہے کہ ان طاقتوں نے کس کس طرح پاپڑ بیل کر اپنی مطلوبہ حکومت کو بہت معمولی بلکہ نام نہاد اکثریت سے پاکستان پر مسلط کیا۔

عالم اسلام کیلئے یہ دھچکا اس سے کم نہ تھا جو صدر ضیاء کی شہادت سے لگا تھا' کیونکہ اس کے ذریعہ پاکستان پر تین رخا حملہ ہوا تھا۔

ایک اس رخ سے کہ ایک مسلم ملک سے اس کی تاریخ میں پہلی بار اسلامی ضابطہ سیاست کے اس صریح اصول کی خلاف ورزی کروائی گئی کہ "کسی خاتون کو سربراہ حکومت یا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں"۔

اس حملے کا دوسرا رخ یہ تھا کہ پاکستان جیسے نظریاتی ملک پر اوپر انتہائی اوچھے ہتھکنڈوں سے ایک سیکولر حکومت مسلط کی گئی' جو ملک وملت کے نہ نظریات ومقاصد سے ہم آہنگ تھی' نہ یہاں کے آئین و روایات سے' عوام کے حقیقی مسائل اور رجحانات کے بجائے اس کی نظریں اپنے غیر ملکی "محسنوں" پر لگی ہوئی تھیں۔

تیسرا رخ یہ کہ جہاد افغانستان کے نتائج کو اس کے ذریعہ بڑی تیزی سے سبوتاژ کیا جانے لگا' حکومت پاکستان کی طرف سے مجاہدین کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا' مغربی ذرائع ابلاغ کی طرح یہاں کے ذرائع ابلاغ نے بھی مجاہدین کی تاریخ ساز سرگرمیوں کا بلیک آؤٹ کئے رکھا' جس سے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ جہاد افغانستان کوئی نتیجہ حاصل کئے بغیر ہی قصہ پارینہ بن چکا ہے' اس طرح پاکستان اور مجاہدین کے برادرانہ تعلقات کو خراب کرنے اور پاکستان بلکہ امت مسلمہ کو اس جہاد کے ثمرات سے محروم کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

لیکن کسمپرسی اور تمام صبر آزما مشکلات کے باوجود مجاہدین کے پائے استقلال میں فرق آیا' نہ ان کے عزائم میں کوئی ہلکا سا رخنہ پیدا ہوا' ان کی جنگی کارروائیوں کا سلسلہ کسی وقفے کے بغیر جاری رہا' چھوٹی چھوٹی فتوحات بھی ہوتی رہیں' رفتار سست ضرور ہو گئی'

شہیدوں اور زخمیوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی، لیکن وہ مجاہدوں پہ تحمل کرا تی پیش قدمیوں سے دنیا نے اس عزم کو یہ پیغام برابر دیتے رہے کہ:

مانا کہ وفا جرم ہے اس دور زبوں میں
ہم اہل وفا جرم یہ کرتے ہی رہیں گے!
(حضرت کیفی مرحوم)

فاتح ارغون سے آخری ملاقات

۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کی تاریخ آئی تو "حرکۃ الجہاد الاسلامی" نے افغان بھائیوں سے اظہار یکجہتی کے طور پر کراچی کے ایک ہوٹل میں ایک روزہ "جہاد کانفرنس" منعقد کی۔ (کیونکہ روس کی درندہ صفت فوجیں ۹ سال پہلے اسی تاریخ کو افغانستان میں داخل ہوئی تھیں۔)

اس وقت تک روس کی بیشتر فوجیں افغانستان سے راہ فرار اختیار کر چکی تھیں، باقی ماندہ فوج بھی روس کے اعلان کردہ پروگرام کے مطابق ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء تک گھر واپس جانے کیلئے بے تاب اور راستے کے خوف سے لرزہ براندام تھی کیونکہ مجاہدین کی جانب ان بھگوڑوں پر بھی بڑی جابکدستی سے برس رہا تھا۔

کراچی کی اس کانفرنس میں میری نظریں کسی ایسے مجاہد کی تلاش میں تھیں جو ابھی محاذ سے آیا ہو، وہاں کے تازہ ترین حالات جاننے کا امید سے بڑھ کر ہوا یہ کہ مجھے کہ عشاء کے وقت میرا بیان ختم ہوا تھا کہ زبیر جانب مسکراتے ہوئے تیزی سے آئے ادب سے سلام کیا اور بے اختیار بغلگیر ہو گئے۔ اس غیر متوقع ملاقات سے دل کی جو کیفیت ہوئی بیان نہیں کر سکتا ___ انہیں اسی وقت مجاہدین کے ایک اور اجتماع میں علامہ بنوری ٹاؤن جانا تھا، میری صبح سویرے بنگلہ دیش کے دورے پر روانگی طے شدہ تھی، اس لئے میں نے اس اجتماع میں شرکت سے معذرت کر لی تھی۔

وہ حسب عادت پرسکون اور ہشاش بشاش تھے۔ پاکستان کے دو قراش ساتھی

حالات اور افغانستان میں عالمی سازشوں کا ان پر کوئی اثر نہ تھا وہ پہلے سے زیادہ پرعزم نظر آئے ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی سازش کریں جب تک ہم میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنے کا حوصلہ موجود ہے اور شوق شہادت زندہ ہے یہ ساری طاقتیں مل کر بھی اس جہاد کو نہیں روک سکتیں اور فتح بالآخر شہادت کے متوالوں کی ہوگی۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے تمام ساتھی جو فتح ارغون کے بعد سے غزنی گردیز اور خوست کے محاذوں پر برسرپیکار تھے اب ان کو خوست کے محاذ پر جمع کر دیا گیا ہے تاکہ وہاں پیش قدمی کی رفتار بحال ہوسکے کیونکہ غزنی اور گردیز سے پہلے خوست کو آزاد کرانا ضروری ہے یہ مشکل ترین محاذ ضرور ہے لیکن یہ فتح ہوجائے تو آگے کا راستہ آسان ہوجائے گا۔

انہوں نے بتایا کہ وہ آج ہی محاذ سے کراچی پہنچے ہیں صبح کے جہاز سے حجاز جائیں گے اور چند روز عمرہ گزار کر خوست چلے جائیں گے وہاں ایک بڑے حملے کی تیاریاں زوروں پر چھوڑ کر آئے تھے۔

ابھی ان کی بات جاری تھی کہ کسی نے آکر بتایا کہ ساتھی نیچے گاڑی میں ان کے منتظر ہیں۔ ہم نے بھاری دل سے معانقہ کرکے انہیں رخصت کر دیا۔۔۔ جلدی میں "آیت الکرسی" پڑھنا بھی یاد نہ رہا۔

روس کے مقبوضہ مسلم ممالک

کمیونزم اور سوشلزم چونکہ انسانی فطرت، عقل، تہذیب اور تمام ادیان و مذاہب کے خلاف ایک انتہا پسندانہ جابرانہ مذہب ہے اس کی بنیاد ہی انکار خدا، طبقہ وارانہ نفرت وعداوت اور انفرادی آزادیوں کا گلا گھونٹنے پر رکھی گئی ہے اس لئے اس نظام کو کہیں بھی برضا و رغبت قبول نہیں کیا گیا۔ سب سے پہلا سوشلسٹ انقلاب جو روس میں زار شاہی کا تختہ الٹ کر ۱۹۱۷ء میں برپا کیا گیا تھا وہ خود ظلم و درندگی کی ایک دردناک داستان ہے کہ

روس کے سامنے زار شاہی کی چیرہ دستیاں بھی شرما گئیں۔ اس وقت سے لے کر افغانستان میں فوجیں داخل کرنے تک روسی کمیونسٹوں نے جن ممالک اور قوموں کو تاراج کیا ان میں دھوکہ بازی، ایذا رسانی اور جبر کی خونخواری ہی کو سب سے بڑی "حکمت عملی" کی حیثیت حاصل رہی۔

روسی کمیونزم نے اپنی دو ہتھیلیوں سے ایشیاء اور یورپ کے لاکھوں مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے ۱۴ مسلم ممالک کو ہڑپ کیا، جو زرعی اور معدنی وسائل سے مالا مال ہونے کے علاوہ، عالم اسلام کے اعلیٰ درجے کے مردم خیز علاقوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے دو ممالک "ماوراء النہر" (وسط ایشیاء) میں، ۱۲ علاقے (کوہ قاف) کے علاقے میں، اور باقی گیارہ (۱۱) ایشیاء کے دوسرے خطوں اور یورپ میں واقع ہیں۔ ان مقبوضہ ممالک میں مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی بھرپور کوششوں کے باوجود، مسلمان بحمد اللہ آج بھی اکثریت میں ہیں اور وہاں سے اسلامی روایات اور مسلم ثقافت کے نشانات کو ہر ممکن جبر کے باوجود مٹایا نہیں جا سکا۔

مگر پچھلے ستر برس سے ان اسلامی خطوں پر جو ظلم کی رات مسلط ہے اس کی تاریکی میں غاصبوں نے ان کا رسم الخط تک بدل ڈالا تاکہ ان کا رشتہ اپنے شاندار ماضی، اسلامی روایات، اور بقیہ عالم اسلام سے پوری طرح کٹ جائے۔ ایک ایک ملک کے نسلی بنیادوں پر کئی کئی ٹکڑے کرکے ان کے نام بدل ڈالے، جن کے پرانے نام باقی رہے، سرحدیں ان کی بھی بدل دی گئیں، اور ہر قسم کے مواصلاتی رابطے منقطع کرکے انہیں آزاد دنیا سے اس بری طرح کاٹ دیا گیا کہ عالم اسلام کی موجودہ نسل کو ان میں سے بہت سوں کے ناموں تک کی خبر نہ رہی بلکہ ان کا تعارف کرانا بھی آسان نہ رہا۔

ذیل کے ساتھ یہاں ان مقبوضہ مسلم ممالک کے نام مختصر تعارف کے ساتھ دنیا کے موجودہ نقشے کے مطابق درج کرتا ہوں تاکہ اگر ہم اپنی زندگی میں انہیں آزاد ہوتا دیکھ سکیں اور ان کے کام نہ آسکیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور اشک ندامت بہانے کے

قابل تو ریں۔[سلہ]

قفقاز کے مسلم ممالک اور ریاستیں

۱۔ آذربائیجان دارالحکومت "باکو"

۲۔ کاراباغ (قرہ باغ)۔[سلہ]

۳۔ نخجوان۔[سلہ]

۴۔ چیچان (شیشان) دارالحکومت "گروزنی"۔

۵۔ انگش (انگشیا) دارالحکومت "نزران"۔

۶۔ اسیتیا (اوستین)۔

۷۔ داغستان۔ دارالحکومت "مخچ قلعہ" (MAKHACHKALA)

۸۔ کابردا (کباردیا)۔

۹۔ کاراچائی۔

۱۰۔ چرکیسیا (چرکسیہ)۔

۱۱۔ ارمینیا دارالحکومت اریوان (یریوان)۔

۱۲۔ جارجیا دارالحکومت تفلیس (Tbilisi)

(چیچان کے مفتی اعظم شیخ محمد حسین نے مجھے زبانی بتایا کہ اب ان دو ملکوں میں مسلمان اقلیت میں رہ گئے ہیں جبکہ روسی قبضے سے پہلے اکثریت میں تھے۔

سلہ روس کے مقبوضہ مسلم ممالک اور ریاستوں کی اس فہرست کی تیاری میں اپنی ذاتی معلومات اور ملاقاتوں کے علاوہ حسب ذیل ماخذ سے مدد لی گئی ہے۔
(۱) اردو معارف اسلامیہ اردو (۲) دائرۃ المعارف ۔ عربی (۳) انسائیکلوپیڈیا "برٹانیکا" (۴) ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا "سوشلزم نمبر" مورخہ دسمبر ۱۹۶۷ء [illegible] جلد [illegible] (۵) "رابطہ العالم الاسلامی" کا شائع کردہ "نقشہ عالم اسلام" مورخہ [illegible] ۱۹۸۳ء [illegible] ۱۹۸۶ء مطبوعہ بیروت (۶) دنیا کے دیگر جغرافیائی نقشے اور اطلس۔
سلہ دائرہ معارف اسلامیہ ۔ اردو ۔ مادہ "آرمینیہ" ص ۲۲۵ ج ۲۔
سلہ حوالہ بالا

خلاصہ یہ کہ خاصی تلاش و جستجو سے مجھے مذکورہ بالا کل ۹ مسلم ممالک اور ریاستوں کا سراغ ملا ہے، جو روسی کمیونزم کے تنگ و تاریک پنجرے میں قید ہیں۔ ممکن ہے مزید تلاش سے ایسے چند اور ممالک یا ریاستیں دریافت ہو جائیں۔

ان تمام ملکوں اور ریاستوں میں کمیونزم کو قدم قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جہاں کے مسلم حکمرانوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، وہاں کے عوام علماء حق کی قیادت میں اس سے برسوں برسرپیکار رہے، یہی وجہ ہے کہ روس کے خونخوار ریچھ کو افغانستان تک پہنچنے میں ۷۰ سال کا عرصہ لگا اور جب وہ یہاں پہنچا تو بوڑھا ہو چکا تھا۔

یہ سارے علاقے صدیوں اسلامی علوم و ثقافت کے گہوارے، اور عظمت اسلام کا عنوان رہے ہیں، بالخصوص وسط ایشیا (ماوراء النہر) کا خطہ زمین تو اندلس سے بھی بڑھ چڑھ کر صدیوں اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، لیکن یہ بھی آزاد دنیا سے اس بری طرح کاٹ دیا گیا تھا کہ اندلس کے برعکس اسے غمگساری کیلئے کوئی پہنچنے والا بھی میسر نہ آیا۔

پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مرے خون جگر میں!

ماوراء النہر کا علاقہ

”ماوراء النہر“ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ”دریا کے اس پار“، دریا (النہر) سے مراد ”دریائے آمو“ ہے جس کا قدیم نام ”جیحون“ تھا، یہ افغانستان کو روس کی ہتھیائی ہوئی مسلم ریاستوں سے الگ کرتا ہے، دریا کے جنوب میں افغانستان اور شمال میں ”دریا کے اس پار“ والے ممالک تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان ہیں، اور ان کے پیچھے شمال میں قزاقستان اور قرغیزستان ہیں۔ یہ پانچوں ممالک جو وسط ایشیا میں

موقف ہیں ان کا وطن ازبکستان کا شہر "ترمذ" تھا۔ یہ شہر "آمو دریا" کے شمالی کنارے پر افغانستان کے بالکل قریب ہے۔ صرف دریا بیچ میں حائل ہے۔ جہاد افغانستان کے دوران روسی افواج نے اسے اپنی رسد و کمک اور افغانستان پر فضائی حملوں کا بہت بڑا مرکز بنایا ہوا تھا۔

۵۔ ابو اللیث سمرقندی، صدر الشہید، علامہ مرغینانی (صاحب ہدایہ) اور علامہ کاسانی (صاحب بدائع الصنائع) جیسے بلند پایہ حنفی فقہاء اسی خطے "ترکستان" سے اٹھے تھے۔

۶۔ شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ جو علم کلام کے مشہور امام ہیں ان کا وطن بھی "سمرقند" تھا، وہیں ان کا مزار ہے۔

۷۔ حضرت خواجہ بہاء الدین "نقشبند" جو تصوف کے "سلسلہ نقشبندیہ" کے بانی اور مشہور ولی اللہ ہیں، وہ اسی سرزمین "سمرقند" کو نصیب ہوئے۔

۸۔ "ابو نصر فارابی" اور "ابن سینا" جیسے حکماء و فلاسفہ اور "الغ بیگ" جیسے ماہرین فن "ہیئت" و "فلکیات" بھی اسی سرزمین سے اٹھے تھے اور دنیائے علم و فن پر چھا گئے تھے۔

یہاں مسلمانوں کے دور انحطاط میں بھی کمیونسٹوں کے قبضے سے پہلے کوئی شہر اور قصبہ دینی درسگاہوں سے خالی نہ تھا۔ صرف بخارا میں آٹھ سو مدارس تھے جن میں تقریباً چالیس ہزار طلباء دینی تعلیم مفت حاصل کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اسلام کو مٹا دینے کی ہر ممکن روسی کوشش کے باوجود وہاں کی جو صورت حال اب سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ

بوئے گل آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ خوں آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

یہاں مسلمانوں پر کیا بیتی؟

روسی کمیونسٹ ان تمام علاقوں پر بھیڑیئے کی طرح ٹوٹ پڑے تھے اور ۱۹۲۰ء

میں "خیوا" اور "بخارا" پر بھی قابض ہو گئے۔ قرآن کریم کی طباعت واشاعت اور دینی
تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی۔ ان تمام مسلم ممالک کا رسم الخط جو فارسی، عربی تھا اس پر
پابندی لگا کر روسی رسم الخط مسلط کر دیا گیا تاکہ مسلمان اپنے ماضی سے اور موجودہ عالم
اسلام سے ذہنی طور پر بھی بالکل کٹ کر رہ جائیں۔ جس مسلمانوں کو "اللہ" کا نام لیتے دیکھا
گیا انہیں سب سے بڑا مجرم "روحانی" قرار دے کر تمام حقوق شہریت سے محروم کر دیا گیا،
حج پر پابندی لگا دی گئی۔ مسلم اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کیلئے یہاں بھاری تعداد میں
روسیوں کو لاکر آباد کیا گیا۔ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیلئے کمزور ایمان والوں
کے ضمیر خریدے گئے۔ بیشتر مساجد اور مدرسوں کو منہدم، یا کلبوں، گوداموں، اصطبلوں،
رہائش گاہوں اور تفریح گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا، خال خال جو مسجدیں بچی رہ گئیں ان
میں اذانیں بند کر دی گئیں، ان پر بھاری ٹیکس لگا دیئے گئے، ان میں نماز پڑھنے والوں پر بھی
"نمازی ٹیکس" لگایا گیا۔

جو باہمت مسلمان ٹیکس دے کر بھی مسجد آتے رہے انہیں "سرمایہ دار"
قرار دے کر طرح طرح کی سزائیں دی گئیں، پھر وہ یا تو شہید کر دیئے گئے، یا سائبیریا کے برفانی
جہنم میں، جہاں درجہ حرارت چالیس منفی سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے، اس طرح جلاوطن
کر دیئے گئے کہ ان کے اہل خانہ کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا کیا ہوا؟ ____ ان قیامت
خیز حالات میں بچی کھچی باقی ماندہ مساجد کا حال بھی اس کے سوا کیا ہوتا کہ

"مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے"

جب روسی یلغار ہوئی تو یہاں کے علمائے حق نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں
کو اس حالت میں چھوڑ کر کہیں جانے کے بجائے آخر دم تک یہیں کفر کا مقابلہ کریں گے۔
ہزاروں مجاہدین نے ان اولوالعزم علمائے ربانی کی قیادت میں پہاڑوں میں مورچہ زن
ہو کر بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک اپنی چھاپہ مار کارروائیوں سے کمیونسٹوں کا ناک میں
دم کئے رکھا۔ ان مجاہدین کا جاسوسی نظام بھی عرصہ دراز تک کام کرتا رہا، جیسے ہی پتہ چلتا کہ
آج فلاں شہر یا قصبے میں مسلمانوں پر شب خون مارا جانے گا، یا قیدی علمائے کرام کو بر سر

عام قتل کیا جائے گا۔ یہ وہاں بجلی بنکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے، اور بہت سوں کو جہنم رسید کر ڈالتے۔

لیکن سوشلسٹ حکومت نے رفتہ رفتہ ہر علاقے میں علماءِ سوکی ایک بڑی کھیپ تیار کرلی تھی، جو کمیونسٹوں کو "نجات دہندہ" ثابت کرنے کیلئے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے، مسلمانوں کو نت نئے فروعی مسائل میں الجھا کر آپس میں لڑواتے اور علماء حق کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرتے۔

نئی نسل کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر دین اور علماء دین سے چڑا دیا گیا، علمائے حق پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے گئے، جو علمائے ربانی ان مظالم کا شکار ہوئے ان کی تعداد ۱۹۴۰ء تک پچاس ہزار کو پہنچ چکی تھی۔

عوام میں سے بے شمار لوگ اپنی جان اور ایمان بچا کر افغانستان، ایران، ہندوستان، اور سعودی عرب وغیرہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ میں نے بھی ایسے کئی مہاجرین اور ان کے بیٹوں اور پوتوں سے ملاقات کی، اور خود ان کی زبانی ان کی داستانیں سنی ہیں۔ دارالعلوم کراچی میں بھی ان کی بڑی تعداد زیر تعلیم ہے۔

ایک مہاجر کی بپتا

ایک سیدزادے جناب اعظم ہاشمی، جو کراچی یونیورسٹی میں عربی کے استاذ تھے، کبھی کبھی ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتے، اور ہم سے بھی محبت سے ملتے تھے، میری ان سے آخری ملاقات تقریباً ۱۹۷۰ء میں ہوئی تھی، جبکہ ان کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ یہ اندجان (ازبکستان) کے ایک مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

۱۹۳۱ء میں جب ان کی عمر صرف سولہ سال تھی، اور خاندان کے مرد تقریباً سب کے سب کمیونسٹوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے، انہیں اپنی بیوہ والدہ کے اصرار پر راتوں رات ہجرت کرنی پڑی۔ کمیونسٹ ان کے خون کے پیاسے تھے، اور والدہ کو بھی

"روحانی" قرار دے کر تمام حقوق شہریت سے محروم کیا جا چکا تھا' عالمہ فاضلہ ماں کی ممتا نے مجبور ہو کر اس لخت جگر کو ہمیشہ کیلئے یہ کہہ کر روانہ کر دیا تھا کہ

"بیٹا! تم میرے بڑھاپے کا سہارا' اور امیدوں کا مرکز ہو' مگر جیسا کہ دیکھ رہے ہو' تم وطن عزیز میں رہ کر ایک مسلمان کی حیثیت میں میری خدمت نہیں کر سکتے' میں تمہیں دین وایمان کی خاطر کسی آزاد ملک میں چلے جانے کا حکم دیتی ہوں۔"

اس رات لالٹین کی دھیمی روشنی میں انہوں نے اپنے سوئے ہوئے بے خبر چھوٹے بہن بھائیوں کا آخری دیدار کیا' بیوہ ماں انہیں ضروری نصیحتیں کرتی ہوئی گھریلو باغیچے کے کنارے تک آئیں اور آخری بار پیار کر کے رخصت کر دیا۔

یہ چند ہی قدم چلے تھے کہ پیچھے سے کچھ گرنے کی آواز آئی' مڑ کر دیکھا تو ماں بے ہوش پڑی تھیں' سخت پریشانی کے عالم میں بیٹے نے پانی کے چھینٹے دیکر ان کو آواز دی۔

ہوش میں آتے ہی ماں نے تلملا کر پوچھا "بیٹا! تم واپس کیوں آ گئے؟ خدا کیلئے اپنی منزل کھوٹی نہ کرو' فوراً روانہ ہو جاؤ"

ماں کو چارپائی تک پہنچا کر یہ یتیم بچہ آنکھوں' لرزتے دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مہینوں اسی "ماوراء النہر" کے شہروں "خوقند' اور بخارا و سمرقند" وغیرہ میں ڈرے سہمے' دربدر پھرتے رہے' لیکن یہ سرزمین اپنی وسعتوں کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہو چکی تھی' بالآخر کسی نہ کسی طرح "دریائے آمو" پار کیا' اور ہجرت کر کے افغانستان اور وہاں سے ہندوستان آئے' پھر پاکستان بن جانے کے بعد کراچی آ کر مقیم ہو گئے ۔۔۔۔۔ پھر عمر بھر بزار جتن کے مگر نہ ماں اور بہن بھائیوں کو دیکھ سکے' نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ زندہ بھی ہیں یا شہید کر دیئے گئے؟ کیونکہ سوویت یونین کے تمام مقبوضہ ممالک اور ریاستوں کو باہر کی دنیا سے کاٹ کر ان پر ایسا دبیز آہنی خول چڑھا دیا گیا تھا کہ اندر کی

آواز باہر اور باہر کی اندر نہیں آسکتی تھی، ڈاک اور مواصلات کے سارے رابطے مستقل طور پر ختم کر دیئے گئے تھے۔

نے علم، نے حکمت، نے تدبر، نے حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

افغانستان پہنچنے سے پہلے اس سفر ہجرت میں نوجوان پر کیا کیا قیامتیں گذر گئیں، اور وہاں کے شہروں میں دربدر پھرتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں اور علمائے کرام پر کیسے کیسے لرزہ خیز مظالم کا مشاہدہ کیا، یہ سب کچھ انہوں نے اپنی چونکا دینے والی مختصر کتاب "سمرقند و بخارا کی خونیں سرگذشت" میں بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں "مکتبہ اردو ڈائجسٹ" سمن آباد لاہور سے شائع ہوئی تھی، اس وقت بھی میرے سامنے ہے۔

ان ریاستوں کی ماضی قریب کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں خاص طور سے کرنا چاہئے، جس سے معلوم ہوگا کہ دشمن مسلمانوں کی کن کن کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اور کن کن حیلہ سازیوں سے انہیں تباہ کرنے میں کامیاب ہوا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہاں کی فضائیں جو صدیوں سے پانچوں وقت اذان کی دلکش صداؤں سے گونجا کرتی تھیں ان پر عجیب خاموشی چھائی رہی۔ جو خطے صدیوں اسلام کے نور سے نہ صرف جگمگاتے رہے بلکہ ان کی ضیاء پاشی کرکے دنیائے اسلام کو منور کرتے رہے، ان پر مصائب و آلام کی وہ تاریک رات مسلط ہوگئی جس کی سحر کا انتظار کرتے کرتے وہاں کی کئی نسلیں دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں۔

لیکن آفرین ہے وہاں کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کے ایمان راسخ پر کہ بدترین ظلم کے ان اندھیروں میں بھی انہوں نے ایمان کی شمع ایک لمحے کیلئے بجھنے نہیں دی، وہ نمازیں چھپ چھپ کر پابندی سے گھروں میں پڑھتے اور بچوں کو سکھلاتے رہے، قرآن کریم کے جو نسخے انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر کسی طرح بچالئے تھے، وہ عمر بھر ان کا سب

روسی کمیونسٹوں کا "طریقہ واردات"

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں اور افغانستان میں روسیوں کا "طریقہ واردات" یہ تھا کہ انہوں نے اپنی "فاتحانہ" کارروائیوں کو عموماً تین مرحلوں میں ترتیب وار انجام دیا:

۱ ــــ پہلے مرحلے میں انہوں نے غریب اور مفلوک الحال عوام کی حقیقی مشکلات و مصائب کا رونا رو کر سوشلزم اور کمیونزم کی "غریب پروری" کا سبز باغ دکھایا اور باور کرایا کہ ہم کارخانوں کا مالک مزدوروں کو، اور زمینوں کا مالک کاشتکاروں کو بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مفلس عوام کے مصائب دور کئے جائیں، تعلیم عام کی جائے، عورتوں کے "حقوق کی حفاظت" اور قوموں کی "خودمختاری کی حمایت" کی جائے۔ ہمیں دین و مذہب سے کوئی دشمنی نہیں، صرف سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس مرحلے میں انہوں نے مارکسی سوشلزم کو اسلامی عدل و انصاف اور خلافت راشدہ سے مشابہت کے رنگ میں پیش کیا، اور یہ دھوکہ دینے کی منظم کوشش کی کہ سوشلزم اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس منافقانہ مسلسل کارروائی سے انہوں نے سادہ لوح غریب عوام کی ہمدردیاں حاصل کر کے، معاشرے اور میدان سیاست میں اپنی طاقت بنائی اور کسی حد تک دیندار اور تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی دام فریب میں پھانس لیا۔ اس مرحلے میں وہ لینن کے بتائے ہوئے اس گر پر عمل کرتے رہے کہ "مشرق میں مذہب کے دروازے سے آؤ"۔

۲ ــــ دوسرے مرحلے میں انہوں نے مسلم ریاستوں کے تعلیمی اداروں، سیاسی و نیم سیاسی تنظیموں، اخبارات و رسائل، فلموں، ادبی انجمنوں اور شاعروں میں اپنے تربیت یافتہ مبلغین کو گھسا کر اہم عہدوں پر فائز کرا دیا، یہ تعلیمی اداروں سے طلبہ کو، اور ذرائع ابلاغ سے عوام کو کبھی سوشلزم اور کمیونزم کا نام لے کر، اور کبھی نام لئے بغیر اس کی تبلیغ کرتے رہے، اور نوجوانوں کی خاصی تعداد کو ذہنی طور پر کمیونسٹ بناتے رہے۔

ڈراموں، فلموں، افسانوں، اخباری کالموں اور تقریروں کے ذریعہ پوری قوم کی ذہنی سازی کی گئی، اس مقصد کیلئے مقامی حکمرانوں سے راہ و رسم بڑھا کر اپنے لئے زیادہ

یہ ڈکٹیٹر عموماً اسی ملک کے وہ ضمیر فروش سیاسی لیڈر ہوتے تھے جنہیں اس مقصد کیلئے پہلے سے تیار کیا جاتا تھا ان کے نام تو وہی مسلمانوں کے سے تھے جو ان کے مسلم آباؤاجداد نے رکھے تھے لیکن عقیدے کے اعتبار سے جب تک انہوں نے اپنے کو کمیونسٹ اور خدا کا منکر ہونا ثابت نہ کر دیا انہیں یہ عہدہ نہیں دیا گیا۔ کارخانوں، دکانوں اور زمینوں پر سے ملکیت بیوروکریسی قابض ہوگئی اور مفلس عوام اور مزدور کاشتکار جنہیں سبز باغ دکھا کر یہ خونی ناٹک رچایا گیا تھا منہ تکتے رہ گئے۔ ان کا افلاس بڑھتا گیا۔ اب بسا اوقات سوکھی روٹیوں کو بھی ترسنے لگے۔ مذہبی آزادی، تنظیم سازی، سیاسی آزادی اور پیشے کی آزادی کا خاتمہ کر دیا گیا۔

جس سے یہ ڈر رہے ہے سوشلزم یا اس کی ڈکٹیٹرشپ کے خلاف آواز اٹھنے کا اندیشہ ہوا اس پر بلڈوزر چلا دیے گئے یا جو بچا ہوا تھا اسے ہمیشہ کیلئے غائب کر دیا گیا اور ساری وہ داستانیں رہ گئیں جن کی دہشت آج بھی ترمذ، فرغانہ، بخارا اور سمرقند کے کونے کونے پر چھائی ہوئی ہے۔

اس کے آب لالہ گوں کی خون دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مرد غریب و بے نوا

افغانستان میں "تیسرے مرحلے" کا حشر

روسیوں نے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو تاراج کرنے کے فوراً بعد ہی افغانستان میں بھی اپنی "واردات" کا پہلا مرحلہ شروع کر دیا تھا پھر دوسرے مرحلے کا بہت بڑا کام ظاہر شاہ کے دور حکومت (تا ۱۹۷۳ء) میں ہوا اور اس کی تکمیل داؤد خان کے دور (تا ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء) تک ہوئی۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو نظریے کے لحاظ سے پکا کمیونسٹ بنایا جا چکا تھا اور وہی سرکاری تعلیمی اداروں پر

چھائے ہوئے تھے۔

اپنی تعلیم و "تربیت" کیلئے چھانٹ کر دیئے نوجوانوں کو روس بھیجا جاتا تھا جو پہلے سے کمیونسٹ ہوں یا ان کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ کٹر کمیونسٹ بن کر واپس آئیں گے۔ ملک کے کلیدی عہدوں، سیاست اور فوج پر کمیونسٹ قابض ہو چکے تھے، اور وہ تمام کارروائیاں مکمل ہو چکی تھیں جو روسی "دوسرے مرحلے" میں انجام دیتے رہے ہیں۔

تیسرے مرحلے کا آغاز "انقلاب ثور" کے نام سے کیا گیا، جس کا مقصد افغانستان کو مکمل طور پر "بخارا و سمرقند" بنا دینا تھا، یہ انقلاب ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو یہاں کی کمیونسٹ جماعت "خلق پارٹی" کے مشہور کمیونسٹ لیڈر "نور محمد تره کئی" نے صدر داؤد خان کو قتل کر کے اور کرسی صدارت پر قبضہ کر کے برپا کیا تھا ـــــ

روس کا خیال تھا کہ افغانستان کو مکمل طور پر کمیونسٹ ملک کی حیثیت سے روس کی "سوویت یونین" کا "اٹوٹ انگ" بنا دینے کیلئے نور محمد تره کئی، اس کی خلق پارٹی اور ان کے روسی مشیر و "ماہرین" کافی ہو جائیں گے، اس لئے اس نے اپنی فوجیں اس موقع پر نہیں بھیجی تھیں ـــــ چنانچہ تره کئی نے افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کرتے ہی جو کارنامے فوری طور پر انجام دیئے وہ یہ تھے:

۱۔ ملکی جھنڈے کا رنگ سرخ کر دیا گیا۔ سرخ جھنڈا لہرانے کی ایک پروقار تقریب منعقد کی گئی۔

۲۔ دس ہزار مسلمانوں کو اپنے اقتدار کے ابتدائی دنوں ہی میں شہید کر دیا، ان میں بہت سے علمائے دین بھی شامل تھے۔

۳۔ اسلام کی مخالفت میں کئی قوانین نافذ کئے۔

۴۔ مقابلے میں بولنے والے بہت سے مسلمانوں کی املاک ضبط کر لی گئیں۔

۵۔ ریڈیو سے دینی پروگرام یکلخت بند کر دیئے۔

۶۔ سرکاری تعلیمی اداروں سے اسلام اور اس سے متعلق مضامین کو خارج کر کے سوشلزم اور کمیونزم کی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔

۷۔ کاشتکاروں، مزدوروں اور خواتین پر "اشتراکی ثقافت" کے ترویجی پروگراموں میں شرکت لازم قرار دی گئی۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا کھلا اعلان انکار کیا جانے لگا (نعوذ باللہ) کمیونسٹ لیڈر بھرے مجمع میں اپنا ہاتھ بلند کر کے مسلمانوں کو للکارتے کہ "اگر تمہارا خدا موجود ہے تو میرا یہ ہاتھ نیچا کر کے دکھائے۔"

افغانستان میں مکمل طور پر کمیونسٹ حکومت مسلط ہو گئی تھی۔ لیکن کمیونزم کو یہاں اسلام پر مر مٹنے والی اس غیور قوم سے واسطہ پڑا جس نے صحابہ کرام کے دور میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد سے آج تک ایک دن کیلئے بھی اپنے اوپر غیر مسلموں کی غلامی کا داغ نہیں آنے دیا پھر یہ وہ لوگ تھے جو اپنی پڑوسی مسلم ریاستوں میں کمیونزم کے مظالم کا مشاہدہ پچھلی کئی دہائیوں سے کر رہے تھے۔ انہیں دھوکہ دینا ممکن نہ تھا۔

یہاں کے بیدار مغز علماء روسی سوشلزم اور کمیونزم کو شروع ہی سے مسلم افغانستان کیلئے خطرے کی گھنٹی قرار دیتے چلے آرہے تھے اور جب ظاہر شاہ کے دور میں "ثقافتی انقلاب" کے نام پر اسلام کی بیخ کنی کیلئے منظم کارروائیاں شروع ہوئیں تو انہوں نے آنے والے طوفان کو بھانپتے ہی اس کے خلاف جدوجہد شروع کر دی تھی۔

نور محمد ترہ کئی کے اس "سرخ انقلاب" نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور چند ہی دنوں بعد یہاں کے علماء نے متفقہ طور پر اس کافر حکومت کے خلاف اعلان جہاد کر ڈالا ---- ترہ کئی کی نام نہاد حکومت نے اس مقدس جہاد کو کچلنے کیلئے بھرپور جنگی طاقت استعمال کی کابل کی مشہور عالم بدنام ترین جیل "پل چرخی" کے بلڈوزر رات دن اجتماعی قبریں کھودنے میں مصروف رہتے جن میں بے گناہوں کو بغیر کفن کے دھکیل دیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کا جذبہ جہاد ان مظالم سے اور بھڑک اٹھا انہوں نے اپنی تابڑ توڑ گوریلا کارروائیوں سے تھوڑے ہی دنوں میں ترہ کئی کی یہ حالت کر دی کہ وہ چھاؤنیوں اور بکتر بند گاڑیوں سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

روس نے ترہ کئی حکومت کو نہتے مجاہدین کے ہاتھوں اس طرح بے بس

ہوتے دیکھ کر "خلق پارٹی" ہی کے ایک اور کمیونسٹ لیڈر حفیظ اللہ امین کو آگے بڑھایا جو اس وقت وزیر اعظم تھا۔ اس نے ترہ کئی کو قتل کر کے کرسی پر قبضہ کر لیا مگر چند روز میں روسی حکام کو اندازہ ہو گیا کہ امین ان کا وفادار نہیں ہے۔ اس نے مجاہدین کے خلاف کارروائیاں کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

چنانچہ روس نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اپنی فوجی دل افغانستان میں گھسا دیں، جنہوں نے سب سے پہلے حفیظ اللہ امین کا خاتمہ کیا اور اس کی جگہ "پرچم پارٹی" کے مشہور کمیونسٹ لیڈر "ببرک کارمل" کو چیکوسلواکیہ سے لا کر کٹھ پتلی صدر بنا دیا۔

جب ببرک کارمل کئی سال تک روسی فوج کی بھرپور طاقت اور جدید ترین اسلحے سے بھی جہاد کو نہ دبا سکا تو روس نے اسے بھی معزول کر کے اپنے چہیتے مہرے "ڈاکٹر نجیب اللہ" کو وہ کرسی پر بٹھا دیا اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو دنیا دیکھ رہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ "روسی واردات" کا یہ تیسرا مرحلہ ہی تھا جو جہادِ افغانستان کا سبب بنا اور بالآخر روسی سامراج کے لئے پیغامِ موت ثابت ہوا۔

افغانستان کے غیور مجاہدین نے اپنے دس لاکھ شہیدوں کا خون دے کر نہ صرف خود کو کمیونزم کی غلامی سے بچا لیا بلکہ وہ روس کی مقبوضہ مسلم ریاستوں میں بھی خفیہ طور پر اپنی جانوں پر کھیل کر پہنچے، انہیں اسلامی لٹریچر اور قرآن کریم کے نسخے پہنچائے اور جہادِ افغانستان کے منظر و پس منظر سے آگاہ کر کے ان میں آزادی کی تڑپ پیدا کر دی، بلکہ یہ کام ان فوجیوں نے بھی بڑے پیمانے پر انجام دیا جنہیں روس نے مقبوضہ ریاستوں سے یہ سمجھ کر بھرتی کیا تھا کہ یہ اپنے آبائی دین کو بھول چکے اور کمیونزم کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں ۔۔۔ ان میں کچھ ایسے ضرور تھے جنہیں صرف اتنا یاد رہ گیا تھا کہ ان کے والدین مسلمان تھے لیکن بڑی تعداد ان فوجیوں کی تھی جو دل سے اب بھی اپنے دین پر قائم تھے

ان فوجیوں نے جب افغانستان آکر مسلمانوں کے حالات، ان کی مظلومیت، ان کی نمازوں اور ایمان افروز جہاد کا مشاہدہ کیا تو ان کا بھی ایمان جاگ اٹھا، ان فوجیوں کی

ہمدردیاں مجاہدین کے ساتھ ہو گئیں۔ بعض مواقع میں تو انہوں نے اپنا اسلحہ تک مجاہدین کی نذر کر دیا۔

روس نے یہ صورت حال دیکھتے ہی انہیں تو واپس بلا لیا تھا لیکن جاگتے ہوئے ایمان نے آزادی کی جو تازہ روح ان میں پھونک دی ہے اس کا توڑ اب کسی کے پاس نہیں۔

افغانستان کی دلدل میں پھنس کر روس جس طرح شدید معاشی بدحالی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہے اور روس کی مقبوضہ ریاستوں میں صورت حال جس تیزی سے بدل رہی ہے اس سے تو اب یہی مژدہ سنائی دیتا ہے کہ

تمام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں! آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

افغانی کمیونسٹ

یہ بات تو معروف و مشہور ہے کہ افغانستان کے مسلمان اللہ کے فضل سے اسلام پر مرمٹنے والے ہیں لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ یہاں کے جو تقریباً ایک دو فیصد لوگ کمیونسٹ ہو گئے، وہ کمیونسٹ اور اللہ تعالیٰ کے بدترین دشمن ہیں بہت سے معاملات میں روسیوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔

روس کے کمیونسٹ اور بھی پکے ہوتے ہیں انہوں نے کمیونزم کو کسی لالچ سے نہیں بلکہ نظریاتی طور پر اختیار کیا ہے جس کیلئے ان کی ذہن سازی بڑی محنت اور سائنٹیفک تربیت سے کی گئی ہے۔ ان میں سے بیشتر انتہائی نازک حالات میں بھی ہتھیار نہیں ڈالتے۔ روسی فوج تو بہادر ثابت نہ ہوئی لیکن یہ آخر دم تک لڑتے ہیں اور مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہو جانے پر خودکشی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ جو شہر اب تک ان کے قبضہ میں ہیں ان کے تعلیمی اداروں میں مارکس اور لینن ہی کے نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ان افغان کمیونسٹوں کی اسلام دشمنی کے بہت سے واقعات میں سے قابلِ ذکر مجاہدین سے ہوئے ہیں مثلاً مسلمانوں کی اجڑی ہوئی بستیوں سے گزرتے ہوئے ان کی مساجد کو اجتماعی طور پر نعوذ باللہ بیت الخلاء کے طور پر استعمال کرنا اور پوری مسجد کو نجاست سے بھر دینا، قرآن کریم کے اوراق پر (خاکم بدہن) قضائے حاجت کرنا اور ان سے استنجا کرنا، اور قیدی مجاہدین کو بات بات پر یہ کہنا کہ ''بلاؤ اپنے خدا کو اگر خدا موجود ہے تو تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتا؟'' وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ) ــــ اس سلسلے کا ایک واقعہ مولانا رحمت اللہ حقانی نے اپنا چشم دید بیان کیا ہے۔ موصوف پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم حقانیہ'' اکوڑہ خٹک (صوبہ سرحد) کے فارغ التحصیل ہیں اور پچھلے آٹھ برس سے افغانستان میں برسرپیکار ہیں۔ وہ فرماتے ہیں (خلاصہ نقل کر رہا ہوں):

> ''ارغون کی ایک لڑائی میں ہمارے تین شہداء کی لاشیں دشمن نے اپنے قبضہ میں لے لیں۔ ہمارے مجاہدین نے ارغون کے والی (کمشنر) سے مذاکرات میں شہیدوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے یہ مطالبہ حقارت سے ٹھکرا دیا۔ ہمارے کمانڈر نے کہا ''اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔'' کمشنر نے جواب دیا ''تم خود بھی آؤ، تمہارا رسول بھی آئے اور تمہارا خدا بھی آئے سب کو لے آؤ۔ میرا چیلنج ہے کہ تم اپنے کسی شہید کا ایک بال بھی مجھ سے نہیں چھڑا سکتے۔''
>
> اس کا یہ چیلنج، خدا کا دعویٰ بن گیا کیونکہ مجاہدین نے اپنے تینوں کے تینوں شہداء واپس لے لئے ــــ اب مجاہدین نے ان کے ٹھکانوں پر میزائل داغے تو اس کا بھی ایک پاؤں کٹ گیا۔ کمیونزم کا طوق اب تک اس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔'' ([illegible])

واقعہ یہ ہے:

فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفاش

ڈاکٹر نجیب اللہ کا مذہب؟

افغانستان کے موجودہ "کٹھ پتلی ڈکٹیٹر" نجیب اللہ کا دین و مذہب کیا ہے؟ ——— بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں خود اس کے حقیقی بھائی "صدیق اللہ راہی" کا بیان یہاں نقل کر دیا جائے جو روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۳ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ (منگل ۱۶ اگست ۱۹۸۸ء) کے پہلے صفحے پر اس کی تصویر کے ساتھ شائع ہوا تھا:

> "پشاور (نمائندہ جنگ) افغانستان کے صدر ڈاکٹر نجیب اللہ کے بھائی "صدیق اللہ راہی" نے الزام عائد کیا ہے کہ ڈاکٹر نجیب اللہ ایک خام انسان ہیں، وہ مجھے ہر وقت دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اور انھوں نے اپنے والد کو بھی ہلاک کر دیا ہے ——— ۳۵ سالہ صدیق اللہ نے پیر کو یہاں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہمارے والد نجیب اللہ کے مخالف تھے، وہ معمولی بیمار تھے، اسپتال میں داخل ہوئے تو انہیں ہلاک کر دیا گیا جبکہ میں مغربی جرمنی بھاگ گیا، وہاں مجھے نشہ آور دوا کھلائی گئی، اور جب مجھے ہوش آیا تو مشرقی جرمنی منتقل کر دیا گیا اور پھر کابل لے آئے۔" انھوں نے کہا ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں جن میں سے ۳ بھائی کمیونسٹ ہیں جبکہ میں اور میری بہنیں کمیونسٹ نہیں ہیں۔"

گھر کے بھیدی کے اس بیان سے بھی ان حضرات کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو افغانستان سے روسی فوجوں کی پسپائی کے بعد اب افغانستان کے مقدس جہاد کو "مسلمانوں کی خانہ جنگی" کا نام دے رہے ہیں۔

خوست کا محاذ

"خوست" افغانستان کے مشرقی صوبے "پکتیا" کا مشہور شہر اور "گردیز" اس کا دارالحکومت ہے۔ افغانستان میں صوبے کو "ولایت" کہا جاتا ہے۔ ولایت پکتیا اور ولایت کابل کے درمیان صرف ایک چھوٹی سی ولایت "لوگر" حائل ہے۔ باقی تمام صوبوں کی طرح ان تینوں صوبوں کا بھی نوے فیصد علاقہ اب مجاہدین کے قبضہ میں ہے، صرف چند شہروں اور چھاؤنیوں پر کمیونسٹ قابض ہیں ـــــ

پکتیا روسیوں کے تسلط سے پہلے بہت بڑا صوبہ تھا، روسیوں نے اس کے جنوبی علاقے کو مستقل "ولایت" کا درجہ دے کر اس کا نام (ایک کاف کے اضافے سے) "پکتیکا" رکھ دیا۔ اس نئے صوبے کا مشہور شہر "ارغون" اور دارالحکومت "شرنہ" ہے جس کی مکمل فتح کا حال پیچھے آ چکا ہے۔ ان دونوں صوبوں کی مشرقی سرحد پاکستان کے آزاد قبائلی علاقے "شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان" سے ملتی ہے، خوست اس پاکستانی سرحد سے تقریباً ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر گردیز اور کابل کی سمت میں واقع ہے ـــ

یوں تو افغانستان میں چھوٹے بڑے تقریباً چار سو (۳۰۰) محاذوں پر جنگ ہوتی رہی ہے لیکن خوست اور ارغون کی اس لحاظ سے بہت اہمیت ہے کہ کمیونسٹوں نے ان دونوں سرحدی شہروں کو پاکستان کے خلاف تخریب کاری کے بہت بڑے بڑے اڈوں کی حیثیت دی ہوئی تھی اور اس پورے علاقے کو مزید طاقتور بنانے کیلئے دو صوبوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو مستقل صوبے کے اختیارات اور وسائل سے لیس کر دیا تھا تاکہ پاکستان کے خلاف بھرپور کارروائیاں کی جا سکیں۔ "خاد" کے تربیت یافتہ تخریب کار پاکستان میں بیشتر یہیں سے داخل کئے جاتے تھے، پاکستان کے وزیری قبائل کو بھی یہیں سے پاکستان اور مجاہدین کے خلاف مسلسل بھرتی کیا جاتا اور تربیت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی پاکستان اور مجاہدین کے خلاف ہر طرح کی کارروائیاں عمل میں آتی تھیں۔ ارغون کی فتح کے بعد اب اس سمت میں صرف خوست ہی ان سازشوں کا مرکز تھا۔

جغرافیائی اور سیاسی اہمیت کے علاوہ خوست کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بڑے بڑے کمیونسٹ لیڈر "پکتیا" اور خوست ہی کے باشندے ہیں، حفیظ اللہ امین، ببرک کارمل، ڈاکٹر نجیب، شاہنواز تنائی اور کئی بڑے بڑے حزبی یہیں کی پیداوار ہیں ـــــ ویسے بھی اس

علاقے میں افغانی کمیونسٹوں کی تعداد زیادہ تھی 'جو اپنی فوج کیلئے مجاہدین کے خلاف جاسوسی کا کام بہت بڑے پیمانے پر انجام دیتے رہے ہیں۔

ان اسباب کی بناء پر کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ نے خوست کی حفاظت کو اپنے وقار اور موت وحیات کا مسئلہ بنایا ہوا تھا۔ خوست کی چھاؤنی 'ہوائی اڈہ' ریڈیو اسٹیشن ' یونیورسٹی ' وزارت تعلیم کے دفتر سمیت سارے وسائل پاکستان اور مجاہدین کے خلاف برسوں سے سرگرم عمل تھے۔ ڈاکٹر نجیب کا یہ بیان متعدد رسالوں میں شائع ہو چکا ہے کہ "خوست ناقابل تسخیر ہے اگر مجاہدین نے اسے بھی فتح کر لیا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔"

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو!
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

مشکل ترین محاذ

خوست کے دفاع کیلئے دشمن نے جو جتن کئے تھے ان سے بظاہر یہ ناقابل تسخیر ہی تھا۔ یہ خوبصورت شہر اور اس کی چھاؤنی بہت بڑے میدانی علاقے میں "دریائے شامل" کے شمالی کنارے پر واقع ہیں یہ دریا اس طرف سے خوست کے دفاع کا قدرتی ذریعہ ہے اس شہر کے ہر طرف تقریباً ۱۵ کلو میٹر تک میدانی علاقہ ہے جس میں جگہ جگہ دشمن کی فوجی چوکیاں ' قرار گاہیں (Base) ٹینک اور مورچے تھے۔ پھر اس میدانی علاقے کو ہر طرف سے طویل پہاڑی سلسلوں نے گھیرا ہوا ہے ' ان پر زور اں پہاڑیوں اور ٹیلوں پر دشمن نے بیسیوں بڑی بڑی چوکیاں (پوسٹیں) قائم کی ہوئی تھیں ' جو ہر قسم کے اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس اور دشمن فوج سے بھری ہوئی تھیں ' ہر بڑی چوکی کے تحت اس کے ارد گرد کی پہاڑیوں اور چوٹیوں میں درجنوں چھوٹی چھوٹی چوکیاں ' اور مورچے تھے ' جن کے گرد و پیش کا سارا علاقہ لاکھوں بارودی سرنگوں سے پٹا پڑا تھا ۔۔۔ اس طرح خوست کا یہ سارا علاقہ جس کا طول تقریباً ستر (۷۰) کلو میٹر ' اور عرض تقریباً ۵۵ کلو میٹر ہے ' دشمن کے قبضہ میں تھا۔

اس میں مائیل میں پھیلے ہوئے دفاعی حصار کے باہر ہر طرف سے پہاڑوں میں مجاہدین "مولانا جلال الدین حقانی" کی مرکزی قیادت میں برسوں سے ڈٹے ہوئے تھے ' انہوں نے اس پورے علاقے کا محاصرہ کیا ہوا تھا ' جس کا مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کیلئے یہ

پہاڑی سو کلو میٹر کا پھیلاؤ رکھتا تھا ____ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ افغانستان کے محاذوں میں یہ مشکل ترین محاذ تھا کیونکہ خوست شہر اور چھاؤنی تک پہنچنے میں سب سے پہلے تو یہ عجیب پہاڑی سلسلہ حائل تھا جس کی تقریباً ہر چوٹی اور پہاڑی سے دشمن کی دور مار توپیں شب و روز مجاہدین پر آگ اور لوہا برسا رہی تھیں۔ آگے تقریباً ۵ کلو میٹر تک میدانی علاقہ دشمن کی چوکیوں، مورچوں، ٹینکوں اور بارودی سرنگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد جنوب کی طرف سے دریائے شمال کو عبور کرنا بھی ایک مستقل مسئلہ تھا۔ یہ بھی عبور ہو جائے تو خوست کی زبردست چھاؤنی کو فتح کرنا آسان نہ تھا جبکہ دشمن کو اپنی فضائیہ کی بھرپور امداد ہر وقت حاصل تھی اور مجاہدین کے پاس فضائیہ تو کجا فضائی حملوں سے بچنے کا بھی کوئی قابل ذکر سامان نہ تھا۔ مگر بقول بھائی جان مرحوم

عقل تو سود و زیاں کے فکر میں الجھی رہی
جم گئے اہل جنوں خوف و خطر کے سامنے

مجاہدین صف شکن

ان تمام صبر آزما رکاوٹوں کے باوجود آفریں ہے مجاہدین کے پائیدار عزم راسخ پر کہ انہوں نے خوست کی طرف پیش قدمی ہر سمت سے جاری رکھی اور خوست کے گرد ان کا گھیرا مسلسل تنگ ہوتا رہا۔ ہر سال یہ گھیرا تقریباً ۱۰ کلو میٹر تنگ ہو جاتا تھا ____ رفتار سست ضرور تھی کیونکہ وہ ہفتوں اور مہینوں کی منصوبہ بندی اور تیاری کرکے اور کتنی ہی جانوں کا نذرانہ دے کر کسی پہاڑ کو فتح کرتے لیکن فوراً انہیں دشمن کے فضائی حملوں کے باعث واپس آنا پڑتا۔ ان فتوحات سے یہ فائدہ تو ضرور ہوتا کہ دشمن کے بہت سے سپاہی جہنم رسید اور بہت سے زخمی اور گرفتار ہو جاتے، دشمن کے حوصلے پست اور مجاہدین کے حوصلے بلند ہو جاتے اور مجاہدین کو بڑی مقدار میں اسلحہ اور خورد و نوش کا سامان مل جاتا، مگر ان کی واپسی کے بعد دشمن پہلے سے زیادہ ساز و سامان کے ساتھ پھر اس پہاڑ پر قابض ہو جاتا تھا۔

ان کٹھن حالات میں یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ ۱۹۸۸ء کے آخر تک مجاہدین اس پہاڑی سلسلے کے اکثر حصے پر قابض ہو کر وہاں اپنے مضبوط مراکز اور مورچے قائم کر چکے تھے۔

اس پہاڑی سلسلے میں تین پہاڑ سب سے اونچے تھے (۱) تور غرہ (۲) راگ بیلی (۳) مانی کنڈو ــ دو "راگ بیلی" اور "مانی کنڈو" پر بھی قبضہ کرکے دشمن کی مضبوط ترین اگلی دفاعی لائن کو بڑی حد تک تہس نہس کر چکے تھے اور محاصرہ اتنا سخت کر دیا تھا کہ زمینی راستے سے خوست کو کسی قسم کی رسد تک پہنچنے کا امکان نہ چھوڑا تھا۔ شروع میں تو خوست کو رسد تک پہنچانے کیلئے فوجی قافلے طویل وقفوں سے آتے رہے لیکن جب مجاہدین نے ان قافلوں کا بھی تیا پانچا کر دیا تو آخری بدنصیب قافلہ جو ۱۹۸۷ء کے اواخر میں آکر تباہ وبرباد ہوا تھا اس کے بعد کوئی قافلہ ادھر کا رخ نہ کر سکا۔

اب خوست کو رسد تک صرف فضائی راستے سے مل رہی تھی جس کیلئے خوست کا بڑا ہوائی اڈہ شب و روز مشغول تھا اور جب تک "تور غرہ" فتح نہ ہوا اور اس کی چوٹی پر مجاہدین کا قبضہ نہ ہو اس ہوائی اڈے کو نشانہ بنانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس چوٹی سے ہوائی اڈہ صاف نظر آتا ہے۔ امریکہ کی طرف سے "سٹنگر میزائلوں" کی فراہمی بند ہوجانے کے باوجود بھی مجاہدین تقریباً ہر مہینے دشمن کے ایک دو جہاز کسی طرح شکار کر ہی لیتے تھے۔

منزل ہے دور پھر بھی مسرت ہے کم نہیں
ہمت بڑھی ہوئی ہے کمی فاصلوں میں ہے

کرامتوں کا ظہور کب ہوتا ہے؟

اس صبر آزما محاذ پر جہاد کے بارہ برسوں میں مجاہدین نے سرفروشی اور عزم وشجاعت کی جو تاریخ ساز مثالیں قدم قدم پر رقم کی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد کے جن حیرتناک واقعات اور کرامتوں کا ظہور ہوا ہے ان سب کو اگر کاغذ پر بھی لکھنا ممکن ہوتا تو اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ ان کیلئے کئی ضخیم جلدوں کی وسعت درکار ہوتی۔ تاہم چند واقعات کا ذکر پیچھے بھی ہو چکا ہے' انشاءاللہ آگے بھی آئے گا۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ "کرامتوں" کا نزول' کاہل اور بے عمل لوگوں پر نہیں ہوا کرتا' یہ انعام ان "شیخ چلیوں" کا مقدر نہیں بنتا جو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر معجزوں کی تمنا کرتے ہیں ـــــ قرآن و سنت کی ہدایات' اور اسلام کی ۱۴ سو سالہ تاریخ'

اور قومِ افغانستان کے یہ شاندار کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ نصرتوں کا نزول ان
اولوالعزم مردانِ خدا مست پر ہوتا ہے جو اپنی پوری توانائیاں بہترین طریقے اور وسائل کی
ساری پونجی حتیٰ کہ جانِ عزیز بھی دین کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے داؤ پر
لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے اور اسی سے ہر مشکل میں مدد مانگتے ہیں۔ پھر
جب ان پر ایسا وقت آپڑتا ہے کہ ظاہری سہارے ختم ہو جاتے اور اسباب و وسائل جواب
دے جاتے ہیں خوف سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نظر نہیں
آتی تو اللہ رب العالمین غیبی امداد بھیج کر اپنا یہ وعدہ پورا فرماتا ہے کہ

"ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ"

"پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو اسی
طرح ہم ایمان والوں کو بچائیں گے یہ ہمارے ذمہ
ہے۔" (یونس: ۱۰۳)

اور اس وعدے کا بھی مشاہدہ کھلی آنکھوں ہو جاتا ہے کہ

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ
وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ"

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی
تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔"
(محمد: ۷)

بندہ جب اپنے رب کی ان نوازشوں کو دیکھتا ہے تو اس کی ڈھارس بندھ جاتی
ہے اللہ پر یقین و توکل اور پختہ ہو جاتا ہے ایمان کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے کہ مصیبتوں
کی لذت کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہو جاتی ہیں وہ اس کی معیت کو محسوس کرنے لگتا

مولانا جلال الدین حقانی

محاذِ خوست کے مرکزی کمانڈر "مولانا جلال الدین حقانی" خود اس جہاد کی ایک زندہ کرامت ہیں' جہاد کے آغاز سے اب تک یہ جن قیامتوں سے گذر گذر کر کمیونسٹوں کیلئے "بلائے بے درماں" بنے ہوئے ہیں' اسے اعجوبہ یا جہاد کی "کرامت" ہی کہا جا سکتا ہے ـــــ افغانستان کے موجودہ نام نہاد صدر ڈاکٹر نجیب کا وطن "صوبہ پکتیا" ہے تو ہر "فرعونے را موسیٰ" کے اصول پر یہ بھی اسی "پکتیا" کے مردِ مومن ہیں ـــــ ۱۳۸۹ھ میں پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم حقانیہ" (اکوڑہ خٹک) سے فارغ التحصیل ہوئے' اپنے نام کے ساتھ "حقانی" اسی نسبت سے لکھتے ہیں۔ مجاہدین کی مشہور تنظیم "حزب اسلامی" (یونس خالص گروپ) سے منسلک ہیں۔

یہ ان علمائے ربانی کی صف اول میں شامل ہیں جنہوں نے کمیونزم کے خلاف اسی وقت جدوجہد شروع کر دی تھی جب روس اپنے حلیف ظاہر شاہ اور "داؤد خان" کو بیوقوف بنا کر افغانستان میں اپنی "واردات" کا دوسرا مرحلہ انجام دے رہے تھے۔ پھر جب "ترہ کئی" نے ملک میں کمیونسٹ انقلاب برپا کیا' تو یہ ان اولوالعزم علمائے کرام میں پیش پیش تھے جنہوں نے اس کافر حکومت کے خلاف فوراً مسلح جہاد شروع کر دیا اور گھروں کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں میں مورچے سنبھال لئے ـــــ یہ روسی فوجوں کی یلغار سے بھی تقریباً ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے ـ سو دن اور آج کا دن' یہی پہاڑ اور چٹانیں ان شاہینوں کا نشیمن ہیں۔

اس ادھیڑ عمر' درویش صفت عالم دین' مردِ مجاہد کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلم سپہ سالاروں کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے' چھریرا بدن' متناسب قد' سرخ و سفید رنگ' نورانی چہرے پر باوقار داڑھی' چھوٹی مگر تیز آنکھیں' سر پر بارعب عمامہ' پہلو میں پستول لٹکا ہوا' سینے پر گولیوں کی پیٹی آراستہ' ہاتھ میں کلاشنکوف' پرعزم پراعتماد' مگر عجز و انکساری کی تصویر ـــــ ایک مرتبہ دارالعلوم کراچی (کورنگی) بھی تشریف لائے' ہماری درخواست پر جہاد افغانستان ہی کے موضوع پر خطاب کیا' روئے بھی رلایا بھی۔

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

عجائب نصرت

اسی خطاب میں ترہ کئی کے زمانے کا ایک واقعہ سنایا (الفاظ تو اب یاد نہیں رہے مفہوم عرض کرتا ہوں):

"میں نے اپنے کئی سو غازیوں کو ساتھ لیکر پہاڑوں میں ٹھکانہ تو بنا لیا، ہم یہاں سے اتر کر دشمن پر اچانک چھاپے مارتے تھے لیکن خوراک کی قلت ہو گئی۔ ____ ایک صبح نماز فجر کے بعد مصلے پر بیٹھا تھا اللہ تعالیٰ سے رو رو کر عرض کرنے لگا 'یا اللہ! آپ کے یہ نیک بندے میرے ساتھ آپ پر جان دینے کیلئے جمع تو ہو گئے ہیں مگر ان کی خوراک کا کیا ہو گا؟ مجھ سے نہ اپنی بھوک برداشت ہوتی ہے نہ ساتھیوں کی ____ اسی حالت میں چند سیکنڈ کو اونگھ سی آئی اور کسی نے پیچھے سے میرے داہنے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اللہ سے بدگمانی کرتے ہو؟"

میں اپنی ذرا پہلے کی بات بھول گیا تھا گردن جھکائے ڈرتے ڈرتے بولا "نہیں نہیں میں نے تو بدگمانی نہیں کی" ____ آواز آئی "تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو رزق وہی دے گا جس نے اب تک دیا ہے کیا اب جبکہ اس کی راہ میں جہاد کر رہے ہو وہ تمہیں بھوکا رہنے دے گا؟ رزق اتنا ملے گا کہ تم گوشت درختوں میں لٹکا ہوا پاؤ گے" ____

اس واقعے کو مشکل سے ہفتے گزرے ہوں گے کہ

میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ سامنے ایک درخت پر ۲۴ بکرے ذبح
شدہ لٹکے ہوئے ہیں۔ پرابر میں ایک دیہاتی کھڑا تھا اس نے یہ
بکرے تحفۃً مجاہدین کے واسطے لاکر ابھی ذبح کئے تھے۔" ____
اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں کبھی خوراک کی کمی
نہیں ہوئی۔"

ترہ کئی دور کے زمانے کا ایک اور واقعہ انہوں نے ڈاکٹر عبداللہ عزام کو سنایا کہ:

"جس پہاڑ پر ہم نے بسیرا کیا ہوا تھا اس پر کہیں آگ نہیں
جلا سکتے تھے کیونکہ دشمن کے جاسوس دھواں دیکھتے ہی حکومت
کو خبر کر دیتے تھے (جبکہ آگ کی ضرورت کھانا پکانے ہی کیلئے
نہیں سردی سے بچنے کیلئے بھی شدید تھی) اس پریشانی کو اللہ
تعالیٰ نے اس طرح دور فرمادیا کہ بادل آئے اور ہمارے پہاڑ پر
تقریباً سال بھر اس طرح چھائے رہے کہ دھواں باہر سے کسی کو
نظر نہ آتا تھا۔"[1]

اسی زمانے کا ایک واقعہ یہ سنایا[2] کہ:

"ترہ کئی کے زمانے میں جب کوئی مجاہد شہید ہو جاتا اور
حکومت کو اس کی شناخت ہو جاتی تو وہ اس کے سب رشتہ
داروں کو قتل کروا دیتی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ انعام ہوا کہ
ہم میں سے کوئی ایسا مجاہد شہید نہیں ہوا جس کے اہل خانہ
آبادیوں میں موجود تھے، شہید ہونے والے سب وہ تھے جن
کے اہل خانہ ہجرت کر چکے تھے۔"

---

[1] آیات الرحمٰن فی جہاد الافغان ص ۱۲۱ تا ۱۲۲

[2] حوالہ بالا ص ۱۲۲

مولانا فرماتے ہیں [1] کہ :

”تره کئی کے زمانے میں دشمن کے ٹینک ہمارے لئے مشکل ترین مسئلہ تھے کوئی ٹینک شکن ہتھیار (P2, P7 وغیرہ) ہمارے پاس نہ تھا ہم نے کچھ روپے جمع کئے اور ایسے ہتھیار خریدنے کیلئے بہت گھومے پھرے مگر ساری کوششیں بیکار گئیں ہماری تعداد اس وقت تقریباً ۵۰ تھی ۔ ایک دن تره کئی کی افواج نے جن کی تعداد ہزاروں میں تھی ، ہم پر ٹینکوں ، توپوں اور مشین گنوں سے حملہ کیا ان سے جنگ ڈھائی دن جاری رہی ، دشمن کو شکست ہوئی اور ہمیں غنیمت میں ۲۵ ٹینک شکن توپیں (P2, P7) کئی مشین گنیں ، ۸ ٹینک اور ایک ہزار قیدی ہاتھ آگئے ، ہر قیدی کے پاس ایک ایک کلاشنکوف تھی ۔“

پھر جب دسمبر ۱۹۷۹ء کو روسی فوجیں افغانستان میں گھس آئیں تو اب روسی طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹر سب سے بڑا مسئلہ بن گئے ان کے پاس ایک بھی طیارہ شکن توپ نہیں تھی کئی سال اسی طرح بے سروسامانی میں دشمن کی فضائی چیرہ دستیوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہ طیارہ شکن توپیں کس طرح ملیں ؟

بہت سے واقعات میں سے ایک جو ۱۹۸۲ء میں پیش آیا مولانا خود ہی سناتے ہیں [2] :

”ہم ۵۹ مجاہد تھے ، دشمن نے ہم پر ۲۰۰ ٹینکوں اور بکتربند گاڑیوں سے حملہ کیا انکے دستوں کی تعداد ۱۵۰۰ تھی اوپر سے ان کے طیارے مسلسل بمباری کر رہے تھے ــــــ لیکن اس جنگ

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۱۵
[2] آیات الرحمن فی جہاد الافغان ص ۱۱۵ ، ۱۱۶

کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کے ۵ ٹینک اور توپوں کو نقصان پہنچا، ہوئیں، ۵۰ کمیونسٹ ہلاک، اور ۲۰ زخمی ہوئے، اور ہمیں غنیمت میں جو اسلحہ ملا وہ یہ تھا۔

طیارہ شکن توپ	ایک
گرینوف گنیں	۳ عدد
کلاشنکوف	۷ عدد
۷۶ ملی میٹری توپ	ایک
توپ کے گولے	۲۸۰
گولیاں	۲۶ ہزار

مولانا سے میری دوسری ملاقات پشاور میں ہوئی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے رات کے کھانے پر مدعو فرمایا اور کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ "مولانا جلال الدین حقانی" کو بھی جو اس وقت پشاور آئے ہوئے تھے مدعو فرمالیا۔ اللہ والوں کے ساتھ یہ مجلس نعمت کبریٰ تھی۔ لیکن مجھے اس وقت تک وہ بات معلوم نہیں تھی جس کا ذکر جناب عزیز اللہ مرحوم نے اپنی کتاب "آیات الرحمن فی جہاد الافغان" میں کیا ہے، اور وہ مولانا حقانی کے سینے پر گولیوں کی جو پٹی اس وقت بھی آراستہ تھی، اسے بغور نہیں دیکھا۔ عزیز اللہ مرحوم کہتے ہیں:

"جلال الدین حقانی گولیوں کی جو پٹی اپنے سینے پر باندھے رہتے ہیں، میں نے اس پٹی پر وہ نشان اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو دشمن کی گولی لگنے سے پڑا ہے لیکن گولی نے ان کے سینے کو خراش تک نہیں لگائی۔"

آیات الرحمن فی جہاد الافغان ص ۱۰۱

اس سے بھی عجیب واقعہ مولانا کے حقیقی بھائی ابراہیم صاحب کے ساتھ پیش آیا ان کا بیان ہے کہ:[1]

"۲۰ شعبان ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) کو خوست کے ایک معرکے میں ہم پر بمباری ہوئی، ہماری وردیاں بھی ٹوٹ گئی، بموں کے دہکتے ہوئے پرچے لگنے سے میری شلوار تک جل گئی مگر مجھے کوئی زخم نہیں آیا، بموں اور گولوں کے پرچے ہمارے اکثر مجاہدین کو لگے، بعض کی ٹوپیوں کی چوٹی بھی کٹ گئی اور کپڑے تو اکثر کے جل گئے ___ لیکن زخمی کوئی نہیں ہوا۔" (ڈاکٹر عاصم کہتے ہیں کہ "ابراہیم کی وہ جلی ہوئی شلوار میں نے خود دیکھی ہے اور میرے پاس محفوظ ہے۔")

پاکستانی سرحد (میران شاہ) سے خوست کو جاتے ہوئے صوبہ پکتیا میں داخل ہوتے ہی "ژاور" کے پہاڑوں میں مولانا حقانی کے جنگی مراکز شروع ہو جاتے ہیں، یہاں اس مرد درویش نے بہت تاک پہاڑوں کے سینے چیر چیر کر ان میں کئی لمبی لمبی سرنگیں بنائی ہیں ان میں مسجد، اسلحے کے ذخائر، خوراک اور دواؤں کے ذخیرے، ہسپتال، گاڑیوں کے ورکشاپ، وائرلیس اسٹیشن اور انتظامی دفاتر وغیرہ دشمن کی بمباری سے محفوظ رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ باہر مجاہدین کی تربیت کے مراکز ہیں، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھی کھڑی ہیں ___ لطف کی بات یہ ہے کہ سب اسلحہ بڑی حد تک دشمن ہی سے چھینا ہوا ہے۔ اور اب

اسی کی جیاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

---

[1] حوالہ بالا ص ۲۲:

سرنگ کا عجیب[1] واقعہ

کمیونسٹوں نے ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء میں "ژاور" کے مرکز پر زمین اور فضاء سے ۲ بار سخت حملے کئے۔ ایک موقع پر مولانا اور ان کے ساتھیوں کو ایک پہاڑی سرنگ میں پناہ لینی پڑی مگر دشمن نے اس پہاڑ پر بھی ایسی شدید بمباری کی کہ پہاڑ کا ملبہ سرنگ کے منہ پر آگرا اور سرنگ کا منہ اس کے نیچے دب کر مکمل طور پر بند ہو گیا ــــ اس وقت تک ان سرنگوں سے نکلنے کا پیچھے کی طرف کوئی راستہ نہیں[2] تھا ــــ مولانا فرماتے ہیں کہ

> "ہمیں یقین ہو گیا کہ یہی سرنگ ہماری قبر بنے گی، سخت گھٹن کی حالت میں کلمہ طیبہ کا ورد اور دعائیں کرنے لگے ــــ چند ہی منٹ بعد دشمن طیارے پھر آگئے اور سخت بمباری کی، لیکن یہ بمباری ہماری خلاصی کا ذریعہ بن گئی ــــ لگاتار کئی بم اسی ملبے پر گرے جس سے وہ ملبہ بکھر کر وہاں سے اتنا ہٹ گیا کہ ہم باہر نکل آئے۔"

تقریباً ۱۰ منٹ بعد یہی واقعہ اسی مرکز کی دوسری سرنگ میں چھپے ہوئے مجاہدین کے ساتھ پیش آیا، وہ بھی دشمن ہی کی دوبارہ بمباری سے رہا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا کہ

"وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا"

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے خلاصی کا راستہ

---

[1] یہ واقعہ میں نے کئی حضرات سے سنا تھا جن کے نام یاد نہ رہے تھے، اس لئے اب تک نہیں لکھا تھا۔ حال ہی میں (اگست ۱۹۹۱ء میں) راقم الحروف کا اپنے کئی رفقاء کے ساتھ ژاور کے محاذ پر جانا ہوا تو راستے میں پاکستان کے سرحدی شہر "میران شاہ" میں مولانا سے تیسری ملاقات ہوئی۔ میری درخواست پر انہوں نے یہ واقعہ مجھے تفصیل سے سنایا۔

[2] اب وہ بھی بن گئے ہیں۔ بلکہ ان سرنگوں کو آپس میں بھی اندر ہی اندر ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے۔

نکال دیتا ہے ۔" (النصر ـــ ۲)

اس حملے میں دشمن نے آتشی بم گرا کر پورے جنگل میں آگ لگادی تھی ۔ ایک بم کے دھماکے سے مولانا کئی فٹ اوپر اچھل کر گرے تو نیچے لگی ہوئی آگ سے پیٹ اور جسم کے کئی حصے جل گئے ' تشویشناک حالت میں پشاور کے ہسپتال پہنچایا گیا ' جلنے کے گہرے نشانات پیٹ پر اب تک ہیں جو انہوں نے ہمیں بھی دکھائے ـــــ

دشمن کی اس یلغار کے وقت مولانا ارسلان رحمانی ' جو مجاہدین کی ایک اور بڑی تنظیم "اتحاد اسلامی افغانستان" کے مشہور کمانڈر ہیں کسی اور مقام پر تھے ۔ انہیں اطلاع ملی تو دوسرے کئی کمانڈروں کی طرح وہ بھی اپنے کئی سو غازیوں کے ساتھ ایک لمبا چکر کاٹ کر وہاں پہنچے ' اور دشمن پر اچانک ٹوٹ پڑے ۔ دشمن کو اپنی کتنی ہی لاشیں چھوڑ کر بھاگنا پڑا ۔

مولانا حقانی کی نظر اس پر بھی ہے کہ فتح کے بعد افغانستان کی ' مضبوط اسلامی بنیادوں پر تعمیر نو کیلئے ایک دیندار ' تعلیم یافتہ جفاکش اور تربیت یافتہ نسل کی ضرورت ہوگی ' اس کیلئے انہوں نے دیگر کئی افغان رہنماؤں کی طرح ایک عظیم الشان اقامتی درسگاہ "منبع العلوم" میران شاہ میں قائم کی ہے ۔ اس میں مہاجرین افغانستان کے بچوں اور نوجوانوں کی بڑی تعداد زیر تعلیم ہے ۔ اور ایک ایسے نصاب و نظام تربیت سے بہرہ ور ہو رہی ہے جو مستقبل کی "اسلامی فلاحی ریاست" کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے میں انشاء اللہ معاون ثابت ہوگا ۔

عشق فقیہ حرم ' عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل ' اس کے ہزاروں مقام

کمانڈر زبیر خوست کے محاذ پر

ملتان کے قریب ایک قصبہ "عبدالحکیم" نامی ہے ' کھوکھر برادری کے نذیر خالد نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم یہیں حفظ کیا تھا ۔ اس وقت سے ان کا گھرانہ یہیں آباد

ہے، ورنہ آبائی وطن ضلع جھنگ میں تحصیل شورکوٹ کا ایک گاؤں "گگی نو" تھا، ہم سایہ زبیر خالد کی شادی کو چھٹا سال چل رہا تھا اکلوتی چہیتی بیٹی "صفیہ" اب سوا دو سال کی ہو چکی تھی۔

زبیر خالد کراچی کی کانفرنس کے بعد مجھ سے رخصت ہو کر گھر آئے تو خلاف معمول یہاں مسلسل نو روز قیام رہا، ورنہ محاذ پر جاتے آتے وہ گھر عموماً گھڑے گھڑے ہی آتے تھے ــــ جو دن گھر میں بسر ہوتے پورے خاندان کے لئے وہ بڑی خوشیوں کے دن ہوتے، بیوی، بچی، والدین اور بھائیوں کی عید ہی آئی رہتی، اس مرتبہ تو زبیر بہت ہی خوش تھے کیونکہ گھر آنے سے صرف دس روز پہلے انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک دل موہ لینے والا بیٹا بھی عطا فرما دیا تھا، ایک بزرگ نے اس کا نام "عبداللہ" رکھا اور مسکرا کر فرمایا: "مجاہد کا بیٹا مجاہد ہو گا" ــــ "عبداللہ بن زبیر"۔[1]

رفیقۂ حیات، جس نے یہ جانتے بوجھتے اس غازی کی رفیق زندگی بننا قبول کیا تھا کہ اس کا قیام خطرناک محاذوں پر زیادہ اور گھر پر بہت کم ہو گا، خوش تھی کہ اس کا شوہر دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہے، اس کیلئے یہ تصور بڑا خوشگوار تھا کہ جدائی کی تکلیفیں سہہ سہہ کر وہ بھی اس مقدس جہاد میں حصہ لے رہی ہے، وہ یہ سوچ کر اپنی تکلیف بہت دیر کیلئے بھول جاتی تھی کہ وہ شوہر کو محاذ پر بھیج کر اپنی ان افغان بہنوں کے دکھ میں شریک ہو گئی ہے جنہیں دشمن نے بے گھر کر کے غریب الوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا ہے، جن کے معصوم بچوں کو آتشیں بموں کے بھڑکتے شعلوں نے بھسم کر ڈالا، جن کے سہاگ اجاڑ دیئے گئے، والدین کا سایہ چھین لیا گیا، اور جن کے حقیقی بھائیوں کو ان کے سامنے گولیوں سے چھلنی کر ڈالا گیا ــــ میرا شوہر جن افغان بھائیوں کے دوش بدوش لڑ رہا ہے وہ بھی کسی ماں کی ممتا، کسی سہاگن کا سہاگ، کسی بچی کے سر کا سایہ اور کسی بہن کا ارمان

---

[1] کمانڈر زبیر کے یہ اور آگے آنے والے خانگی حالات بیشتر ماہنامہ "الارشاد" شمارہ جمادی الاخری ورجب ۱۴۰۹ھ سے ماخوذ ہیں، باقی تفصیلات مجھے ان کے برادر بزرگوار جناب حاجی فیض رسول نے زبانی بتائی ہیں۔

ہیں ' ___ ان کی اماں ایک دینی فریضہ ہے اور میرا شوہر یہی فریضہ ادا کر رہا ہے۔

ایک بار زبیر سے گھر والوں نے پوچھا "آپ کب آؤ گے"؟ ___ وہ مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولے "ہر بندہ یہی پوچھتا ہے کہ آپ آؤ گے، یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ جاؤ گے؟ ___ وہ باتوں ہی باتوں میں رفیقہ حیات کو سمجھایا کرتے تھے کہ "شریعت میں غم سے آنسو بہانے کی تو اجازت ہے مگر آواز بلند کر کے رونا جسے "نوحہ" کہتے ہیں جائز نہیں۔ میں شہید ہو جاؤں تو نوحہ نہ کرنا۔ صفیہ کو قرآن کریم حفظ کروانے کے بعد دینی تعلیم دلوانا" اس مرتبہ یہ ہدایت بھی کی کہ

"عبداللہ جب ۵ سال کا ہو جائے تو میری کلاشنکوف دے کر
اسے محاذ پر بھیج دینا۔"

گھر آئے ہوئے آٹھواں دن تھا کہ خوست کے محاذ سے نائب کمانڈر کا پیغام ملا

"پروگرام کو حتمی شکل دینے کیلئے آپ کا انتظار ہے۔"

اگلی ہی صبح ۷ جنوری ۱۹۸۹ء کو کمانڈر زبیر محاذ پر جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ، آنکھوں میں وہی پر عزم چمک ___ دروازے پر والدین، بھائی، بہن، رفیقہ حیات، بیٹی صفیہ اور ننھے عبداللہ جن کے چہروں پر غیر معمولی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی انہیں فرداً فرداً رخصت کر رہے تھے ___ بالآخر زبیر نے صفیہ کو اور پھر ننھے عبداللہ کو گود میں لے کر پیار کیا، کچھ پڑھا اور "اللہ کے سپرد" کہہ کر سب کو سلام کر کے تیز تیز قدم اٹھاتے روانہ ہو گئے۔ ___ ان کا چہرہ جواب خاصا سنجیدہ ہو گیا تھا، گھر والوں سے کسی قدر معذرت کے انداز میں کہہ رہا تھا

اس جہد طلب سے ہی تو قائم بنیاد ہے ہر موج آتی کی
وہ موج فنا ہو جاتی ہے جس موج کو ساحل ملتا ہے

محاذ پر پہنچتے ہی دشمنوں نے استاذ عبدالرب الرسول سیاف کی تنظیم "اتحاد اسلامی افغانستان" کے مقامی افغان کمانڈر مولانا پیر محمد اور اپنے نائب کمانڈروں سے مشورے

گئے۔ بالآخر خوست کے دو اہم محاذوں "تورگھر" اور "باڑی" پر حملے کی تاریخ ۳ جنوری طے ہوگئی۔ حملے کے اجمالی پروگرام سے پاکستان میں دینی مدارس کے مجاہد طلباء کو پہلے سے مطلع کیا جاچکا تھا، وہ بھی مدرسوں سے چند روز کی رخصت لے کر یہاں جمع ہوئے تھے تھے۔

سردیوں میں برف باری اور موسم کی شدت کے باعث افغانستان میں جنگی کارروائیاں تقریباً منجمد ہوجاتی ہیں، مجاہدین کی بھاری اکثریت اپنے اہل خاندان کی دیکھ بھال اور روزی کمانے کیلئے پاکستان چلی جاتی ہے، جنگی مراکز میں مجاہدین عموماً اتنے ہی رہ جاتے ہیں کہ مرکز کو صرف کنٹرول رکھ سکیں ___ دشمن فوج چونکہ اب دفاعی حکمت عملی اختیار کئے ہوئے ہے، اس کی نقل و حرکت بھی چوکیوں اور قرارگاہوں میں گم ہوجاتی ہے، اور اس سے کسی بڑے حملے کی توقع نہیں ہوتی ___ کمانڈر زبیر اور ان کے رفقاء نے اپنے منصوبے کی تکمیل کیلئے سردی کے یہ سخت ترین دن شاید اسی لئے چنے تھے ___ ویسے بھی کمانڈر زبیر اور ان کے خاص رفقاء کی سرگرمیاں موسم کے تابع نہ تھیں، سردیوں میں وہ پاکستان گئے ہوئے افغان بھائیوں کے قریبی مراکز کو بھی سنبھالتے اور اپنے مرکز کو متحرک رکھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ___ اس لئے اس زمانے میں وہ کچھ زیادہ ہی متحرک بلکہ محرک ہوجاتے تھے ___ ان کا مسلک یہ تھا کہ ؎

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی

خوست کے ارد گرد

خوست کا محاذ میں نے بھی دیکھا ہے، یہ کئی بڑے بڑے محاذوں پر مشتمل ہے، اور اتنا طویل و عریض کہ گاڑیوں میں تقریباً ۸ گھنٹے گھومنے کے بعد بھی ہم تفصیل سے اس کا تھوڑا ہی حصہ دیکھ سکے ___ اس کا نقشہ کچھ اس طرح ہے کہ خوست شہر کے ارد گرد تقریباً دس دس میل تک میدانی علاقہ ہے جس میں کہیں کہیں کھیت، باغات اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں، اس میدانی علاقے کو ہر طرف سے پہاڑی سلسلوں نے گھیرا

ہوا ہے' یوں ایک بہت بڑے تھیچھے پیالے کی سی شکل بن گئی ہے جس کا محیط کئی سو کلو میٹر میں پھیلا ہوا ہے۔

یہ پورا پیالہ کافی عرصے سے مجاہدین کے محاصرے میں تھا' خوست کی رسد کمک کے زمینی راستے کاٹ دیئے گئے تھے' اور مجاہدین کی مختلف تنظیمیں ہر طرف کے پہاڑوں سے رفتہ رفتہ خوست کے اس میدانی علاقے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پیالے کے کناروں کی طرح دور کے پہاڑ زیادہ اونچے ہیں' وہاں سے میدانی علاقے کی طرف ___ جیسے اس تھیچھے پیالے کا ہمت بڑا پیندا لگنا چاہیے ___ جوں جوں اترتے جائیں' پہاڑوں کا قد چھوٹا ہوتا چلا گیا ہے' یہاں تک کہ میدانی علاقے تک پہنچتے پہنچتے صرف چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے رہ گئے ہیں' ان کے اختتام پر میدانی علاقہ شروع ہوجاتا ہے' اس میدان کے بیچ سے دریائے شمل گزرتا ہے' جس کے شمالی کنارے پر "خوست" کا خوبصورت شہر ہے ..

دور کے اونچے پہاڑوں سے میدانی علاقے تک بھی میلوں کا انتہائی دشوار گزار فاصلہ ہے' جو بے شمار اونچے نیچے پہاڑوں اور پہاڑیوں سے پر ہے' اس فاصلے کو صرف پیدل یا گھوڑوں اور خچروں پر ہی عبور کیا جاسکتا ہے' اردگرد کا یہ کہساری سلسلہ دشمن کی پہلی دفاعی لائن تھا' جسے کئی طرف سے مجاہدین بڑی حد تک توڑ چکے تھے' دوسری دفاعی لائن میدانی علاقہ تھا ان کہساروں میں جنوب سے مشرق تک کی سمت میں تین پہاڑ سب سے اونچے تھے (۱) جنوب میں "باڑی کنڈو" (۲) اس کے برابر میں ذرا مشرق کی طرف ہٹ کر "راگ بیلی" (۳) اور اس سے بھی کئی میل ہٹ کر مشرق میں "تور غر"

"تور غر" کا محاذ

"باڑی کنڈو" اور "راگ بیلی" پر مجاہدین کچھ پہلے سے قابض تھے بلکہ ان سے بہت آگے تک بھی میدانی علاقے کی طرف کے اکثر پہاڑوں اور پہاڑیوں پر قبضہ کرچکے تھے' چنانچہ اب "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا مرکز "باڑی کنڈو" اور "راگ بیلی" سے کافی نیچے "درویش قرار گاہ" میں آچکا تھا' جو میدانی علاقے کی طرف اترتے ہوئے ادھر کی ایک

بڑی چوٹی پر قائم تھی ——

یہاں سے میدانی علاقے میں اترنے سے دشمن کی ایک بڑی قرارگاہ[1] "تورغر" اور اس کی دو پوسٹیں حائل تھیں، جو اس کے دفاعی حلقے میں پیچھے کی پہاڑیوں پر میدانی علاقے کے قریب بنائی گئی تھیں —— یہ بھی فتح ہو جائیں تو دشمن کی پہلی دفاعی لائن کا خاتمہ ہو جاتا اور مجاہدین کو یہاں سے میدانی علاقے پر یورش کا موقع مل جاتا۔ اسی طرف میدانی علاقے میں ضلع خوست کی ایک تحصیل[2] "باڑی"[3] ہے جس کی خاص فوجی اہمیت تھی اسے بھی آزاد کرانے کا راستہ نکل آتا —— "تورغر" اور اس کی پوسٹوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ اسی لئے بنایا گیا تھا۔

جس کو نہ فکر آبلہ پائی، وہ نہ ہمارے ساتھ چلے
وہ بھی ہمارے ساتھ نہ آئے جس کو جنوں ہو منزل کا
(حضرت کیفی مرحوم)

"باڑی" کا محاذ

"تورغر" پر اب تک دشمن قابض تھا اور اس کی سب سے اونچی چوٹی پر اس کی مضبوط ترین پوسٹ موجود تھی، یہاں سے خوست کا ہوائی اڈہ قریب ہے اور صاف نظر آتا ہے۔ خوست کو فتح کرنے کیلئے اس چوٹی پر مجاہدین کا قبضہ سب سے زیادہ ضروری تھا، تاکہ یہاں سے وہ ہوائی اڈے اور اس پر اترنے والے طیاروں کو نشانہ بنا کر خوست کی رسد کمک کا فضائی راستہ بھی بند کر سکیں۔

---

[1] فوجی اصطلاح میں "قرارگاہ" اس مرکز (Base) کو کہا جاتا ہے جس کے ماتحت اطراف کی پوسٹیں ہوں اور جنگی سازو سامان کا ذخیرہ ہوتا ہے اور جہاں سے آس پاس کی پوسٹوں (فوجی چوکیوں) کو یہ سامان فراہم کیا جاتا ہے اور انہیں کنٹرول کیا جاتا ہے۔ رفیع
[2] تحصیل کو افغانستان میں "ولسوالی" کہا جاتا ہے
[3] مگر اس نام کی ایک تحصیل پکتیا کے ضلع [illegible] میں بھی ہے۔

لیکن یہاں پہاڑوں کی ترتیب مختلف ہے کہ باقی کماری ضلعے کے برعکس یہاں دور کے پہاڑ دشمن پر مجاہدین کا قبضہ تھا نیچے ہیں اور اب شیمیں کے ایک برساتی نالے میں "حرکۃ انقلاب اسلامی" کا ذیلی مرکز بنا ہوا تھا اور میدانی علاقے سے ملا ہوا پہاڑ "تور غرہ" جس پر دشمن قابض تھا یہاں کا سب سے اونچا پہاڑ ہے ____ اس طرف سے میدانی علاقے میں اترنے سے مجاہدین کی راہ میں یہ پہاڑ بھی حائل تھا اور اس کے برابر میں مغرب کی طرف "بازی" کی پہاڑیاں بھی سد راہ بنی ہوئی تھیں کیونکہ ان پہاڑیوں پر دشمن کی ایک اہم قرارگاہ "خینک والی" اور کئی پوسٹیں موجود تھیں "بازی" کو فتح کئے بغیر ادھر سے نہ میدانی علاقے پر یلغار ممکن تھی نہ "تور غرہ" پر چڑھائی کیونکہ "بازی" کی قرارگاہ اور پوسٹیں تور غرہ کی بھی محافظ تھیں اور اسے رسد کمک پہنچاتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ "بازی" کے محاذ کی جو تقریباً ۹ کلومیٹر پر پھیلا ہوا تھا، دوہری اہمیت تھی کہ یہ فتح ہو جائے تو مجاہدین کو اس طرف سے نہ صرف میدانی علاقے میں اترنا ممکن ہو جاتا بلکہ تور غرہ کی رسد کمک کاٹ کر اس پر چڑھائی کا راستہ بھی مل جاتا۔

"بازی" پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا منصوبہ اسی ضرورت سے بنایا گیا تھا۔

یہ دونوں منصوبے خطرناک تھے لیکن مجاہدین کو جس سبق آموز حقیقت کا سامنا تھا افغانستان میں ملا ودیعانی جان مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے کہ

طوفاں سے کبھی برق سے ڈرتے ہی رہیں گے
جینے کی تمنا میں تو مرتے ہی رہیں گے

کمانڈر زبیر کے لئے خوست کا علاقہ نیا نہ تھا، وہ ارغون کی فتح سے پہلے بھی یہاں کافی عرصے تک انتہائی بے سروسامانی میں سوکھی خمیری روٹی، دال گڑ ____ اور کبھی فاقوں پر گزارہ کر کے دشمن کو ناکوں چنے چبوا چکے تھے سال کی ۱۹۸۵ء کی ڈائری[1] سے

---

[1] اس ڈائری سے کچھ اوراق ماہنامہ "البلاغ" اسلام آباد کے شمارہ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ میں شائع ہوئے ہیں، اس وقت وہی میرے سامنے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ان کا مرکز اسی پہاڑی سلسلے میں "لیزا" کے مقام پر تھا جو "تورکر" اور "باڑی" کے درمیان ہے۔ وہاں سے وہ اور ان کے ساتھی، دشمن کے ٹینکوں، طیاروں اور بجلی کا پھڑوں سے دن رات بر سرپیکار رہ چکے تھے۔

"ارغون" کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد اب وہ کچھ عرصے سے "تورکر" اور "باڑی" پر فیصلہ کن ضرب لگانے کی ٹھان چکے تھے ــــ ہر فتح کے بعد وہ خود کو بھی یہی سبق دینے کے عادی تھے اور ساتھیوں کو بھی کہ

اے جرأت رندانہ، کچھ اور بھی ہمت کر
موجوں کو بنا ساحل، ساحل پہ نظر کیوں ہو

پچھلے دنوں جب وہ تقریباً دو ہفتے کیلئے پاکستان گئے تو "باڑی" کے محاذ پر نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمٰن فاروقی کو اور "تورکر" کے محاذ پر خالد محمود کراچوی کو اپنا قائم مقام بنا گئے تھے، عدیل کو خالد محمود کا نائب مقرر کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ حملے کی تیاریاں کسی وقفے کے بغیر جاری رکھی جائیں ــــ یہ تینوں نوجوان وہی کہنہ مشق جانباز ہیں جن کے کچھ کارنامے "زاہ خول" کے آخری معرکے میں آپ کے سامنے آ چکے ہیں۔

بے سروسامانوں کی تیاری

کمانڈر زبیر پاکستان جاتے وقت یہاں کے مصارف کے لئے خالد محمود کو صرف ۳ ہزار روپے ہی دے سکے تھے، جبکہ یہاں اس وقت ایک سو بیس مجاہدین تھے، ۱۰ عرب، ۴۰ فلپائنی اور ملائیشیا کے ۳۰ بنگلہ دیش کے اور باقی پاکستانی ــ ان سب کے طعام و قیام وغیرہ کی ساری ضروریات اسی رقم سے پوری کرنی تھیں (یعنی ایک روپیہ ۴۴ پیسے یومیہ)۔

اس بے سروسامانی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسرے ملکوں سے آنے والی امداد مجاہدین کی صرف افغان تنظیموں کیلئے ہوتی ہے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" افغان تنظیم نہیں لہٰذا اسے امداد براہ راست نہیں ملتی، یہ تنظیم استاذ سیاف کی تنظیم "اتحاد اسلامی

افغانستان" کے ساتھ ملحق ہے' جس کے خوست کے کمانڈر "مولانا پیر محمد" صاحب ہیں'
امداد کا زیادہ حصہ مولانا کو ملتا ہے وہ اس میں سے کچھ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کو بھی دے
دیتے ہیں۔

قائم مقام کمانڈر خالد محمود نے زبیر صاحب کے پیچھے کس طرح گزارا کیا تھا؟ اس
کا حال وہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

"سردی سخت تھی' اور کبھی کبھی بارش' اور برف باری بھی
ہوجاتی تھی' بستر ساتھیوں کی تعداد سے کم تھے' ہمیں ساتھیوں کو
کسی طرح بستروں میں لٹاکر خود سردی سے بچنے کیلئے کبھی تو رات
انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر گزار دیتا' کبھی آٹے کی خالی بوری سے
کمبل کا کام لیتا ___ ہمارے مرکز "درویش قرار گاہ" میں
صرف ۲۔۳ کمرے تھے' کچھ ساتھی رات کو پہرے کی ڈیوٹی پر
ہوتے تھے' لیکن یہ کمرے باقیوں کے لئے بھی کافی نہ تھے' ہمیں
بھی راتوں کو اکثر پہرا دینا' اور جب سونے کی باری آتی تو لیٹنے کی
بڑی مشکل سے ملتی' ساتھی کمرے کی دونوں دیواروں سے سر لگا
کر اور پاؤں ایک دوسرے کی طرف کرکے سوتے تھے' درمیان
میں جو تھوڑی سی جگہ چلنے کیلئے بچ جاتی' میں اس میں لیٹ جاتا۔
صبح اٹھ کر نماز' تلاوت اور دوسرے معمولات سے فارغ ہو کر
سب سے پہلے لکڑیاں کاٹتا تاکہ دن بھر کی ضروریات کیلئے' اور
رات کی انگیٹھیوں کیلئے ایندھن کا انتظام ہو جائے' پھر ساتھیوں
کے ایک دو گروپ بنا کر ہم دشمن کے علاقے میں "ریکی" کیلئے
نکل جاتے' اور کبھی ساتھیوں کو اسلحہ کی ٹریننگ بھی دیتے۔"

"تورغر" کے معرکے کی دیگر یادداشتوں کے ساتھ یہ تفصیلات بھی مجھے

خالد محمود صاحب نے میری فرمائش پر لکھ کر دی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ:

"یہ سب باتیں اس لئے تحریر کر رہا ہوں کہ میں نے کمانڈر زبیر صاحب کو ساتھیوں کی ہمیشہ اسی طرح خدمت کرتے دیکھا تھا۔"

کمانڈر صاحب نے پچھلے اسیروں سے جنگی مشقوں اور پہاڑوں پر جمی ہوئی برف پر "اسکیٹنگ" کا سلسلہ بھی جاری رکھا "اسکیز" خود بنائے تھے۔ "اسکیٹنگ" کے ذریعہ برف پوش پہاڑوں پر تیزی سے مسافت قطع کی جا سکتی ہے   نہ ہے "سیاچن گلیشیر" میں پاکستانی فوج کے جانباز مجاہدین بھی اس سے کام لیتے ہیں۔

مولوی عبدالرحمن فاروقی، خالد محمود، عدیل اور ان کے ساتھیوں نے اپنے اپنے علاقے کی شب و روز ذاتی تفصیل سے چھان بین کی کہ وہ یہاں کے نشیب و فراز بلکہ دشمن کے روز مرہ کے معمولات اور اس کی آمد و رفت کے راستوں تک سے واقف ہو گئے   ۔ اب وہ نئے آنے والے ساتھیوں کو ان سے باخبر کر رہے تھے۔

کمانڈر زبیر نے پاکستان سے واپس آتے ہی ۱۰ جنوری کے حملے کیلئے "قورکر" کا محاذ خود سنبھالا اور اپنے ساتھ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے مجاہدین کو رکھا۔ "بازی" کا محاذ مولانا پیر محمد اور نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمن فاروقی کے سپرد ہوا، ان کے ساتھ "حرکۃ الجہاد" کے علاوہ "اتحاد اسلامی" کے افغان مجاہدین بھی تھے   دونوں محاذوں کے درمیان کئی میل کا پہاڑی فاصلہ تھا اور دونوں پر بیک وقت حملہ کرنا طے ہوا تھا تاکہ دشمن کی توجہ بھی دونوں طرف بٹی رہے۔

اب اونچے اور درمیانی پہاڑوں پر برف باری بھی عروج پر آ گئی تھی لیکن ان جانبازوں کے سینوں میں عزائم کی جو انگیٹھیاں دہک رہی تھیں وہ انہیں موسم کی شدت سے بیگانہ کر چکی تھیں، وہ حملے کے انتظار میں ایک ایک گھنٹہ گن گن کر کاٹ رہے تھے۔

بے تاب انتظار کے بعد ۱۰ جنوری کی صبح طلوع ہوئی، لیکن روانگی سے ذرا پہلے

باڑی سے قاصد اچانک پیغام لایا کہ "وہ تیاریاں مکمل نہیں کر سکے حملہ پرسوں کو ہوگا!"
اس خبر سے ساتھیوں کے جذبات کو جو ٹھیس لگی' کمانڈر زبیر نے اسکا اپنے بروقت خطاب سے کسی نہ کسی طرح مداوا کر دیا اور انہیں صبر اور اطاعت امیر کا قرآنی سبق یاد دلایا۔

"باڑی" دور بہت تھا' چھوٹے وائرلیس سے رابطہ نہ ہو سکتا تھا۔ اگلے دن کمانڈر زبیر نے پاکستانی سرحد کے قریب "ژاور" کے مرکز مجاہدین جاکر وائرلیس پر رابطہ کیا' تو اب باڑی سے یہ صبر آزما جواب ملا کہ "ہم بعض مقامات پر ابھی میزائل اور توپیں نصب نہیں کر سکے' حملہ کل کے بجائے ۶ جنوری کو ہو سکے گا"

زبیر تلملا سے گئے لمحہ بھر توقف کے بعد انہوں نے دھیمے انداز میں' یہ کہہ کر وائرلیس بند کر دیا کہ "میں حملے کو مزید ملتوی کرنے کی پوزیشن میں نہیں' میرے اکثر ساتھی مدارس کے طلبہ ہیں جن کی رخصت ختم ہو رہی ہے' ہم پروگرام کے مطابق کل ہی حملہ کر رہے ہیں"___

غرض! "تورگر" پر حملہ اگلے دن ۳ جنوری ہی کا طے رہا' باڑی پر حملہ دو دن کیلئے مزید موخر ہو گیا۔

کافی نہیں ہے ترک تمنا ہی عشق میں
سامان عشق بے سروسامانیاں بھی ہیں

مجاہدین کے دستے

"تورگر" پر حملے کیلئے مجاہدین کے ۵ دستے اس طرح بنائے گئے تھے۔

(۱) حملہ آور دستہ نمبر ۱:- یہ ساٹھ جانبازوں پر مشتمل تھا' اسے زبیر صاحب کی براہ راست قیادت میں "تورگر" کی قرارگاہ پر چڑھائی کرنی تھی۔

(۲) حملہ آور دستہ نمبر ۲:- تیس مجاہدین کے اس دستے کو قرارگاہ کے مشرق

میں "لنڈے کل پوسٹ" اور اس کی معاون پوسٹ پر حملہ کرنا تھا۔ اس کے قائد منظور حسین تھے۔

(۳) مارٹر توپ کا دستہ:۔ یہ نصراللہ جہادیار کی قیادت میں ۵ مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اسے قرار گاہ اور دونوں پوسٹوں پر کافی دوری ایک اونچی پہاڑی سے دوپہری کو مارٹر (MM 82) سے گولہ باری شروع کر دینی تھی تاکہ قرار گاہ اور پوسٹیں ایک دوسرے کو مدد نہ پہنچا سکیں، اور عمومی حملے کے وقت تک دشمن پر اتنا دباؤ پڑ چکا ہو کہ اس کی قوت مدافعت کمزور پڑ جائے۔

(۴) گوریلے والا دستہ:۔ یہ مولوی عبدالرحمن محمود کی قیادت میں تھا۔ اسے بعد عصر "قرار گاہ" کے قریب کی ایک چوٹی سے دشمن پر چھوٹی توپ (R R 82) اور راکٹوں سے فائرنگ کرنی تھی تاکہ حملہ آور دستہ اس فائر کے سایہ میں پیش قدمی کر سکے۔

(۵) کراچی کے شاہین صفت خالد محمود کو ۲ مجاہدین کے ساتھ دشمن کے بہت قریب کی ایک بلند چوٹی پر صبح سویرے ہی پہنچ جانا تھا تاکہ وہاں سے وائرلیس پر کمانڈر صاحب کو دشمن کی نقل و حرکت سے مطلع کرتے رہیں۔ اور دوپہر سے مارٹر توپ کے لئے "او پی" کے فرائض بھی انجام دیں کیونکہ دوری جس پہاڑی سے جہادیار کو توپ چلانی تھی، وہاں سے ہدف صاف نظر نہ آتا تھا..... ان کا نشانہ ہدف پر درست کرانے کے بعد خالد محمود کو حملہ آور دستہ نمبر ۱ میں شامل ہونا تھا۔

سب نے رات اسی انتظار میں بسر کی کہ

خورشید! سرا پردہ مشرق سے نکل کر
پہنا مرے کہسار کو ملبوس حنائی

ہچکیاں ـــــ "منظوری کا وقت"

کمانڈر زبیر کا خیمہ مرکز مجاہدین میں عمارت سے ذرا فاصلے پر تھا۔ خیمے میں ان

کے پانچ ساتھیوں میں سے ایک مولوی سعادت اللہ صاحب تھے' جنہوں نے "تحریک مجاہدین اسلامی" کے آغاز ہی سے خود کو جہاد کیلئے وقف کیا ہوا ہے' ایک حد تک اس تنظیم کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں واقعہ رکی اس رات میں جب وہ تیسرے پہرے کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر تازہ تازہ پڑی ہوئی برف کو اپنے اوپر سے جھاڑتے ہوئے خیمے میں واپس آئے' تو زبیر صاحب افغان مجاہدین کے ایک قریبی مرکز میں مشورے کیلئے گئے ہوئے تھے اور ان کے سونے تک واپس نہ آئے تھے۔

ان کا بیان ہے کہ ۳ بجے کے قریب میری آنکھ ہچکیوں کی دبی دبی آواز سے کھلی' کمانڈر صاحب مصلے پر دونوں ہاتھ پھیلائے دوزانوں بیٹھے رو رو کر دعا کر رہے تھے۔ ہچکیوں کے دوران ان کے جو جملے مجھے سنائی دیئے ان کا مضمون یہ تھا

> "یا اللہ! میرے کتنے ہی ساتھی آپ کے راستے میں شہید ہو گئے ---- لیکن ۸ سال میں مجھے کبھی زخم بھی نہ آیا ---- یا آپ کا بہت گناہگار بندہ ہوں' کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے آپ نے میرا خون اپنے راستے میں قبول کرنے سے انکار فرما دیا ہو ---

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں:

> "میں تہجد کیلئے وضو کی تیاری کرنے لگا ___ پانی کا چشمہ نیچے دور تھا' اس لئے ہم برف ہی کو آگ پر پگھلا لیتے تھے ___ ادھر کمانڈر صاحب سوئے ہوئے ساتھیوں کو جگانے لگے' ان کا یہ جملہ ہر روز سنائی دے رہا تھا "اٹھو ساتھیو! اللہ کی حضوری کا یہی وقت ہے" وہ یہ جملہ کہہ کے ہی رات کو تہجد کیلئے' ساتھیوں کو ایک ایک سے جگایا کرتے تھے۔"

تہجد کے بعد سب ذکر و دعا اور تلاوت میں مشغول ہو گئے'

بعضوں کی تو روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں ___ اور جب ایک مجاہد نے برف پوش چٹان پر چڑھ کر فجر کی اذان دی تو یوں لگا جیسے اس کے سوز سے مسلم دنیا پر جمی ہوئی برف بھی پگھلنے لگی ہے اور اس کی آواز کی ہر اٹھان صبح کا اجالا بن کر رات کی ظلمتوں کا صفایا کر رہی ہے۔

تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

جنت کا سودا

مولوی سعادت اللہ صاحب نے بتایا کہ فجر کی نماز کمانڈر زبیر ہی نے پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت اس آیت سے شروع کی

"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ، یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ، وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ، وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ، وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

"اللہ نے خرید لی ہیں ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔ (یعنی) یہ لوگ اللہ کی

راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس
پر (ان سے) توراۃ و انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ (جنت کا)
ہو چکا ہے۔ اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ؟ تو تم خوشی
مناؤ اس سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہے۔ اور یہی بڑی
کامیابی ہے۔" (سورہ توبہ ـــ ۱۱۱)

اور آخری رکعت میں قنوت نازلہ پڑھی تو خود ان پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔

آج بعد عصر "تور کمر" کی جس قرار گاہ اور دو پوسٹوں پر حملہ ہونے والا تھا' وہ یہاں سے شمال میں میدانی علاقے کے قریب تھیں' یہاں سے ان کا فضائی فاصلہ تو ایک دو کلو میٹر سے زیادہ نہ ہو گا' لیکن پیدل کا پہاڑی فاصلہ دو ڈھائی گھنٹے کا تھا' اس لئے خالد محمود اپنے مشن پر اذان فجر سے پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔ انھیں رخصت کرتے ہوئے کمانڈر زبیر نے اچانک پوچھا "کچھ پیسے آپ کے پاس ہیں؟"

"میرے پاس تو کچھ نہیں" خالد نے اپنی وردی کی جیبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر ہم لوگ زخمی ہو گئے' تو میران شاہ یا پشاور میں اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

یہ کہہ کر کمانڈر صاحب نے ان کی جیب میں پانچ سو روپے ڈال دیئے۔

خالد محمود کہتے ہیں:

"میں اور میرے تینوں ساتھی تیزی سے روانہ تو ہو گئے کہ دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے دشمن کے بالکل قریب والی چوٹی پر پہنچ جائیں' لیکن کمانڈر صاحب کا آخری جملہ دل و دماغ میں دیر تک گھومتا رہا ـــ
راستہ دشوار گزار تھا' کچھ دور برف پر چلنے کے بعد جوں جوں ہم

نیچے اترتے اور دشمن کے قریب ہوتے گئے" ہوا میں تیزی اور برف میں کمی آتی گئی۔ کچھ کھایا پیا نہ تھا' راستے کے جنگلی زیتون توڑ کر بھوک مٹائی۔ بالآخر ہم زیتون کے پہاڑی جنگل سے اتر کر ایک برساتی نالے میں پہنچ گئے' یہ بھی بکھرے ہوئے چھوٹے بڑے پتھروں سے اٹا ہوا' لیکن قدرے ہموار تھا اور شمال کو جا رہا تھا' اسی میں چلنے لگے' اور پھر بائیں طرف کی ٹیلے شدہ چوٹی پر چڑھ کر ہم نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیں کہ دشمن کی نظروں سے بچے رہیں۔ میں سب سے آگے بیٹھا تھا' دشمن کی قرار گاہ جو میرے شمال مشرق میں میدانی علاقے کی طرف ایک ننگی پہاڑی پر تھی صاف نظر آ رہی تھی' میں نے فوراً وائرلیس پر کمانڈر صاحب سے رابطہ کیا' اور یہاں کی صورت حال سے باخبر کرنے لگا۔"

سرگشتہ ترے غم میں ہواؤں کی طرح تھے
ہم دشت میں آوارہ صداؤں کی طرح تھے

نائب کمانڈر ــــــ عبدالرحمٰن فاروقی

۱۰ بجے کے قریب اجتماعی دعاء کے بعد جبکہ کچھ مزید دستے اپنے اپنے مورچوں کا رخ کر چکے تھے' اور باقی مجاہدین کی نگاہیں کمانڈر صاحب کے اشارے پر لگی ہوئی تھیں' اچانک برابر کی برف پوش پہاڑی سے نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمٰن فاروقی نمودار ہوئے' محمد ظہیر بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ "باڑی" کے محاذ پر تھے' اور فاروقی صاحب کو توپوں پر روسیوں کے حملے کی کمان کرنی تھی! سب کی سوالیہ نگاہیں ان پر جم گئیں۔

فاروقی صاحب نے آتے ہی سلام کیا' اور کمانڈر صاحب سے مصافحہ کرتے ہوئے معذرت کی" ہم باڑی سے آدھی رات کے قریب روانہ ہو گئے تھے' لیکن پہنچے

طرح کے مصائب جھیلتے ہوئے تن تنہا بھارت جا پہنچے۔ وہاں دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کا ساتواں سال چل رہا تھا کہ جہاد افغانستان کے حالات سن کر بیتاب ہو گئے اور اپنی کتابیں، بستر، صندوق، حتیٰ کہ پہننے کے بعض کپڑے بھی بیچ کر ریل کا کرایہ جمع کیا اور جہاد کے شوق نے کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچا دیا ___

لاہور سے سیدھے "دارالعلوم کراچی" آئے اور بعض طلبہ کے ذریعہ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" سے منسلک ہو کر اس تنظیم کے بانی امیر مولانا ارشاد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں ۱۹۸۵ء میں افغانستان پہنچ گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ ارغون، شرنہ، مولا خان، غزنی، پکتیا اور خوست کے پرخطر معرکوں میں پیش پیش رہے۔

ہندوستان سے آئے ہوئے تھے اس لئے فرنٹ میں "عبدالرحمن ہندی" کے نام سے مشہور ہوئے۔ میں بھی مجاہدین کے مختلف رسالوں میں ان کے کارنامے اسی نام سے پڑھتا رہا۔ دشمن کی چھپائی ہوئی سرنگوں کا کھوج لگا کر انہیں نکالنے اور پھر انہیں دشمن ہی کے راستوں میں بچھانے کا خاص ذوق بھی ہے مہارت بھی۔ دشمن کے کتنے ہی ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور فوجی ٹرک اسی طرح تباہ کئے ___

۲۵ جون ۱۹۸۵ء کے جس خونریز معرکے میں مولانا ارشاد احمد صاحب شہید ہوئے، اس میں ان کو بھی زخم آئے تھے، بعد میں بھی اتنی بار زخمی ہوئے کہ بدن کا شاید ہی کوئی حصہ زخموں سے خالی ہو۔ ارغون کی ایک جنگ میں ایک آنکھ کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا، علاج کیلئے تنظیم نے انہیں جرمنی بھیجا، وہاں سے بحمداللہ صحت یاب ہو کر واپس ہوئے۔

پچھلے سال رخصت لے کر اپنے وطن بنگلہ دیش گئے تھے، وہیں سے کلکتہ بھی اپنے بعض رشتہ داروں کے یہاں جانا ہوا۔ خاندان کے بڑوں کی خواہش تھی کہ شادی کر دی جائے لیکن ایسے خالی ہاتھ نوجوان کو ___ جو یہ کہتا ہو کہ چند روز بعد محاذ پر واپس چلا جاؤں گا ___ کوئی اپنی لڑکی دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ کلکتہ کا ایک خاندان جو ان کے

وصف جہاد کا شیدائی تھا اس کی ایک نیک بخت بیٹی نے آخرت کمانے کے شوق میں اپنے بزرگوں کی اجازت سے انھیں بخوشی قبول کرلیا۔

شادی کے چند روز بعد افغانستان آکر پھر جہاد کے ہو رہے۔ پچھلے دنوں پھر کلکتہ ہوکر واپس آگئے ہیں۔ اور اب پھر "بسیرا پہاڑوں کی چٹانوں میں" ہے۔

زہد و عبادت، حسن اخلاق، شرافت و شجاعت اور فنون حرب کی نمایاں مہارت نے مجاہدین کو ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک و درمندی اور دشمن کافروں پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑنا ان کا خاص شیوہ ہے۔

صحابہ کرام کا ایک خاص وصف قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں
(صحابہ) وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل
ہیں۔" (سورۂ فتح ۔ ۲۹)

اس خوبی کا ان کو وافر حصہ ملا ہے۔ ماشاء اللہ ان کے نطق خاص زور خطابت اور بیباک آواز اور ذہن میں ایسا سوز کہ جہاد کی آیات قرآنیہ، ولولہ انگیز نظموں اور جہاد کے موضوع پر جوش انگیز خطاب سے ساتھیوں کے عزائم میں طوفان بپا کر دیتے ہیں۔ اور جب میدان کارزار میں اذان دیتے ہیں تو اقبال کا یہ شعر تازہ ہو جاتا ہے کہ

دنیا کی عشا ہو جس سے اشراق
مومن کی اذاں ندائے آفاق

برسوں کو "یاری" کے حلقے میں انکو قیادت کرنی ہے اور آج بھی "اللہ کے ل

قطروں کی صورت پکی پکی چپاتیاں، آدھی آدھی سب مجاہدین میں بطور سامان کے تقسیم کر دی گئی تھیں کہ جس کو جب بھوک لگے جیب سے نکال کر بسکٹ کی طرح کھا لے۔ کھانے کے بارے میں ان حضرات کا مشرب یہ ہے کہ

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن برائے خوردن است

یہاں سے دشمن کی قرار گاہ "تور کمر" شمال مشرق میں تھی اس کا فضائی فاصلہ تو یہاں سے بہت تھوڑا تھا لیکن راستے کے پیچ و خم اور پہاڑی نشیب و فراز کے باعث زمینی فاصلہ ایک ڈیڑھ کلو میٹر سے کم نہ تھا اور وہ یہاں سے بیچ کی پہاڑیوں کے باعث نظر بھی نہ آتی تھی۔ نائب کمانڈر عبدالرحمن فاروقی جن دو پوسٹوں کی طرف گئے تھے وہ قرار گاہ سے بھی مشرق کی طرف یہاں سے خاصے فاصلے پر تھیں۔

آغا ظہیر صفدر کی سربراہی میں ۴—۵ مجاہدین کی ایک ٹولی کو ابتدائی طبی امداد کے سامان کے ساتھ یہیں چھوڑ کر کمانڈر زبیر کا دستہ ڈی لوغانھو میں آگے روانہ ہو گیا۔۔۔

جماد یار کے گولوں کے جواب میں دشمن بھی بے تحاشا گولہ باری کر رہا تھا لیکن وہ ان پیش قدمی کرنے والے مجاہدین سے بے خبر تھا اس کے سارے فائر بے کار جا رہے تھے۔

یہ لوغانھو شمال میں کچھ آگے جا کر شمال مشرق کو مڑ گیا ہے۔ لوغانھو تو اس موڑ سے کچھ آگے جا کر کھلا ہوا میدانی علاقے میں جا گرا ہے، لیکن مجاہدین کو یہاں سے دائیں طرف ایک ٹیلے پر چڑھنا تھا جسے عبور کر کے وہ پہاڑی شروع ہوتی ہے جس پر دشمن کی قرار گاہ تھی۔ اس ٹیلے پر چڑھتے ہوئے یہ خطرہ تو موہوم سا تھا کہ دشمن سامنے سے حملہ آور ہو جائے کیونکہ جماد یار کی تابڑ توڑ گولہ باری نے اسے قرار گاہ میں دبکے رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا پھر قرار گاہ اوٹ میں تھی اس لئے دشمن کا ان کو وہاں سے دیکھ لینا مشکل تھا ۔۔۔ لیکن اس موڑ کے بائیں طرف جنوب مغرب میں دشمن کی ایک مضبوط پوسٹ

"سنگی" تھی جس پر حملہ کرنا آج کے پروگرام میں شامل نہ تھا لیکن اس ٹیلے پر چڑھتے ہوئے کچھ حصہ ایسا آتا تھا کہ مجاہدین کو پیچھے سے وہ پوسٹ با آسانی دیکھ سکتی تھی جس سے پورا منصوبہ درہم برہم ہو جاتا۔

کمانڈر صاحب نے یہ مہم خالد محمود کو سونپی کہ وہ ساتھیوں کو یہاں سے دو دو کی ٹولیوں میں گزروائیں اور خود عدیل کے ساتھ رک کر اس کارروائی کا جائزہ لیتے رہے۔

جب سارے مجاہدین درختوں کی آڑ میں جھک جھک کر اس "پل صراط" سے پار ہو گئے اور قرار گاہ والی پہاڑی کے نیچے اس کے جنوب میں پہنچ گئے تو کمانڈر صاحب اور عدیل بھی ان سے جا ملے۔ اس وقت "جہاد یار" کی گولہ باری پروگرام کے مطابق بند ہو چکی تھی تاکہ پیش قدمی کرنے والا دستہ اس کی زد میں نہ آ جائے۔

جس پہاڑی کے دامن میں اب یہ جانباز کھڑے تھے اس کا نام "تورکر" ہے، اس کی ایک چوٹی پر دشمن کی قرار گاہ تھی جو یہاں سے نظر آ رہی تھی، اس کے پیچھے شمال میں دور تک اترائی ہے جو بالآخر اس میدانی علاقے پر ختم ہوتی ہے جو پوسٹ کے گرد دشمن کی دوسری دفاعی لائن کے طور پر اس کے قبضے میں تھا۔

اسی پہاڑی پر قرار گاہ سے کچھ پہلے بائیں طرف اس کی سب سے اونچی چوٹی "تورکر سر" ہے، اس پر مولوی عبدالرحمن محمود کا راکٹ بردار دستہ تھوڑی دیر پہلے پہنچ کر پوزیشن لے چکا تھا۔ دو ماہ پہلے تک اس چوٹی "تورکر سر" پر بھی دشمن کی ایک پوسٹ موجود تھی، اسے مولانا پیر محمد صاحب کے نوجوان نائب افغان کمانڈر مولانا عبدالولی نے فتح کیا تھا، اس معرکے میں ان کی ایک آنکھ تو شہید ہوئی اور اس کی جگہ اب پتھر کی مصنوعی آنکھ لگی ہوئی میں نے بھی دیکھی ہے، لیکن پوسٹ ایسی تباہ ہوئی کہ ویران پڑی تھی، اب مولوی عبدالرحمن محمود کا دستہ وہیں گھات لگائے بیٹھا تھا۔

کمانڈر زبیر کے دستے نے اس پہاڑی پر درختوں اور چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے، ہلال کی صورت میں چڑھائی شروع کی۔ ابھی کچھ چڑھائی باقی تھی اور قرار گاہ سامنے نہ آئی تھی کہ مجوزہ سمت پر کمانڈر صاحب نے ہدایت کی "جو جہاں ہے وہیں مورچہ زن

نماز تنہا پڑھ لے"۔۔۔

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں کہ ۴ بجکر ۵ منٹ پر کمانڈر صاحب نے ہماری طرف آکر پوچھا "کوئی ساتھی ہے کہ ہم جماعت سے نماز پڑھ لیں" مگر سب پڑھ چکے تھے انہوں نے بھی میرے قریب تنہا نماز ادا کی۔

ادھر عدیل نے عبدالغفار کو جن کے پاس راکٹ لانچر تھا احتیاط سے دائیں طرف کی ایک چٹان کی آڑ میں لے جاکر بٹھادیا' وہاں سے قرارگاہ سامنے تھی۔ منصوبے کے مطابق محبوب ہمدانی سمیت دس ساتھیوں نے بھی وہیں پوزیشن لے لی۔

کمانڈر صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو حملے کے مقررہ وقت میں چند لمحے باقی تھے' وہ وہیں بیٹھے دعا کرتے رہے اور آس پاس کے ساتھیوں کو بھی دعا کی تلقین کی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ کمانڈر زبیر کے دستے کے سامنے شمال میں ذرا اوپر دشمن کی قرارگاہ تھی' دائیں طرف قریب ہی عبدالغفار کا دستہ اپنی کارروائی کیلئے اس کی گھات میں تھا اور دائیں طرف ہی ذرا آگے "تورکمر سر" کی بلندی پر مولوی عبدالرحمن کا دستہ بے تابی سے کبھی گھڑی کو بھی اپنے راکٹوں کو اور کبھی دشمن کی قرارگاہ کو دیکھ رہا تھا۔

فتح کابل کی خبر دیتا ہے جوش کار زار

تین رخہ حملہ

ٹھیک ۴ بجکر ۵۵ منٹ پر مولوی عبدالرحمن محمود نے قرارگاہ پر پہلا راکٹ فائر کیا' یہ گویا "روزے کے افطار" کا اعلان تھا جس کے ساتھ ہی "تورکمر سر" سے راکٹوں کی' اور عبدالغفار کے دستے سے راکٹوں اور گولیوں کی بارش شروع ہوگئی۔۔۔ دشمن کی مشین گنیں اور مارٹر توپ بھی فوراً آگ اگلنے لگیں۔ گولیوں گولوں اور راکٹوں کے خوفناک دھماکوں سے پورا کہسار لرز رہا تھا۔

دشمن نے ابھی کمانڈر زبیر کے دستے کو نہ دیکھا تھا' چنانچہ اس کے جوابی فائر مولوی عبدالرحمن محمود اور عبدالغفار کی ہی طرف جارہے تھے۔۔۔ کمانڈر زبیر اسی موقع

کی تاک میں تھے' وہ فوراً یہ کہتے ہوئے کہ "ساتھیو! بھاگ کر آگے بڑھو" بھوکے شیر کی طرح قرارگاہ کی طرف دوڑ پڑے۔

عدیل کہتے ہیں "ہم سیدھے آگے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ہمارے دائیں طرف سے عبدالغفور راکٹ پر راکٹ فائر کر رہا تھا اور اس کے ساتھی بھی دشمن پر زبردست فائرنگ کر رہے تھے' ان کے فائر سے بچتے ہوئے ہم بائیں طرف سے کمانڈر صاحب کے ساتھ بھاگ کر آگے بڑھے' خالد محمود ہم سے بھی آگے نکل گئے۔ میرے پاس راکٹ تھا' قرارگاہ کے قریب ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ کر کمانڈر صاحب نے مجھے راکٹ مارنے کا حکم دیا' میں ابھی نشانہ لے ہی رہا تھا کہ دشمن نے شاید ہمیں دیکھ لیا کیونکہ فوراً ہی اس کی مشین گنوں کا رخ ہماری طرف ہو گیا اب یہاں سے ایک قدم آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا تھا' سامنے چٹان تھی' اس سے اوپر فائر کرتا تو راکٹ قرارگاہ کے اوپر سے گزر جاتا' سیدھا فائر کرتا تو چٹان سے ٹکرا جاتا' اور ہم چٹان کے اتنے قریب تھے کہ خود اپنے ہی راکٹ کے چھروں سے زخمی ہو جاتے ____ ادھر دشمن کی "زرکوئی مشین گنیں" اس تیزی سے باڑھ پر باڑھ مار رہی تھیں کہ آس پاس کے جتنے بھی درخت تھے ان کی ٹہنیاں ہمارے ساتھیوں پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر برس رہی تھیں' اور دشمن کی گولیاں درختوں کو چیرتی پھاڑتی ہمارے پیچھے جا رہی تھیں۔

مولوی سعادت اللہ جو کمانڈر صاحب کے ساتھ تھے کہتے ہیں کہ "دیکھتے ہی دیکھتے ایک راکٹ' جو غالباً مولوی عبدالرحمن محمود نے فائر کیا تھا' دشمن کے سامنے والے مورچے پر لگا' مورچے کے پرخچے اڑ گئے" ____

عدیل کہتے ہیں "ادھر دشمن کی فائرنگ میں وقفہ ہوا تو مجھ سے آگے ذرا اوپر خالد محمود تھے' میں فوراً اچھل کر ان کی جگہ' اور وہ کود کر میری جگہ آ گئے۔ جیسے ہی میں اوپر پہنچا دشمن کی فائرنگ پھر شروع ہو گئی۔ اب ہمارا دستہ دو حصوں میں بٹ گیا' میں اور کچھ ساتھی دشمن کے فائروں سے دائیں طرف' اور کمانڈر صاحب' خالد محمود اور مولوی سعادت اللہ وغیرہ بائیں طرف ہو کر' فائر کرتے ہوئے آگے بڑھے' اس موقع پر منصوبے

کے مطابق عبدالغفار کی جانب سے فائرنگ بند ہو گئی تھی کہ ہم اس کی زد میں نہ آجائیں۔

آگے چند قدم کے فاصلے پر مجھے وہ ہموار سطح نظر آئی جہاں سے چند روز قبل ہم نے فوجیوں کو لکڑیاں لے جاتے دیکھا تھا۔ کمانڈر صاحب کے مشورے سے ہم نے قرار گاہ میں گھسنے کیلئے وہ جگہ پہلے سے طے کر رکھی تھی کیونکہ وہ یقیناً بارودی سرنگوں سے خالی تھی' ورنہ قرار گاہ کے ارد گرد کا سارا علاقہ بارودی سرنگوں سے پٹا پڑا تھا۔

وہاں پہنچ کر میں نے اللہ کا نام لیا اور قرار گاہ پر اپنا پہلا راکٹ فائر کر دیا' پھر پے در پے کئی راکٹ مارے۔ میں اس وقت قرار گاہ کے جنوب مشرق میں تھا' جہاں سے دشمن کی "زد کی مشین گن" چل رہی تھی۔۔۔۔ کمانڈر صاحب مغرب کی طرف سے فائر کرتے ہوئے قرار گاہ کے بالکل قریب جا پہنچے تھے۔

مولوی سعادت اللہ کہتے "میں کمانڈر صاحب کے ساتھ تھا' قرار گاہ کی سنگ لاخ دیوار سے کچھ پہلے ایک درخت کے پاس پہنچ کر انھوں نے مجھے حکم دیا" آپ یہیں سے فائر کریں' یہاں سے نہ ہٹیں"۔۔۔۔

عدیل کہتے ہیں کہ "ہمارا حملہ اللہ کے فضل سے ایسا منظم' اچانک اور بھرپور تھا کہ جب تینوں طرف سے قرار گاہ پر راکٹوں اور گولیوں کی بارش ہوئی تو دشمن زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکا' ہم وقفے وقفے سے "اللہ اکبر" کے نعرے لگا رہے تھے جن کا بزدلوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے مورچے چھوڑنے لگے' اور ان کی فائرنگ دم توڑنے لگی۔

مولوی سعادت اللہ' جو کمانڈر صاحب کی بتائی ہوئی جگہ سے لگاتار فائر کر رہے تھے' کہتے ہیں کہ "کمانڈر صاحب' خالد محمود اور کئی ساتھی میرے بائیں جانب سے فائرنگ کرتے ہوئے قرار گاہ کی طرف لپکے' خالد محمود سب سے آگے تھے' اچانک وہاں ایک زوردار دھماکہ ہوا' یہ بارودی سرنگ پھٹی تھی۔ خالد محمود اس کے پریشر سے کئی فٹ ہوا میں اچھل کر اپنی جگہ سے بھی کافی نیچے ڈھلان میں جا گرے۔۔۔۔ گرد کا بادل چھٹا تو وہ خون میں لت پت پڑے تھے' دائیں ٹانگ گھٹنے کے پاس سے اڑ چکی تھی۔"

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل! نہ جل ترنگ

”دیکھنا! کوئی فوجی بھاگنے نہ پائے“

عدیل کہتے ہیں:

”اس دھماکے کے ساتھ ہی کمانڈر صاحب کی نظر دشمن کے چند فوجیوں پر پڑی جو قرارگاہ کے پیچھے سے نکل کر شمال میں میدانی علاقے کی طرف اتر رہے تھے انہوں نے وہیں سے چیخ کر ہمیں حکم دیا۔ ”بھاگو! آگے بھاگو! قرارگاہ میں گھس جاؤ“۔

یہ کہہ کر وہ ان فوجیوں پر جھپٹ پڑے۔ ان کی گرجدار آواز پھر سنائی دی ”دیکھنا! کوئی فوجی بھاگنے نہ پائے‘ سب کو زندہ پکڑنا ہے“ ...

میرے پاس راکٹ تھا‘ لیکن اب ضرورت کلاشنکوف کی تھی‘ میں نے جلدی سے راکٹ مولانا سعادت اللہ کو دے کر ان کی کلاشنکوف لے لی‘ ایک زائد میگزین لے کر کوٹ کی جیب میں ڈالی اور بھاگتا ہوا آٹومیٹک فائر کھول کر قرارگاہ میں جا گھسا۔ بھری ہوئی گولیاں آٹومیٹک فائر سے لمحہ بھر میں ختم ہوگئیں‘ دیکھا تو زائد میگزین جیب سے کہیں گر گئی تھی‘ میرے بائیں ہاتھ دشمن کا ایک خالی مورچہ تھا‘ مجبوراً جلدی سے اس میں گھس کر پناہ لی‘ آگے ایک اور خندق نما مورچہ تھا جس پر چھت نہ تھی‘ وہ بھی شاید خالی تھا‘ میں نے چھلانگ لگا کر اسے پار کرنے کی کوشش کی تو پاؤں پھسل گیا‘ اور اتنی زور سے گرا کہ گھٹنا شدید زخمی ہو گیا‘ میں تھوڑی دیر کیلئے چلنے سے معذور ہو گیا۔

عبداللہ شاہ غازی‘ نظر محمد‘ منور‘ اور فیاض کشمیری بھی قرارگاہ میں میرے ساتھ داخل ہوئے تھے میں نے ان کی زائد میگزین لے کر کلاشنکوف لوڈ کی‘ اور ہم پانچوں نے مل کر سب کمروں کی اور مورچوں کی تلاشی لینی شروع کر دی‘ ہر مورچے اور کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہم اس میں فائر کرتے تھے تاکہ کوئی دشمن ہو تو وہیں ختم ہو جائے۔ دو فوجیوں کو ہم نے زندہ پکڑ لیا‘ باقی سب نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں:

"جب کمانڈر صاحب میرے بائیں طرف سے فوجیوں کے تعاقب میں دوڑے تو جب آگے بڑھا ان کے اور میرے درمیان پہاڑی کا جو حصہ حائل ہو گیا اور فوراً ہی وہاں سے مجھے دو تڑاقے دھماکے سنائی دیے۔ میں اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکتا تھا کیونکہ انہوں نے مجھے یہیں رہنے کی ہدایت کی تھی!

اچانک میرے اور خالد محمود کے درمیان ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ محمد ارشد (مری والے) کا پاؤں بارودی سرنگ پر آ گیا تھا۔ اس کی ٹانگ بھی شہید ہو گئی۔ اس دھماکے سے میں بھی لڑھکتا ہوا کئی فٹ نیچے جا گرا اور پنڈلی کی چھوٹی ہڈی ٹوٹ گئی!

اسی دوران مجھے کمانڈر صاحب کی کمزور سی آواز دور سے سنائی دی جبکہ وہ دھاڑتے ہوئے تھے "ساتھیو! آگے بڑھو"۔

تھوڑی دیر بعد عدیل کی آواز گونجی "اللہ اکبر، ساتھیو! فتح مبارک ہو! اللہ اکبر"۔ یہ سنتے ہی سارے مجاہدین اچھل اچھل کر "اللہ اکبر" کے نعرے لگانے اور ایک دوسرے کو گلے مل مل کر مبارکباد دینے لگے۔

مزہ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہئے!

فتح کی بھاری قیمت

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں "مبارک سلامت کے اس شور میں میری پریشان نگاہیں اپنے محبوب کمانڈر کو ڈھونڈ رہی تھیں، چند ہی لمحوں بعد میں نے ان کی خفیف سی آواز سنی "ساتھیو! میں زخمی ہوں"۔ بجلی سی گر پڑی"

عدیل کہتے ہیں "کمانڈر صاحب کے زخمی ہونے کی اطلاع سنتے ہی میں قرارگاہ سے باہر آیا اور گرد کے ساتھیوں سے کہا کہ قرارگاہ سے خیمے اکھاڑ لو اور سامان اٹھا لو، جو فوراً اٹھا لو اور جس طرف سے میں آ رہا ہوں وہیں سے میرے پیچھے پیچھے

اترنے کی کوشش کرو، کیونکہ دشمن کا یہ طریقہ ہمیں معلوم تھا کہ جب مجاہدین کسی پوسٹ کو فتح کر لیتے ہیں تو پیچھے میدانی علاقے سے دشمن کا ہیڈکوارٹر اور آس پاس کی پوسٹیں مفتوحہ پوسٹ پر اتنی شدید گولہ باری کرتی ہیں کہ اس میں اگر فاتح مجاہدین ہوں تو زندہ نہیں بچ سکتے ــــ

مجھے ابھی تک کمانڈر صاحب کے زخمی ہونے کی نوعیت معلوم نہیں ہو سکی تھی، ہم مولانا سعادت اللہ صاحب کے پاس پہنچے تو وہ خود زخمی اور غم کی تصویر بنے تھے، انہوں نے بتایا کہ کمانڈر صاحب بارودی سرنگوں سے زخمی ہوئے ہیں!

سامنے ڈوبتا ہوا سورج لال ہو گیا تھا اور اس کی دھوپ پیلی پڑ چکی تھی، عجیب سوگوار ماحول تھا! میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی، مجھے بے حال دیکھ کر مولانا سعادت اللہ صاحب نے تسلی دی کہ "یہ رونے کا وقت نہیں، ہمت کرو تجربہ کار ساتھی اکثر زخمی ہو چکے ہیں، ادھر جاؤ اور کمانڈر صاحب کو اٹھاؤ۔"

میں تیزی سے ادھر لپکا، چند قدم آگے ارشد اور پھر خالد محمود زخمی پڑے تھے، ان کی کٹی ہوئی ٹانگیں دیکھ کر میں پھر رو پڑا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ! کمانڈر صاحب اور تجربہ کار ساتھی زخمی ہیں ان کو اٹھانے اور سنبھالنے کی قوت اور ہمت عطا فرما" ــ فوراً یوں لگا جیسے میرے اندر ایک انجانی قوت آ گئی ہے آنسو تھم گئے اور میں تیزی سے کمانڈر صاحب کی طرف دوڑا۔"

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں کہ "عدیل کو کمانڈر صاحب کی طرف بھیج کر میں زخمی ٹانگ سے کسی نہ کسی طرح خالد محمود کی طرف بڑھا تو انہوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ "سعادت بھائی! یہاں نہ آنا، ادھر بارودی سرنگیں ہیں"

میں کلاشنکوف کے بٹ سے راستہ صاف کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ عبدالغفار تنجرے آ گئے، وہ اس سے بارودی سرنگیں نکال نکال کر راستہ بناتے ہوئے تیزی سے خالد محمود تک جا پہنچے اور انہیں اٹھا کر فوراً پیچھے روانہ ہو گئے ـ

میں ان کے تجربے سے راستہ بنا کر بھائی راشد تک پہنچا اور چند ساتھیوں کی مدد سے انہیں چادر میں ڈال کر ہم بھی پیچھے روانہ ہو گئے‘‘۔

عدیل کہتے ہیں ’’کمانڈر صاحب کی طرف جاتے ہوئے ایک جگہ میرا قدم جیسے ہی زمین کو لگا، کسی انجانی طاقت نے فوراً سے واپس کھینچ لیا تو وہاں مجھے ایک بارودی سرنگ نظر آئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت تھی کہ میرا دوسرا قدم بارودی سرنگ تک پہنچ کر خود بخود واپس آ گیا۔ بارودی سرنگ پھٹتے پھٹتے رہ گئی۔ میں نے اسے ناکارہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کا فیوز باہر نہ نکلا۔ پریشانی ہوئی کہ اسے پھینک بھی نہیں سکتا کہ کسی اور ساتھی کا قدم اس پر نہ آجائے۔ مجبوراً اس بارودی سرنگ کو (جو چھوٹے ڈبے کی طرح گول ہوتی ہے) ہاتھ میں لئے ہوئے پتھروں پتھروں پنجوں کے بل چلتا ہوا کمانڈر صاحب کے قریب گیا۔

ان سے کچھ فاصلے پر مشتاق اور شفیق الاسلام کھڑے تھے ___ کمانڈر صاحب کا رخ قبلے کی طرف تھا۔ کلاشنکوف ہاتھ میں تھی، بائیں ٹانگ پنڈلی تک کٹ چکی تھی، بائیں ران پر گہرے زخم تھے، پیٹ میں پتھر کے ٹکڑے گھس گئے تھے، جن سے کچھ آنتیں بھی کٹ گئی تھیں ___ اللہ کی شان دیکھئے جس جگہ بارودی سرنگ نے انہیں فضا میں اچھال کر پھینکا تھا، چوٹی کا کنارہ تھا، اگر ذرا سا بھی بائیں طرف گرتے تو نیچے ہزاروں فٹ گہری کھائی تھی۔

قربت بھی، فاصلے بھی، کرم بھی، گریز بھی
کس کس ادائے یار کے قربان جائیے!

زخمی کمانڈر

عدیل کہتے ہیں ’’مجھے دیکھتے ہی کمانڈر صاحب نے دور سے ’’السلام علیکم‘‘ کہا اور اطمینان سے بولے۔

’’عدیل! میری فکر مت کرو، میری ٹانگ اللہ کے راستے میں کٹ گئی ہے،

خالد محمود اور ارشد زخمی ہیں' جاؤ انہیں اٹھاؤ' میری کلاشنکوف میں ابھی ۲۰ گولیاں باقی ہیں' دشمن ادھر آیا تو انہیں دیر تک روک سکتا ہوں' تم جا کر دوسرے ساتھیوں کو سنبھالو"

لیکن دوسرے زخمیوں کے پاس اور ساتھی پہنچ چکے تھے' میں نے اپنی کالی پگڑی سر سے اتاری' میرے ہاتھ کانپ رہے تھے.... ان کے پاؤں کس طرح اٹھاؤں؟ کس طرح باندھوں؟ ان کا خون اتنا بہہ گیا تھا کہ رگیں خالی نکلی ہوئی نظر آ رہی تھیں' خون کے لوتھڑے جم گئے تھے!.... میں نے دل مضبوط کر کے اس پگڑی سے کسی نہ کسی طرح ان کی دائیں پنڈلی اور بائیں ران کس کر باندھ دی....!

اب مسئلہ ان کو اٹھا کر لے جانے کا تھا' میں تو پتھروں پہ پنجے رکھ رکھ کر اس خطرناک جگہ تک کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا تھا' راستے پر بے شمار سرنگیں بچھی ہوئی تھیں' کمانڈر صاحب کو اٹھانے کیلئے لازماً تین چار ساتھیوں کی ضرورت تھی' اتنا راستہ نہیں تھا....!

اللہ تعالیٰ نے ذہن میں بات ڈال دی' میں نے اپنی کلاشنکوف کا راڈ نکالا اور اس سے بارودی سرنگیں نکال نکال کر آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گیا جہاں خالد محمود اور ارشد زخمی ہوئے تھے!.... یہاں تک میں نے دس بارودی سرنگیں نکال کر راستہ صاف کر لیا' آگے کا راستہ میں پہلے دیکھ چکا تھا کہ صاف ہے!.... یہاں کچھ ساتھی موجود تھے' سب نو آموز' میں نے انہیں راستہ بتلاتے ہوئے کہا "اسٹریچر لا کر یہاں سے میرے پاس پہنچ جاؤ"

میں بھاگ کر دوبارہ کمانڈر صاحب کے پاس آیا اور انہیں اٹھانے لگا' فوراً دور سے شفیق نے آواز دی "آگے نہ بڑھنا مائن (بارودی سرنگ) ہے"

میں نے چونک کر دیکھا تو کمانڈر صاحب کے بالکل قریب جہاں میں قدم رکھ کر انہیں اٹھانے لگا تھا ایک بارودی سرنگ بچھی ہوئی تھی' میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے اٹھا کر احتیاط سے ایک بڑے صاف پتھر پر باقی مائنوں کے ساتھ رکھ دیا تاکہ ساتھی دور سے انہیں دیکھ سکیں۔

کمانڈر صاحب ہمیشہ جنگ میں میگافون (دستی لاؤڈ اسپیکر) ساتھ رکھتے تھے'

جنگ سے پہلے بعض اوقات وہ دشمن فوج کو پشتو اور فارسی میں اسلام کی دعوت دیتے تھے،
فتح کے بعد اس پر حسب ضرورت اعلانات کرتے تھے۔ یہ میگافون اب ان کے پہلو میں پڑا
تھا۔ میں اس پر ہاتھ رکھ کر ان کا پہلو بدلنے لگا، پھر فوراً چھوڑ دیا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ
پہلے میگافون اٹھا لوں۔ وہ اٹھایا تو اس کے نیچے بھی بارودی سرنگ تھی ——— وہ تو اللہ تعالیٰ
نے ہمیں قرارگاہ تک پہنچنے کا ایک راستہ عطا فرما دیا تھا، ورنہ اردگرد کا یہ سارا علاقہ سرنگوں کا
جال تھا ———

صفدر اسٹریچر لے آئے۔ ہم نے کمانڈر صاحب کو اس میں بڑی مشکل سے لٹایا
اور خدا خدا کر کے پہاڑی سے نیچے لے آئے۔ ان کو دیکھ کر بار بار میری آنکھوں میں آنسو
آجاتے تھے، مجھے غمگین دیکھ کر فرمانے لگے۔

"عدیل! پریشان نہ ہو، ان شاء اللہ حضرت نوح کی برکت سے خوست فتح ہوگا"

ـــ وہ سارے راستے ہمیں تسلیاں دیتے رہے۔

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں "میں چند ساتھیوں کی مدد سے ارشد بھائی کو چادر
میں (جسے مجاہدین اسٹریچر کی طرح بنا لیتے ہیں) اٹھا کر لا رہا تھا کہ پیچھے سے وہ ساتھی بھی ہم
سے آملے جو کمانڈر صاحب کو اسٹریچر پر لا رہے تھے، ان میں عدیل بھائی بھی تھے،
کمانڈر صاحب نے ان سے میرے متعلق دریافت کیا تو میں ارشد بھائی کو دوسرے
ساتھیوں کے حوالے کر کے فوراً کمانڈر صاحب کے پاس پہنچا، ان کی دونوں ٹانگوں کے
علاوہ پیٹ بھی زخموں سے چھلنی تھا اور پیٹ کے خطرناک زخموں کی وجہ سے ان کا پیشاب
رکا ہوا تھا جس کی شدید تکلیف تھی، مجھے دیکھتے ہی پوچھا "کیا حال ہے؟"

میں غم سے نڈھال تھا بہت کوشش کر کے بھی جواب نہ دے سکا، انہوں نے
ہمارے مغموم چہروں پر ایک نظر ڈالی اور تسلی دینے لگے۔

"فکر نہ کرو میں ان شاء اللہ صحت یاب ہو کر ٹانگوں سے نہ بھی
چل سکا تو گھوڑے پر سوار ہو کر آپ لوگوں کے ساتھ جنگوں میں
شریک ہوا کروں گا۔"

پھر فرمایا "اچھا میں تم لوگوں کو نظم سناتا ہوں" یہ کہہ کر حسب عادت بڑے دلسوز ترنم سے نظم سنانے لگے۔ لیکن پہلے شعر کا پہلا مصرعہ ہی پڑھا تھا کہ آواز رک گئی بمشکل فرمایا "نظم پڑھی نہیں جا رہی"!

آگے راستہ سخت دشوار تھا' ایک آدمی بمشکل چل سکتا تھا' ساتھیوں کی یہ مشقت دیکھ کر فرمانے لگے۔

"ساتھیو! مجھے معلوم ہے آپ لوگ بہت تھکے ہوئے ہیں' اور بعض زخمی بھی ہیں' مجھے کہیں چھوڑ دو"!

زخموں سے چور کمانڈر کے اس جملے نے نڈھال ساتھیوں میں نئی قوت پھونک دی' وہ چستی سے چلنے لگے۔

میں اپنے پاؤں کی سوجن اور شدید تکلیف کی وجہ سے کمانڈر صاحب کو اٹھانے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا' اس لئے ان کی میگزینوں والی جیکٹ اور آٹھ کلا شنکوفیں اٹھائے چل رہا تھا' پنڈلی کی چھوٹی ہڈی جو اندر ہی اندر ٹوٹ گئی تھی' مجھے معلوم نہ تھا کہ ٹوٹ گئی ہے' یہ تو مجھے ۱۳ روز بعد کراچی آکر معلوم ہوا' اس وقت میں صرف تکلیف اور ورم ہی محسوس کر رہا تھا' وہ ہڈی وزن برداشت نہ کر سکی' میں اچانک لڑھکتا ہوا دس فٹ نیچے ڈھلان میں جا گرا' کلا شنکوفیں میرے اوپر آپڑیں۔ دعا کرتے ہوئے بڑی مشکل سے اٹھا اور وہ کلا شنکوفیں ایک قبائلی لڑکے کو دے کر جلد کمانڈر صاحب سے جا ملا۔

پھر کسی نہ کسی طرح ہم اس برساتی نالے میں پہنچ گئے' جہاں ہم نے آج ظہر کی نماز پڑھی تھی ــــــ یہاں بھائی خالد محمود اور دیگر زخمی ساتھیوں کو بھی پہنچایا جا چکا تھا' کمانڈر صاحب انہیں دیکھ کر فرمانے لگے "خالد بھائی! آج تو کمانڈروں کی باری ہے۔"

ملال ہے کہ نشیمن جلا گئی بجلی!
خوشی یہ ہے کہ گلستان بچا لیا میں نے

دوسرے زخمی ـــــ اور شہید

عدیل کہتے ہیں کہ "ہم اس برساتی نالے میں پہنچے تو رات پوری طرح چھا چکی تھی، محبوب ہمدانی کو بھی بولمائن سے سخت زخمی ہوئے تھے، یہاں پہنچایا جا چکا تھا، یہاں جناب آغا ظہیر صفدر اور ان کی جماعت ابتدائی طبی امداد کے سامان کے ساتھ موجود تھی، وہ مرہم پٹی کر ہی رہے تھے کہ مولانا عبدالرحمٰن محمود کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی۔ مولانا "توڑ کمر سر" چوٹی پر راکٹ بردار دستے کے امیر تھے، فتح کے بعد پیچھے قرار گاہ میں آگئے، وہاں ایک زخمی ساتھی کی کلاشنکوف پڑی دیکھی، اسے اٹھانے کے لئے آگے بڑھے تو ان کا پاؤں بھی بارود کی سرنگ پر آگیا، ٹانگ پنڈلی تک اڑ گئی ہے۔"

مولوی سعادت اللہ کہتے ہیں کہ "ہم نے قاری غلام رسول کو واپس قرار گاہ بھیجا کہ مولانا عبدالرحمٰن محمود اور دوسرے زخمیوں کی اور اسلحہ کی منتقلی کا کام انجام دیں"

خالد محمود جن کی دائیں ٹانگ پنڈلی تک اڑ چکی تھی، کہتے ہیں کہ:

"سردی بہت سخت تھی، کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے جسم اور بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا، ساتھیوں نے "لوغاتھ" میں آگ دہکا دی، اس سے کافی سکون ملا، زخموں میں اس وقت کوئی خاص تکلیف نہ تھی البتہ جب بارود کے کیمیکل جسم کے اندر جذب ہوتے تو تکلیف ہوتی تھی۔ آگ کے ایک طرف میں اور دوسری طرف کمانڈر صاحب تھے، ہمارے سر کی طرف محبوب ہمدانی، اور پاؤں کی طرف مولوی عبدالرحمٰن محمود، ارشد کشمیری اور دوسرے بہت سے زخمی تھے ـــــ

کمانڈر صاحب کو مجھ سے کہیں زیادہ زخم آئے تھے، لیکن اس حالت میں بھی انہوں نے لیٹے لیٹے آگ کے پیچھے سے پوچھا، "خالد! کیا حال ہے؟" میں نے بھی ان کا حال دریافت کیا۔

ہماری اس سے زیادہ گفتگو نہ ہو سکی کیونکہ انہیں نیند کے انجکشن
لگا دیئے گئے تھے۔“

عدیل کہتے ہیں کہ ”آج ہمارے دو ساتھی شہید ہوئے، قبیلان کے ”ابو مصعب“ تو موقع پر ہی شہید ہو گئے تھے۔ محبوب ہمدانی ”لورغائی“ میں پہنچائے جانے کے بعد تک زندہ تھے، لیکن رات کے ایک بجے وہ بھی زخموں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیارے ہو گئے ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

مولوی سعادت اللہ نے بتایا کہ ”رات کے تقریباً ایک بجے ہم پھر کمانڈر صاحب کو اٹھا کر اپنے مرکز کی طرف چل دیئے، یہاں سے مرکز تک چڑھائی ہی چڑھائی تھی، راستہ صرف ایک آدمی کے گذرنے کا تھا، اس پر بھی برف جمی تھی، ہر قدم پھسلنے کا خطرہ، بائیں طرف سینکڑوں فٹ گہری کھائیاں، اللہ پاک سے دعائیں کرتے ہوئے رات بھر چڑھتے رہے۔

عدیل کا بیان ہے کہ ”ابھی ہم راستے میں تھے کہ کچھ افغان مجاہدین پہنچ گئے، وہ فوراً کمانڈر صاحب کو لے کر ہمارے مرکز کی طرف روانہ ہو گئے، کچھ ساتھی جن میں ظہیر مسعود بھی تھے ان کے ہمراہ کر کے میں دوسرے ساتھیوں کیلئے پیچھے رک گیا۔ راستہ انتہائی دشوار گذار اور تنگ تھا، سخت سردی، پتھریلا راستہ، اوپر سے برف باری، اس پھسلن میں کئی ساتھی زخمیوں کو اٹھا کر لاتے ہوئے بار بار گرے۔ بہرحال گرتے پڑتے تمام زخمیوں کے ساتھ ہم مرکز پہنچے تو کمانڈر صاحب کو راتوں رات ہی ”میران شاہ“ بھیجا جا چکا تھا ــــ

صبح کو میں ارشد اور خالد محمود کو لے کر ”میران شاہ“ پہنچا تو کمانڈر صاحب کو وہاں سے پشاور لے جایا جا چکا تھا۔ یہ ۱۵ جنوری کا دن تھا۔ اگلے دن ”باڑی“ کے محاذ پر

حصے کا پروگرام تھا' مجھے وہاں رات تک پہنچنا ضروری تھا' میں پشاور نہ جا سکا"۔ !

زندگی کھیلتی ہے طوفاں سے
اب تمنا نہیں ہے ساحل کی

"لنڈے مل پوسٹ" کی فتح

جس وقت کمانڈر زبیر اور ان کے ساتھی "تورکمر" کی قرار گاہ پر حملہ آور ہوئے تھے ٹھیک اسی وقت نائب کمانڈر مولوی عبدالرحمن فاروقی نے اپنے ۲۰ جانبازوں کے ساتھ "لنڈے مل پوسٹ" پر چڑھائی کی' یہ پوسٹ بھی "تورکمر قرار گاہ" کے زیر کمان تھی' دشمن نے کچھ دیر جم کر مقابلہ کیا' بالآخر راہ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھی' مجاہدین نے فتح کے بعد وہیں عشاء کی نماز ادا کی - اس معرکے میں پکھر بنش کے ایک مجاہد "عبدالمومن" بارودی سرنگ سے زخمی ہوئے۔

دشمن فوج جب پوسٹ سے بھاگ کر میدانی علاقے میں ۲ کلو میٹر دور اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ گئی تو وہاں سے اچانک اس مفتوحہ پوسٹ پر توپوں اور ٹینکوں سے اتنی سخت گولہ باری ہوئی کہ بقول فاروقی صاحب

"بارش کی طرح برستے گولوں کی تیزی کو دیکھ کر ایک مرتبہ تو یوں لگا کہ ہم میں سے آج کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔"

لیکن وہاں دشمن ہی کے بنائے ہوئے مورچوں کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا۔ یہ مورچے اتنے مضبوط تھے کہ گولے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لگاتار ڈھائی گھنٹے زبردست گولہ باری کے بعد جب دشمن کو شاید یقین ہو گیا کہ اب پوسٹ میں کوئی مجاہد زندہ نہ بچا ہوگا۔ تو یہ دھماچوکڑی بند ہوئی' مجاہدین مورچوں سے زندہ سلامت نکل آئے۔

اس پوسٹ میں ۵۰ افراد رہا کرتے تھے' اشیاء خورد و نوش کا بھی کافی ذخیرہ تھا۔

مجاہدین نے خوب سیر ہو کر کھا لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ مال غنیمت بھی خاصا ملا جس میں ایک مارٹر توپ ایک گرینوف مشین گن گولہ بارود بہت سے دستی بم اور راکٹ شامل تھے۔

فاروقی صاحب نے مال غنیمت نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور پوسٹ میں سے بے کار کپڑے اور کیرزم کی کتابیں وغیرہ جمع کر کے اس اسیرپ مٹی کا تیل چھڑکا اور آگ لگا دی۔ کمروں کی چھتوں میں مضبوط لکڑی کے موٹے شہتیروں نے بھی آگ پکڑلی۔

"ترے لوٹا پوسٹ" بھی فتح ہو گئی

مفتوحہ پوسٹ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے تو یہ فاتح مجاہدین قریب کی معاون پوسٹ "ترے لوٹا" پر حملہ آور ہوئے اور گرینوف مشین گن اور راکٹ لانچروں سے بھرپور فائرنگ کی مگر لنڈے مل پوسٹ کا حشر دیکھ کر فوج یہاں سے پہلے ہی بھاگ چکی تھی۔

ادھر رات کے دو بجے یہ کارروائی مکمل ہوئی۔ ادھر بنگلہ دیشی جانباز "عبدالمومن" جو شدید زخمی تھے' ہر علاج سے بے نیاز ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آواز جرس تھک کے جہاں بیٹھ گئی ہے
ٹھہرا ہے وہیں قافلہ عمر رواں بھی!

شہید کو اٹھا کر اپنے مرکز کو روانہ ہوئے' قریب ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی' جس پر بارودی سرنگوں کا گمان بھی نہ تھا' وہاں سے گزرتے ہوئے اچانک ایک بارودی سرنگ پھٹی' مجاہد ابوبکر' منیر' نثار اور نعمان شدید زخمی ہو گئے۔ تار چوں سے تلاش کرنے پر دو بارودی سرنگیں اور ملیں' جن کے تار کاٹ کر ناکارہ بنا دیا گیا۔

آگے "ترے لوٹا" نامی ایک جگہ ہے (مفتوحہ معاون پوسٹ کو اسی نسبت سے

"تورے لوٹا پوسٹ" کہا جاتا تھا) جہاں چند ویران مکانات تھے۔ مجاہدین یہاں ستانے اور زخمیوں کی دیکھ بھال کیلئے رک گئے۔ جگہ دیکھ کر زخمیوں کو اس کے پاس لٹا دیا گیا۔

فاروقی صاحب کی ٹانگ پر بھی زخم تھا۔ پہلوں کو معلوم نہیں "باڑی" میں حملے کی کمان کر رہی تھی۔ انہوں نے ساتھیوں کو ہدایت کی "تم یہاں انتظار کرو میں مرکز جا کر تازہ دم ساتھیوں کو بھیجتا ہوں کہ وہ زخمیوں کو اٹھانے میں مدد کریں۔"

فاروقی صاحب بتاتے ہیں کہ "میں مرکز مجاہدین (درویش قرارگاہ) پہنچا تو یہاں پورا ماحول سوگوار تھا۔ کمانڈر صاحب اور کئی تجربہ کار ساتھیوں کو خطرناک حالت میں پشاور لے جایا جا چکا تھا۔ دو شہید ہو چکے تھے۔ ٹوٹے دل کے ساتھ میں نے کچھ عرب ساتھیوں کو "تورے لوٹا" کی طرف بھیجا اور بوجھل قدموں کے ساتھ آگے روانہ ہوا ۔۔۔

ظہر کے وقت (پاکستان کے سرحدی شہر) میران شاہ پہنچ کر زخمیوں اور شہیدوں کیلئے انتظامات کئے اور مغرب سے پہلے بھائی حزب اللہ، عدیل اور محمد ظہیر کو لے کر "باڑی" کا رخ کیا ۔۔۔ وہاں اپنے مرکز پہنچے تو رات کے دس بجے تھے۔

ہمسایہ جبریل امین بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

"باڑی" کا خطرناک معرکہ

نائب امیر عبدالرحمٰن فاروقی نے یہاں پہنچ کر "تورکر" کی فتح کا مژدہ تو سنا دیا لیکن وہاں کے شہیدوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ ساتھیوں کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے کمانڈر زبیر کے زخمی ہونے کی بھی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔

منصوبے کے مطابق "باڑی" کی دو اہم پوسٹوں "قلعہ" اور "زرمن گل" پر افغان مجاہدین کو مولانا پیر محمد کی قیادت میں چڑھائی کرنا تھی۔ یہ پوسٹیں یہاں سے مرکز مجاہدین سے شمال میں واقع تھیں۔ ان کے پیچھے تقریباً تین کلومیٹر میں میدانی علاقے کے قریب دشمن کی مرکزی قرارگاہ "خیمے والی" تھی۔ اس پر فاروقی صاحب کی قیادت میں

"حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے مجاہدین کو پیچھے سے جاکر حملہ کرتا تھا۔

حملہ تو دن میں ہوتا تھا، لیکن "قرارگاہ ٹینک والی" کے پاس پہنچنا دن میں ممکن نہ تھا، کیونکہ مجاہدین اور اس قرارگاہ کے درمیان دشمن کی مذکورہ ۲ پوسٹیں حائل تھیں۔ مجبوراً ان جانبازوں کو راتوں رات مغرب کی طرف سے شمال کو چکر کاٹ کر پہلے دشمن کے میدانی علاقے میں اترنا تھا، اور اس میدان میں کئی کلو میٹر تک مشرق کی طرف چل کر "قرارگاہ ٹینک والی" کے پاس آکر ایک خشک برساتی نالے کو اپنی کمین گاہ بنانا تھا۔

فاروقی صاحب اپنے مرکز پہنچنے کے صرف ۵ گھنٹے بعد، جبکہ ۲۹ جنوری کی صبح طلوع ہونے میں دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے، ساتھیوں کو لے کر ہدف کیلئے نکل کھڑے ہوئے

بیابانی رات کا سناٹا، برف سے منجمد پہاڑ اور وادیاں، سردی ایسی کہ ہڈیوں کا گودا بھی جم جائے، میدانی علاقے میں جگہ جگہ دشمن کی پوسٹیں، قرارگاہیں، مورچے اور ٹینک، پیدل سفر، کاندھوں پر طرح طرح کے وزنی ہتھیار اور جنگی سامان، گھٹا ٹوپ اندھیرا، قدم قدم پر بارودی سرنگوں کا جان لیوا خطرہ۔

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

لیکن آفرین ہے ان "مردانِ خدا مست" کی منصوبہ بندی، جفاکشی اور شجاعت پر، کہ میدانی علاقے میں اتر کر تقریباً چھ میل کی مسافت انہوں نے اس صفائی سے طے کی کہ دشمن کو ہوا بھی نہ لگنے دی۔ پو پھٹنے سے پہلے سارے مجاہدین نالے میں دور دور تک پھیل چکے تھے۔

لیکن یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی، کیونکہ ان کے سامنے مشرق میں صرف چند سو میٹر پر دشمن کی زبردست "قرارگاہ ٹینک والی" تھی جو ان کا ہدف تھا، اسی طرف مشرق میں ذرا آگے "کوہ غزہ" کی وہ بلند ترین چوٹی تھی جس پر دشمن کی مضبوط

(اسلام آباد) میں اسے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا کہ "میں نصرت خداوندی کے اس عجیب واقعہ کو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

الیاس بیان کرتے ہیں کہ "رات کو جب ہم دشمن کے علاقے میں چھ کلو میٹر اندر گھس کر برساتی نالے کی طرف جا رہے تھے تو ہمارے کمانڈر صاحب نے مجھے دس ساتھیوں کو لے کر ایک اور راستے سے وہاں پہنچنے کا حکم دیا، آگے میں تھا، میرے پیچھے قطار میں دس ساتھی چل رہے تھے، راستہ تو کوئی تھا نہیں، اونچے نیچے ٹیلوں، پتھروں اور جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے زمین پر برف پڑی ہوئی تھی، مجھے اچانک اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم غلط سمت میں تو نہیں چلنے لگے؟

اس خیال کے آتے ہی میں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، خطرہ یہ تھا کہ غلط سمت میں چلتے ہوئے ہم دشمن کی کسی قریبی پوسٹ یا بارودی سرنگوں کا شکار نہ ہو جائیں، بے چارگی کے عالم میں میرے منہ سے یہ دعا نکل پڑی۔

"اے میرے اللہ! تو ہی ہمیں راستہ دکھا، ہم تیرے دین کے راستے میں نکلے ہیں۔"

اچانک میرے آگے ایک روشنی نمودار ہوئی، راستہ صاف نظر آنے لگا، میں سمجھا پچھلے ساتھی نے ٹارچ جلائی ہے، میں نے فوراً پیچھے مڑ کر اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا "خدا کے بندے! تمہیں معلوم نہیں ہم دشمن کے علاقے میں ہیں، تم نے ٹارچ کیوں جلائی؟"

اس نے لجاجت سے کہا "میاں بھائی! میرے پاس تو ٹارچ ہے ہی نہیں۔"

میں پھر آگے بڑھا، چند قدم بعد پھر روشنی ہوئی اور راستہ صاف نظر آنے لگا، میں نے مڑ کر اس ساتھی کو ڈانٹ پلائی "خدا کے لئے باز آ جاؤ، کیوں ساتھیوں کو مروانا چاہتے ہو؟ دشمن نے اگر دیکھ لیا تو ہماری خیر نہیں۔"

اس نے خدا کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس نے نہ ٹارچ جلائی ہے، نہ اس کے

؎ ماہنامہ البلاغ، رجب ۱۴۰۹ھ

پاس ٹارچ ہے"___

اب تو میں بڑا حیران ہوا کہ ماجرا کیا ہے؟ پھر وہ روشنی مجھے آگے آگے برساتی نالے تک برابر نظر آتی رہی۔ خوشی سے میرے آنسو بہنے لگے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ یاد آیا ترجمہ کاروان رواں تحریر کیا ہے:

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ"

"اور جنہوں نے ہمارے لئے محنت کی ہم ان کو اپنے راستے دکھائیں گے اور بے شک اللہ اپنے خلوص والوں کے ساتھ ہے"

(سورۃ العنکبوت ۔۔ ۶۹)

قاری عبدالرشید کوثر لکھتے ہیں کہ "برساتی نالے میں آنا معمول تھی ہم صبح کے انتظار میں دم سادھے بیٹھے رہے لیکن جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے امیر صاحب سے اجازت لے کر وہیں اذان دے دی ___ اسی برساتی نالے میں قریب کے ساتھیوں نے نماز باجماعت ادا کی۔ دور دور چھپے ہوئے مجاہدین نے الگ الگ نماز پڑھی۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں "لا الٰہ الا اللہ"

بھوکے شیر

منصوبے کے مطابق ٹھیک آٹھ بجے افغان مجاہدین کے توپ خانے نے دشمن کی دونوں پوسٹوں "تقیب" اور "زرمین کئی" پر گولے اور میزائل داغنے شروع کر دیئے۔ ۱۱ بجے دوپہر یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی مولانا پیر محمد اور ان کے ساتھی مختلف سمتوں سے ان

نے بھی دیکھ لیا اس کا فائر بھی بارش کی طرح آنے لگا۔

کمانڈر عبدالرحمٰن فاروقی جو سب سے آگے تیزی سے بڑھے جا رہے تھے، آس پاس پہنچتے ہوئے گولوں کی پروا کئے بغیر دیوانہ وار بڑھتے چلے گئے، راستے میں جگہ جگہ بارودی سرنگیں تھیں جن کے تار زمین میں صاف نظر آجاتے ہیں، وہ تاروں کو تیزی سے کاٹ کاٹ کر دشمن کے قریب جا پہنچے۔

پہلا شہید

قاری عبدالرشید کوثر کہتے ہیں کہ "میں ظہیر صاحب کے ساتھ تھا، وہ 82 M M توپ سے جو کندھے پر رکھ کر چلائی جاتی ہے، لگاتار فائر کر رہے تھے، ان کے قریب ہی ہم چھ ساتھی کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر رہے تھے، تینوں حملہ آور دستے ہمارے فائر کے سائے میں آگے بڑھتے گئے، اچانک ایک زبردست دھماکے سے ہمارے ساتھی عبدالستار بلوچ، جن کا تعلق خضدار (بلوچستان) سے تھا، شدید زخمی ہو گئے ان کا پاؤں بارودی سرنگ پر آگیا تھا۔ ساتھ ہی ان کو ایک گولہ بھی آکر لگا اور وہ آدھ گھنٹہ بعد شہید ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولی ہمارے ساتھی گل زمب کو لگی ان کا پیٹ کٹ گیا، وہ وہیں گر پڑے۔

ظہیر صاحب نے یہ حال دیکھا تو فوراً زخمیوں اور باقی ساتھیوں کو واپس برساتی نالے (لوغاتھ) پہنچایا، وہاں طارق صدیقی صاحب نے فوری طبی امداد دی، ظہیر صاحب ہمیں لے کر پھر میدان کارزار میں پہنچ گئے۔

قاری نعمت اللہ، جو ایک حملہ آور دستے کے امیر تھے، کہتے ہیں کہ "اس قرارگاہ پر جو جنگ ہوئی وہ ہمیں کبھی نہ بھولے گی۔ یہ ناقابل فراموش معرکہ تھا، یہاں ہمارا مقابلہ فوج سے زیادہ افغان ملیشیا سے تھا جو کمیونسٹ اور سخت جنگجو تھے، کمانڈر فاروقی صاحب نے یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی تھی، چنانچہ ساتھی اس خطرناک معرکے کیلئے ذہنی طور پر خوب تیار ہو کر نکلے تھے، کئی ساتھی زخمی ہوئے، لیکن جب بھی کوئی اٹھانے آیا، زخمی نے

یہی جواب دیا کہ "آگے بڑھو' میری فکر نہ کرو۔"

جب ہم قرار گاہ کے قریب پہنچے تو آگے راستے میں ایک ٹیلہ تھا' وہاں سے بارش کی طرح فائر آرہا تھا ___ میں نے ساتھیوں سے 'ماشاء اللہ کا نام لے کر ٹیلے سے آگے بھاگ نکلو! جو گریں وہیں پڑے رہیں باقی آگے پہنچیں۔"

وقار جیلی نے یہ سنتے ہی "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اور قرار گاہ کی طرف دوڑ لگا دی' انہیں دیکھ کر باقی بھی دوڑ پڑے ___ اللہ پاک نے سب کو محفوظ رکھا' ٹیلے کو پار کر کے ہم قرار گاہ تک جا پہنچے۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر

فتح مبین

کمانڈر فاروقی بتاتے ہیں کہ "جب میں دشمن سے تقریباً ۱۰۰ میٹر کے فاصلے پر پہنچ گیا' تو قرار گاہ کی فوج باہر نکل آئی' انہوں نے کھڑے کھڑے اتنی شدید فائرنگ کی کہ میرے لئے ایک انچ آگے بڑھنا ممکن نہ رہا۔

سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا (تقریباً بشکل دس میٹر ہوگی) مجاہدین اور کچھ ساتھی وہاں چڑھ گئے۔ انہوں نے وہاں سے دشمن پر راکٹ مارے اور جوابی فائرنگ کی۔ میں کچھ ساتھیوں کو لے کر قرار گاہ کی دوسری طرف سے اوپر چڑھ گیا۔ اس وقت قرار گاہ پر ہمارے ساتھیوں نے ہر طرف سے چڑھائی شروع کر دی تھی۔ ہمیں سر پر دیکھ کر دشمن سراسیمہ ہو گیا۔

یہاں دو بدو جنگ ہوئی' بالآخر سامنے والے کچھ فوجی مردار ہو گئے۔ بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جو افسر اور فوجی بھاگ نہ سکے وہ کمروں میں چھپ گئے تھے ان میں سے کئی کو مجاہدین نے دستی بم پھینک کر جہنم رسید کیا۔

ایک فوجی افسر ایک ٹینک سے بچے کی طرف خالی ہاتھ آ رہا تھا ـــــ میں اس وقت اپنی ٹانگ پر جو مارٹر توپ کے گولے کا پرچہ لگنے سے زخمی ہوگئی تھی پٹی باندھ رہا تھا۔ ۔۔ میں نے اسے رکنے کا حکم دیا مگر وہ بچ کر ایک کمرے میں جا گھسا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کمرے میں وائرلیس سیٹ تھا۔ شاید وہ خوست چھاؤنی سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے پکڑنے کے لئے جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں پر جھپٹ پڑا۔ دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ ایک ساتھی امر محل جن کا تعلق مشہد سے ہے فوراً آگے بڑھے اور کلاشنکوف کا بٹ اس کے سر پر کھینچ مارا۔ میں پہنچا تو وہ گر چکا تھا۔ میری کلاشنکوف نے اس کا قصہ تمام کر دیا۔

مولوی عبدالقیوم تلاشی لینے کیلئے ایک کمرے میں جانے لگے تو عبیداللہ اور طاہر نے آواز دی "اس سے دور رہیں اندر سے فائر آ رہے ہیں۔"

مگر مولوی عبدالقیوم نے دروازے کے ایک طرف ہو کر اندر دستی بم پھینک دیا۔ پھر دوسرا پھینکا۔ تھوڑی دیر بعد خود اندر گئے تو ایک بھری ہوئی کلاشنکوف پڑی تھی جس کا بٹ بھی چڑھا ہوا تھا۔ چارپائی کے نیچے دیکھا تو کمبل میں ایک فوجی لپٹا پڑا تھا۔ ایک کلاشنکوف اس کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے اسے بھی واصل جہنم کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ بھی فوجی افسر تھا۔

مولوی علی احمد ظفر دستی ایک کمرے میں داخل ہوئے تو دو کمیونسٹ فوجی چھپے بیٹھے تھے ـــــ علی احمد صاحب کے پاس راکٹ لانچر تھا۔ اسے کمرے میں چلانا خود موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ تبھی فوراً اپنا خنجر نکال کر فوجیوں کی طرف بڑھے۔ دونوں خوف سے کانپ رہے تھے۔ اپنی بھری ہوئی کلاشنکوف بھی استعمال نہ کر سکے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

وقار کو دو فوجی ایک کمرے میں گھستے نظر آئے۔ انہوں نے فوراً دروازے کے پاس پہنچ کر زور سے آواز دی "تسلیم شو" (ہتھیار ڈال دو!) آواز سنتے ہی تینوں باہر نکل آئے اور ہاتھ اوپر اٹھا کر معافی مانگنے لگے انہوں نے اس طرح اور بھی کئی فوجی

گرفتار کیے۔

قرار گاہ سے اوپر کے ایک مورچے سے اب تک گولیوں کے فائر آرہے تھے' کمانڈر فاروقی نے وقار اور افتخار کے ساتھ جو مجاہدین کو اس طرف بھیجا' وہاں بھی کچھ فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیے باقی بھاگ کھڑے ہوئے ____

کچھ کمانی سرخیوں سے' سرخی سے سر کٹم
گرنے والوں کو ذرا نقشیں اٹھا کر دیکھئے

دوسرا شہید

حزب اللہ صاحب کا بیان ہے کہ "اس جنگ میں اکثر ساتھی رات سے بھوکے پیاسے تھے جنگ کیلئے عموماً مرکز سے کچھ کھاپی کر نکلتے ہیں مگر اس رات ہم ۳ بجے نکلے تو جس گروپ کے پاس کھجوریں تھیں وہ کہیں پیچھے رہ گیا' پھر دن بھر پانی کی بھی ایک بوند تک نہ ملی' ساری جنگ اسی حالت میں لڑی گئی۔

فتح کے بعد قرار گاہ سے ہمیں بہت چیزیں ملیں' پانی کا ایک ڈرم بھرا رکھا تھا' سب پیاسے تھے' کچھ ساتھی کہیں سے چینی لے آئے' جلد میں شربت بنا کر پی ہی رہے تھے کہ ایک اوپر پوسٹ سے اچانک ٹینک کا گولہ ہمارے درمیان آکر خوفناک دھماکے سے پھٹا' غلام سرور' عدیل' اور اسماعیل زخمی ہوگئے اور ہمارے ایک ساتھی عبدالرحمن جو نوید ٹیک سنگھ سے تعلق رکھتے تھے جام شہادت نوش کر گئے' انا للہ و انا الیہ راجعون۔ گولے کا ایک ٹکڑا عدیل کی بائیں کلائی کی دونوں ہڈیوں کو چکنا چور کرتا ہوا آرپار ہو گیا۔

قاری نعمت اللہ جو وزیرستان کے جنہوں نے زخمی ہونے کا واقعہ سناتے ہیں کہ "میں زخمی ساتھیوں کو اٹھا کر پیچھے لا رہا تھا کہ کمانڈر فاروقی صاحب نے' جو خود بھی زخمی تھے' مجھے ہدایت کی کہ "آپ قرار گاہ جائیں' کہیں اور زخمی یا شہید ساتھی وہاں نہ رہ گئے ہوں۔"

میں جس راستے سے آیا تھا اسی سے واپس ہوگیا' یہاں ہر طرف بارودی

سرنگیں بچھی ہوئی تھیں، ان کے تار کاٹ کاٹ کر اپنا راستہ بناتا جا رہا تھا کہ ایک بارود کی سرنگ نظر نہ آئی اور اس سے بچ کر ایک دو قدم ہی چلا تھا کہ زبردست دھماکہ ہوا۔ میں سمجھا کوئی گولہ آکر پھٹا ہے کیونکہ اس وقت دشمن کی ایک اور پوسٹ سے گولہ باری ہو رہی تھی مگر ہوا یہ تھا کہ اس سرنگ کا زمین میں چھپا ہوا تار میری ایڑی میں گھسا اور سرنگ پھٹ گئی ـــ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی، وہاں کا گوشت بھی اڑ گیا تھا ـــ

یہاں کوئی ساتھی نہ تھا، میں نے مخصوص علامتی فائر کئے، سنتے ہی کچھ ساتھی آئے اور مجھے اٹھا کر لے گئے ـــ رات ۹ بجے کے بعد تک ساتھی قرارگاہ سے زخمیوں کو اٹھا کر لاتے رہے ـــ ہمارے ۱۹ مجاہد زخمی اور ۲ شہید ہوئے تھے۔

جن دو پوسٹوں پر مولانا پیر محمد اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کیا تھا، وہ بھی فتح ہو چکی تھیں۔ جب رات کو ہم سب اپنے مرکز جانے لگے تو دشمن کے طیارے آگئے اور شدید بمباری کی لیکن اللہ نے سب کو بچا لیا۔

قرارگاہ کی اس جنگ میں دس کمیونسٹ ہلاک، ۵ زخمی اور ۱۸ جن میں افسر بھی تھے گرفتار کئے گئے۔ مال غنیمت کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ٹینک	ایک
۲۔ زکویک (اینٹی ایئرکرافٹ گن)	ایک
۳۔ شلکہ مشین گن	ایک
۴۔ مارٹر توپیں	پانچ
۵۔ گرینوف مشین گن	دو
۶۔ کلاشنکوف	پینتالیس
۷۔ سپلائی کا ٹینکر	ایک
۸۔ وائرلیس سیٹ	چھ
۹۔ پیکل	نو

"جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت[لہ] میں جائے

گا۔" {[illegible] صفحہ ٣١١}

اور یہی ان کا آخری کلام ثابت ہوا ـــ جنت کیلئے بیتاب روح لمحہ بھر میں قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

اگلے دن ڈھائی بجے جب پاکستان اور افغانستان کے علمائے کرام، مجاہدین، طلبہ اور عوام کا جمِ غفیر قصبہ عبدالحکیم کے وسیع گراؤنڈ میں صف بستہ تھا۔ اور مولانا مفتی عبدالقادر صاحب نمازِ جنازہ پڑھا رہے تھے تو شہید کی سوا دو سالہ ننھی بیٹی "صفیہ" سوالیہ نشان بنی معصومیت اور حیرانی سے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی؟ اور ــــــ عبداللہ!

"من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله
عليه، فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر
وما بدلوا تبديلا"

"مومنین میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس
بات کا اللہ سے عہد کیا تھا (کہ مقابلہ سے ہٹیں گے اگرچہ شہید
ہو جائیں) اس میں سچے اترے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو

لہ یہ حدیث [illegible] ابو [illegible] میں [illegible] متعدد کتب [illegible] سے [illegible]
حاضرین کو اپنے انتقال کے وقت سنائی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے [illegible]
یہ تحقیق ارشاد فرمائی ہے [illegible] ان [illegible] کا مقصد یہ تھا کہ ان کا آخری کلام کلمہ
طیبہ ہو جیسا کہ ان حدیثوں میں مذکور ہے [illegible] یہ مقصد بھی تھا کہ زندگی کے آخری لمحات
بھی تبلیغ کی روایت و تبلیغ میں صرف ہو جائیں۔ حضرت [illegible] امام ابو زرعہ رازیؒ کی وفات
کے وقت حاضرین نے ان کو کلمہ طیبہ کی تلقین کیلئے آپس میں اسی حدیث کا تذکرہ کیا تو امام
ابو زرعہؒ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث سنانی شروع کر دی اور جب "لا الٰہ الا اللہ" پر
پہنچے تو روح پرواز کر گئی "لا الٰہ الا اللہ" (جنت میں جائے گا) [illegible] کہنا [illegible] سے پہلے ان کا [illegible]
کرتے ہوئے (حقیقت [illegible]) ۔ (فتح الملہم ص [illegible] ج ١)

اپنی نذر پوری کر چکے (کہ آخر دم تک لڑتے رہے اور شہید ہو گئے) اور بعض ان میں اب بھی شہادت کے منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنے عہد کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔"

(سورۃ الاحزاب ـ ۲۳)

مجاہدین کی عبوری حکومت

مجاہدین کی سات جماعتی اتحاد نے متفقہ طور پر جو مجوزہ "عبوری حکومت" صدر ضیاء الحق شہید کے دور میں تشکیل دی تھی، مرحوم کی شہادت کے چند ماہ بعد ۱۹۸۸ء کے آخر میں ـــ جبکہ روسی فوجیں افغانستان سے پٹ پٹا کر تیزی سے واپس جا رہی تھیں اور بظاہر وہاں انتقال اقتدار کا وقت قریب آ رہا تھا ـــ مجاہدین نے اپنی اس حکومت کو مزید باضابطہ بنانے کیلئے اس کا از سر نو انتخاب کیا۔ ساری جماعتوں اور ان کے حامی گروہوں اور کمانڈروں کا ایک نمائندہ اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا جس میں افغانستان کے تمام علاقوں اور قبائل کی تقریباً پانچ سو اہم شخصیات شریک تھیں ـــ بلکہ پاک فوج کے خفیہ ادارے "آئی ایس آئی" کے اس وقت کے سربراہ جنرل حمید گل کا بیان تو یہ ہے اس انتخابی اجلاس میں ظاہر شاہ کے حامی بھی شریک ہوئے تھے ـــ کئی روز جاری رہنے والے اس اجلاس میں متفقہ طور پر افغانستان کی عبوری حکومت منتخب کی گئی۔

میں ان دنوں علماء کرام کے ایک اہم اجتماع کے سلسلے میں راولپنڈی میں تھا، اسلام آباد میں مولانا ارسلان رحمانی صاحب کو اطلاع ہوئی تو وہ انتخابی عمل سے فارغ ہوتے ہی ازراہ کرم ملاقات کیلئے تشریف لے آئے ـــ

انہوں نے انتخاب کا جو طریقہ کار بتلایا بڑا سادہ اور حقیقت پسندانہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ حالت جنگ میں جبکہ افغانستان کی ساری آبادی کا شیرازہ بری طرح بکھرا ہوا تھا، اس سے بہتر طریقہ شاید ہو بھی نہ سکتا تھا ـــ

باہمی اتفاق رائے سے طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ عہدوں کی ایک فہرست اس

طرح مرتب کی گئی کہ پہلے نمبر پر صدر، پھر وزیر اعظم کا عہدہ تھا پھر مرکزی وزارتوں کے نام ان کی اہمیت کی ترتیب سے درج تھے سات عہدوں کیلئے حاضرین میں سے ہر ایک کو دو دو نام پیش کرنے تھے، اس شرط کے ساتھ کہ دونوں میں سے کم از کم ایک نام اپنی تنظیم اور گروپ سے باہر کا ہونا ضروری ہے۔ پھر جس عہدے کو سب سے زیادہ ووٹ ملے اسے اس منصب کیلئے منتخب قرار دیدیا گیا، پروفیسر صبغت اللہ مجددی صدر اور استاذ عبدرب الرسول سیاف" وزیر اعظم قرار پائے، گلبدین حکمت یار کو وزارت خارجہ" اور مولانا ارسلان رحمانی کو غالباً وزارت اوقاف و مذہبی امور ملی تھی۔ (باقی وزراء کے نام اب یاد نہیں رہے)۔

یہ بلاشبہ ممکن حد تک ایک منتخب عبوری حکومت تھی، سعودی عرب اور مزید چار مسلم ممالک نے اسے تسلیم بھی کرلیا، لیکن مغربی دنیا کے نزدیک اس کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ یہ ان "مجاہدین کی حکومت" تھی جو واقع میں پورے ملک کی بھاری اکثریت کے نمائندے تھے، جن کے اشارے پر وہاں کے عوام بڑی سے بڑی قربانیاں ۱۱ سال سے دیتے چلے آرہے تھے، یہ قصور امریکہ اور اس کے حواریوں کے نزدیک ناقابل معافی اس لئے تھا کہ انہیں اپنے ملکوں میں تو عوام کی نمائندہ حکومت ہی پسند ہے، لیکن مسلم ملکوں میں ان کے نزدیک "جمہوری حکومت" کا معیار یہ ہے کہ وہ مغربی اور امریکی مفادات کی نمائندگی کرے۔ یہاں عوام کی نمائندہ حکومت سے انہیں سخت وحشت ہے، بلکہ اس سے انہیں ڈر بھی لگتا ہے۔

اسی دوہرے معیار کی منطق یہ ہے کہ یاسر عرفات کی جلاوطن حکومت ـــــ جس کے قبضے میں فلسطین کا گز بھر بھی رقبہ نہ تھا اور جس کے خلاف وہاں کے عوام آج تک سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں ـــــ اسے تو تسلیم کرلیا گیا، لیکن مجاہدین افغانستان کی منتخب حکومت کو ـــــ جن کا ملک کے ۹۰ فیصد علاقے پر کنٹرول ہے ـــــ تسلیم نہ کیا جاسکا، اور یہ شرط لگائی گئی کہ پہلے افغانستان کے کسی بڑے شہر پر قبضہ کرکے دکھاؤ پھر تمہیں

تسلیم کرنے پر غور ہوگا! ___ ہماری ناقابلِ یقین شامتِ اعمال ملاحظہ ہو کہ پاکستان پر جو عبوری حکومت مسلط کر دی گئی تھی (اور غالباً مسلط کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا) سب سے پہلے وہی مجاہدین کی عبوری حکومت کو تسلیم کرنے سے منکر ہوئی!

پاکستان نے دس سال تک جس افغان پالیسی کو بے مثال قربانیاں دے کر بڑی آرزوؤں سے پروان چڑھایا تھا، پاکستان کی نئی حکومت اس کے بالکل مخالف سمت میں چل کھڑی ہوئی تھی، قربانیوں کے جو دور رس، تعمیری ثمرات علاقائی اور عالمی سطح پر پاکستان اور افغانستان کے حصے میں آنے والے تھے انہیں ہماری شامتِ اعمال نہ خود وصول کرنے کیلئے تیار تھی نہ افغانوں کو دیئے جانے پہ آمادہ ___

حکومت پاکستان کی یہ انتقادی بے حسی دور رس نتائج کیلئے بنیاد بن گئی ___ افغان عبوری حکومت کے وزیر خارجہ حکمت یار دنیا بھر میں پھر آئے کسی چھوٹے ملک کو عبوری حکومت تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کر سکے۔

حکمت یار ایک سال بعد خود بھی اس حکومت سے یہ کہہ کر مستعفی ہو گئے کہ عبوری حکومت نے انتخاب کے وقت یہ ذمہ داری قبول کی تھی کہ وہ ایک سال کے اندر عام انتخابات کروائے گی (کیونکہ اس وقت آثار یہ تھے کہ چند ماہ میں کابل سمیت پورا ملک عبوری حکومت کے کنٹرول میں آجائے گا اور مہاجرین سال بھر میں اپنے وطن واپس آجائیں گے) یہ وعدہ پورا نہیں ہو سکا لہٰذا اب وہ خود بھی اس حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتے ___

یہ پہلی دراڑ تھی جو مجاہدین کے سات جماعتی اتحاد میں بالکل غیر متوقع طور پر نمودار ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اتنی گہری، وسیع اور خوفناک ہوتی چلی گئی کہ اس نے مجاہدین کی حاصل کی ہوئی ان ساری تاریخ ساز کامیابیوں کو ختم کر دیا جنہوں نے بعد میں پوری دنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا لیکن افغانستان اور پورا عالم اسلام ان کے ثمرات کو اب تک ترس رہا ہے۔

روسی فوجوں کی مکمل پسپائی

زندگی کے آخری لمحوں میں زبیر شہید کیلئے یہ بات بہت قابلِ اطمینان تھی کہ مجاہدین اپنے کئی سالہ جہاد کا ایک بہت بڑا مقصد حاصل کر چکے ہیں ـــــ روسی فوج جس کی ستر سالہ تاریخ یہ رہی تھی کہ وہ جس ملک میں داخل ہو گئی' وہاں سے کوئی اسے نکال نہیں سکا' روسی فوج اب افغانستان سے بری طرح رسوا ہو کر' ـــــ زخموں سے نڈھال' کراہتی پڑتی ... مگر تیزی سے بھاگ رہی تھی ـ "جنیوا سمجھوتے" میں اس کے مکمل انخلاء کی تاریخ ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء طے ہوئی تھی' لیکن اس نے "احتیاطاً" پورے ایک ماہ پہلے ہی مکمل طور پر "گھر کو لوٹ جانے" کا اعلان کر دیا تھا' اس کا باقی ماندہ ہر فوجی اپنا اس "بڑی ضرورت" کی تیاری میں لگا ہوا تھا ـ

زبیر کی شہادت کے صرف ۲۰ دن بعد ۱۴ فروری کو اس شکست خوردہ فوج کا جب آخری قافلہ "آمو دریا" (جیحون) پار کر رہا تھا تو کتنے ہی ممالک کے ٹیلیویژنوں نے یہ عبرتناک منظر دکھا کر' زبیر جیسے شہیدوں کی عظمت کا لوہا دنیا سے منوا دیا ـ

غبارِ رہگذر ہیں' کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو' اکسیر گر نکلے

زبیر کے پیچھے فاروقی بھی!

تنظیم نے کمانڈر زبیر کا جانشین ان کے نائب اول "عبدالرحمن فاروقی" صاحب کو مقرر کیا' انہی دنوں وہ کراچی آ کر مجھ سے بھی ملے' ان کے کارنامے تو عرصے سے سن رہا تھا' پیچھے کچھ لکھ بھی چکا ہوں' لیکن ملاقات یہ پہلی تھی' اور یہی آخری بھی ثابت ہوئی ـ مجاہدانہ سے ساتھ ان کی قدر دانِ شان کا گہرا نقش آج بھی دل پہ ہے ـــــ وہ یہاں سے پھر "خوست" کے محاذ پر چلے گئے ـ

"تورغر" (یا تور غرہ) پر چڑھائی کا راستہ "باڑی" کی فتح کے بعد بڑی حد تک کھل گیا تھا، لیکن اس سے پہلے مجاہدین کو اور بھی کئی چھوٹے بڑے معرکے سر کرنے پڑے۔

ایسی ہی ایک بڑی کارروائی کے سلسلے میں ۱۰ مئی ۱۹۸۹ء کو کمانڈر فاروقی چند رفقاء کے ساتھ دشمن کے علاقے "منگل غونڈ" کے نواح میں، دشمن کی لگائی ہوئی بارودی سرنگوں کو ناکارہ کرنے، اور حملے کیلئے راستہ صاف کرنے کی مہم میں مصروف تھے، اور حسب عادت پیش پیش تھے ۔۔۔۔

اچانک زوردار دھماکے سے پورا ماحول لرز اٹھا، شاید کئی سرنگیں ایک ساتھ پھٹی تھیں ۔۔۔۔ ! دھوئیں اور غبار کا بادل چھٹا تو وہ خون میں لت پت پڑے تھے، کئی اعضاء غائب تھے، جسم کے بعض حصوں کا گوشت اڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں آس پاس بکھرا پڑا تھا، تازہ خون سنگلاخ چٹان کو سیراب کر رہا تھا ۔۔۔۔ لبوں سے آواز سنائی دی "پانی"! ۔۔۔ پانی"!

مگر یہاں تو خون کے فوارے تھے، پانی کی ایک بوند بھی ناپید تھی ۔۔۔ نصراللہ؎ اور باقی ساتھیوں کی بے بسی دیکھ کر نقاہت سے بولے "کوئی بات نہیں، میرے اللہ کو یہی منظور ہے تو میں اس پر راضی ہوں"

سانس اکھڑنے لگی تو ایک ساتھی غم سے رو پڑا، جان کنی کے عالم میں اسے تسلی دی "مجاہد رویا نہیں کرتے، ہمت سے کام لو"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح آنکھیں بند کر لیں، اور شہادت کی میٹھی نیند سو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ان کی وصیت کے مطابق وہیں "لیزا" کے مقام پر نماز جنازہ پڑھ کر میدان کے کنارے سپرد خاک کر دیئے گئے۔

؎ یہ وہی "نصراللہ" ہیں جن کو "ٹینک شکن" کا لقب ملا تھا، جو گن شپ ہیلی کاپٹروں کو تن تنہا گراتے رہے اور بہت مشہور ہوئے، پیچھے ان کا واقعہ تفصیل سے آچکا ہے۔

خوست کی مکمل فتح کے بعد جب میں اپنے رفقاء کے ساتھ "گردیز" کے محاذ پر جاتے ہوئے اگست ۱۹۹۱ء میں وہاں گیا تو اس ویرانے میں اس غریب الوطن کی قبر پر بھی حاضری ہوئی، چند جھاڑیوں کی اوٹ میں ان کے ساتھ ایک عرب مجاہد کی بھی قبر تھی۔ دونوں زبان حال سے کہہ رہے تھے:

خزینہ ہوں، چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرا نے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں

جنرل تنائی کی بغاوت[1]

۶ مارچ ۱۹۹۰ء کو ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ کے صدر نجیب اللہ کے خلاف اسی کی کمیونسٹ فوج کے ایک جنرل "شاہنواز تنائی" نے ـــــ جو کابل انتظامیہ کا وزیر دفاع بھی تھا ـــــ ایک طاقتور اور شدید تیز بغاوت کی، جس میں فضائیہ اور ۴۰ ڈویژن فوج نے حصہ لیا، طیارے، ٹینک اور اسکڈ میزائل بھی استعمال کئے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ریڈیو اسٹیشن تباہ کر دیا گیا، اور کابل ایئرپورٹ سمیت ملک کے کئی اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔

مجاہدین کی عبوری حکومت کے وزیر اعظم استاذ عبدرب الرسول سیاف نے پشاور میں ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ افغانستان کی دو کمیونسٹ پارٹیوں "خلق" اور "پرچم" کے درمیان اس خونہ جنگی کو ہم جہاد کے فائدے میں سمجھتے ہیں، انہوں نے مجاہدین کو ہدایت کی کہ وہ اس صورت حال سے جہاد کے حق میں فائدہ اٹھائیں، اور آگے بڑھ کر قریبی فوجی مراکز پر قبضہ کر لیں۔

ساتھ ہی انہوں نے واضح کیا کہ یہ دونوں پارٹیاں کمیونسٹ ہیں اور ہماری دشمن ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ نہ ہمارا رابطہ ہے، نہ ہم کسی کی حمایت کرتے ہیں۔ ہم نے مجاہدین کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے جو لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، تو جس طرح (ایسے لوگوں کیلئے) پہلے سے ہم نے عام معافی کا اعلان کیا ہوا ہے، اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کریں۔"

لیکن انجینئر گلبدین حکمت یار نے پشاور میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ہمیں افغانستان میں ہونے والی اس فوجی بغاوت کا پہلے سے علم تھا، جس سے میں نے افغان مجاہد تنظیموں کے سربراہوں کو آگاہ کر دیا تھا، اس کے باوجود ان تنظیموں نے اس میں دلچسپی لینے کے بجائے منفی پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے۔

---

[1] اس واقعہ کی جو تفصیلات آگے آرہی ہیں سب روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۷، ۸، ۹ مارچ ۱۹۹۰ء کے شماروں سے لی گئی ہیں۔

انہوں نے مجاہد لیڈروں سے اپیل کی کہ اس وقت ایسے بیانات سے اجتناب کرنا چاہئے جن سے نجیب انتظامیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے فوجی افسروں کی حوصلہ شکنی ہو۔ انہوں نے کہا کہ باغیوں سے ہمارا مختلف ذرائع سے رابطہ قائم ہے اور ہم ان کی "مکمل حمایت" کرتے ہیں' کابل کے ہوائی اڈے نے ایک کمانڈر نے ابھی ابھی ہم سے رابطہ کیا ہے جن کے ہمراہ نجیب سے بغاوت کرنے والے فوجی افسر بھی موجود تھے۔

انہوں نے بتایا کہ بگرام ایئرپورٹ اور مجاہدین کے قریبی اڈوں سے "پروان" میں موجود نجیب کی حامی فوجوں پر حملے کئے جا رہے ہیں۔

نئی دہلی میں حزب اسلامی (حکمت یار گروپ) کے ایک رہنما محمد ابراہیم نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ افغانستان کے وزیر دفاع شاہنواز تنائی کابل کے قریب ہوائی اڈے پر قابض ہیں اور ان کے علاوہ فوج کے مزید کئی جرنل مجاہدین کے حامی ہیں اور انہوں نے پشاور اور تہران میں مقیم رہنماؤں سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔

ابو ظہبی میں حزب اسلامی (حکمت یار گروپ) کے ایک رہنما عبدالکریم ثابت نے روزنامہ خلیج ٹائمز کو ٹیلیفون پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ حزب اسلامی ماضی میں بھی نجیب حکومت کا تختہ الٹنے کی متعدد کوششیں کر چکی ہے جو ناکام ہوئیں' لیکن اس مرتبہ انہیں یقین ہے کہ یہ کوشش کامیاب ہوگی۔

انہوں نے کہا کہ صدر نجیب کا تختہ الٹنے کے لئے ان کا گروپ "کسی سے بھی" تعاون کیلئے تیار ہے' خواہ اس کا سیاسی جھکاؤ کسی بھی طرف ہو البتہ نجیب کی مخالفت ان کیلئے ضروری ہے۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ افغانستان کی مسلح افواج میں حزب اسلامی کے بہت سے ہمدرد موجود ہیں جنہوں نے وزیر دفاع جرنل شاہنواز کی قیادت میں بغاوت کی کوشش میں براہ راست حصہ لیا ہے یا اس کی حمایت کی ہے۔

انہوں نے کہا کہ افغانستان کی صورت حال ابھی واضح نہیں' لیکن وہ وہاں کی موجودہ حکومت کی مخالفت کرنے والے کسی بھی فرد یا تنظیم سے تعاون کریں گے' انہوں

نے اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ تنائی مجاہدین کی حمایت کریں گے اور بغاوت مجاہدین کے مفاد میں ہوگی۔

لیکن یہ بغاوت اگلے ہی دن ناکام ہوگئی، اور جنرل شاہنواز تنائی کو پاکستان میں سیاسی پناہ لینی پڑی۔ ۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو ان کے ساتھ پاکستان پہنچنے والے اعلیٰ فوجی افسروں میں جنرل عبدالقادر بھی تھے جن کے بارے میں روزنامہ جنگ کراچی (مورخہ ۸ مارچ) نے پشاور سے ملنے والی اطلاعات کے حوالے سے لکھا تھا کہ یہ عبدالقادر ہاگروالی ہیں جو پارلیمنٹ کے رکن اور "انقلاب ثور" کے ہیرو ہیں۔

"تورغرہ" کی فتح

"تورغرہ" جو خوست کے علاقے کا سب سے اونچا پہاڑ ہے، اس کی چوٹی پر دشمن کی پوسٹ کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس پر اب بھی چڑھائی کرنا موت کو دعوت دینا تھا، سرفروش مجاہدین یہ دعوت بار بار دیتے اور جانیں فدا کرتے رہے، بالآخر بہت سی جانوں اور قیمتی اعضاء کا نذرانہ دے کر انہوں نے ۱۹۹۰ء کے اوائل میں اسے بھی فتح کرلیا، اور یہاں سے خوست کا ہوائی میدان اپنی زد میں لے کر خوست کی رسد کمک کا واحد فضائی راستہ بھی تقریباً بند کر دیا۔ وہ دشمن کے اترتے چڑھتے جہازوں کو اپنے میزائلوں سے آئے دن ڈھیر کرنے لگے۔ پھر بھی اکا دکا جہاز اپنی جان پر کھیل کر رات کی تاریکی میں اترتے رہے۔ کئی جہازوں کو رن وے پر کھڑے کھڑے تباہ کیا گیا۔

یہ فیصلہ کن برتری حاصل کرنے کے باوجود مجاہدین اس سال خوست کو فتح نہ کر سکے بلکہ اس دوران دوسرا بھی کوئی بڑا شہر فتح نہ ہو سکا ــــ اسکے کچھ اسباب یہ تھے۔

۱۔ شہری آبادی کا مسئلہ

عام طور سے خیال کیا جا رہا تھا کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ چند ہی روز میں حوصلہ کھو بیٹھے گی، اور اس کی افغان فوج اور ملیشیا جو اب تک کئی بڑے شہروں پر قابض اور تقریباً محاصرے کی حالت میں ہے، مجاہدین کی معمولی یلغار کے

سامنے ہتھیار ڈال دے گی۔

خود مجاہد رہنما بھی یہی چاہتے تھے کہ اب جہاں تک ممکن ہو بڑی جنگ سے گریز کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی ضربوں سے دباؤ برقرار رکھا جائے اور شہروں کا محاصرہ مستحکم کرنے پر زور دیا جائے تاکہ دشمن مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دے اور یوں نہ صرف شہر اور ان کی بے گناہ آبادی مزید تباہی اور کشت و خون سے بچ جائے۔ اس مصلحت کی خاطر مجاہد رہنما مکمل فتح کا مزید کئی سال بھی انتظار کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے۔

افغان کمیونسٹ انتظامیہ جو اس قسم کے انسانی جذبات سے عاری تھی، ہر محاذ پر اپنی شکست کے یقین کے باوجود بڑی مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھی ــــــ اس کے پاس طرح طرح کے جدید اور مہلک ترین اسلحہ کی مدد تھی، روسی فوج اپنے انخلاء سے پہلے پہلے یہاں جگہ جگہ "اسکڈ میزائلوں" سمیت اسلحہ کے اتنے انبار لگا چکی تھی کہ وہ کئی سال کیلئے کافی تھے۔

لیکن اسلحہ کی فراوانی کے باوجود لڑنے والی فوج اگر حوصلہ کھو بیٹھے تو سارے ہتھیار دھرے رہ جاتے ہیں ــــــ اس حقیقت کا اعتراف کیا جانا چاہئے کہ روسی فوج کے برعکس، کابل کی انتظامیہ کی افغان فوج اور ملیشیا، ہر قسم کے دفاع میں انتہائی مایوس کن حالات کا بے جگری سے مقابلہ کر رہی تھی۔

۲۔ جلال آباد پر ناکام حملہ

ان حالات میں ضرورت تھی کہ مجاہدین مشترکہ منصوبہ بندی کر کے فیصلہ کن حملے کیلئے پہلے کسی ایسے شہر کو منتخب کرتے جس کی فتح نسبتاً آسان اور دوسرے شہروں کو مزید آسان کرنے والی ہوتی، لیکن اس کے برعکس، نہ جانے کوئی سازش تھی، یا کچھ جذباتی کمانڈروں کی کوتاہ بینی، کہ مجاہدین کی تجربہ کار فعال تنظیموں اور کمانڈروں کو اعتماد میں لئے بغیر عجلت بازی میں جلال آباد پر حملہ کر دیا گیا ــــــ

اس حملے کیلئے جلال آباد کا انتخاب اس کے محل وقوع اور بعض دوسری وجوہ سے بڑا غلط ثابت ہوا اور مجاہدین کو شدید جانی نقصانات عرصہ دراز تک اٹھانے پڑے،

سارے مجاہدین کی توجہ کا مرکز تقریباً ایک سال تک جلال آباد رہا اور دوسرے بہت اہم محاذ سست روی کا شکار ہو گئے۔

جلال آباد کے حملے کی ناکامی کو دنیا بھر کے مسلم دشمن ذرائع ابلاغ نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور پروپیگنڈے کی نئی تکنیک کے ذریعہ دور دور تک یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی رہی کہ مجاہدین کی تیز رفتار پیش قدمی امریکی امداد کی مرہون منت تھی، یہ امداد رک جانے کے بعد ان کا پہلا ہی بڑا حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ دوسری طرف اس بے موقع جنگ کے نتیجے میں بڑے شہروں پر کابل انتظامیہ کو سنبھلنے کا خوب موقع مل گیا کہ اب امریکہ، بھارت اور ان کے حواری بھی اس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔

۴۔ اختلافات اور بیرونی سازشیں

جہاد نے افغانستان کے دیرینہ قبائلی تعصبات، سیاسی و علاقائی اختلافات اور فرقہ وارانہ منافرتوں کا خاتمہ کر کے سب مسلمانوں کو ایک ناقابل تسخیر متحدہ قوت میں بدل دیا تھا لیکن روسی فوجوں کی پسپائی کے بعد جوں جوں مکمل فتح قریب آتی گئی، یہ تعصبات پھر سر اٹھانے لگے۔ حب مال اور حب جاہ کے فتنے جاگ اٹھے تھے۔ بعض تنظیمیں سابق بادشاہ افغانستان کے معزول "ظاہر شاہ" کو جس کے کرتوتوں نے افغانستان کو یہ دن دکھائے تھے، دوبارہ بادشاہ بنانے کی فکر میں نظر آتے تھے، امریکی اور روسی ایجنسیاں ان کو شہ دے رہی تھیں۔

بعض سیاسی رہنماؤں پر (ان کے کارکن ساتھیوں) یہ شک کیا جا رہا تھا، اور اس کے اسباب موجود تھے، کہ وہ ملک و شہروں کے گوشے گوشے پر اپنی مسند اقتدار بچھانے کے لئے اب اس پر بھی آمادہ ہو گئے ہیں کہ کابل کے بعض کمیونسٹ جرنیلوں سے سازباز کر کے ساتھیوں اور مقاصد جہاد سے منہ موڑ کر تخت کابل پر جا بیٹھیں اگرچہ کمیونسٹوں کو شریک اقتدار کرنا پڑے۔ اس ناپاک مقصد کیلئے کسی کی نظریں کابل کی طرف اٹھی ہوئی رہتی تھیں، کسی کی ماسکو کی طرف۔

ان نازک حالات میں مجاہد تنظیموں کا اتحاد بکھرتا جا رہا تھا، جسے سنبھالنے کے

سامنے اب کوئی "ضیاء الحق" یا "اختر عبدالرحمٰن" بھی موجود نہ تھا۔

لیکن بدقسمتی کی یہ تبدیلیاں صرف بعض تنظیموں کی کچھ شخصیات تک محدود تھیں اور باقی اوپر کی سطح پر پیک رہی تھیں۔ ان کے رضاکار مجاہدین بلکہ بیشتر لیڈر بھی جو بظاہر ان سے بے خبر تھے "محاذوں پر ڈٹے ہوئے تھے" تاہم اپنے رہنماؤں کی سست روی سے پریشان تھے۔ باقی تنظیمیں حسب سابق اپنے جہادی مشن میں سرگرم تھیں اور ان کے رہنما اپنے بعض حلیفوں کی خوفناک روش سے بے چین تھے۔ اصلاح احوال کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

ان حالات سے بین الاقوامی سازشوں کو افغانستان کے اندر بھی راستہ بلکہ راستے مل گئے۔ افغانستان کی آزادی کے ساتھ ہی یہاں مجاہدین کی جو اسلامی حکومت قائم ہوتی نظر آ رہی تھی، اسے برآیت پر روکنے کیلئے امریکہ، روس، بھارت، اسرائیل اور دنیا بھر کی اسلام دشمن طاقتیں ایک ہو کر اندر اور باہر ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھیں۔

خود پاکستان کو ایسے حالات سے دوچار کر دیا گیا تھا کہ وہ پہلے کی طرح مجاہدین کی پشت پر کھڑا نہ رہ سکے۔ یہاں جو نئی سیکولر حکومت اس دوران ۲۰ ماہ تک مسلط رکھی گئی وہ مجاہدین سے ایسی "الرجک" اور ان کی دشمن کابل کمیونسٹ انتظامیہ سے اتنی مانوس تھی کہ اپنے وفاقی وزیر جناب کوثر نیازی کی سربراہی میں ایک وفد بھی اس سے راہ و رسم بڑھانے کیلئے کابل بھیج دیا۔

پاکستانی فوج کی خفیہ تنظیم "آئی ایس آئی" کے اس وقت کے سربراہ جنرل حمید گل کو بھی غالباً اسی جرم کی پاداش میں ہٹایا گیا تھا کہ وہ پاکستان کی اس دس سالہ افغان پالیسی کے شدومد سے حامی تھے جس کی رُوسے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی صبح پھوٹتی دکھائی دے رہی تھی۔

"کوسٹ" کو فتح کرنے کیلئے تمام مجاہد تنظیموں کو مل کر مشترک منصوبے کے ساتھ ہر طرف سے حملہ کرنے کی ضرورت تھی مگر ان میں جو دوریاں پیدا ہو چکی تھیں

انہیں پانے اور مشترک منصوبہ بندی تک لانے کیلئے مولانا جلال الدین حقانی، مولانا ارسلان رحمانی اور دیگر بڑے بڑے کمانڈروں کو اپنا تقریباً ایک سال خرچ کرنا پڑا۔
تقریباً یہی صورت حال دوسرے بڑے شہروں قندھار وغیرہ میں بھی پیش آئی۔

۴۔ خلیج کا شاطرانہ بحران

جہاد افغانستان کے نتیجے میں دنیا کا نقشہ جس تیزی سے اور جس بڑے پیمانے پر بدلنے والا تھا اس مقدس جہاد کے ___ روحانی کے علاوہ بھی ___ سیاسی، جغرافیائی، اقتصادی اور نفسیاتی ثمرات امت مسلمہ کو ملنے والے تھے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جو لہر پورے عالم اسلام میں بیدار ہو رہی تھی، ان سے متعلق نتائج کا صحیح ادراک بہت سے مسلم رہنماؤں کو ہو یا نہ ہو، مگر دشمن طاقتیں انہیں بہت باریک بینی اور شدت سے محسوس کر رہی تھیں، اور مستقبل کی پیش بندی کیلئے دنیا میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔

روس، افغانستان کے پہاڑوں سے اپنی دہ سالہ قسمت آزمائی کے نتیجے میں اب اپنی تباہ شدہ معیشت اور اندرونی سیاسی و نظریاتی ٹوٹ پھوٹ سے دوچار تھا، وہ بین الاقوامی کردار سے دستبردار ہو رہا تھا اور مشرق وسطیٰ میں بھی اپنے مفادات سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو چکا تھا۔ اس خلاء کو موقع تھا کہ مسلم ممالک کی تنظیم (او آئی سی) آگے بڑھ کر پر کرتی۔ جہاد افغانستان کی کامیابی سے مسلمانوں کو جو حوصلہ ملا تھا، یہ ایک زبردست قوت محرکہ تھی جس سے زندگی کے ہر میدان میں دوررس نتائج حاصل کئے جا سکتے تھے، موقع تھا کہ یہ تنظیم اس بیش بہا ترکی سے کام لیتے ہوئے عالمی سطح پر امت کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی، اور جہاد افغانستان کے عالمگیر ثمرات کو حاصل کرنے کیلئے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ٹھوس اقدامات کرتی ___ لیکن اس پر ایسا جمود طاری تھا کہ افغانستان کے ان لاکھوں شہیدوں کا ابلتا ہوا خون بھی نہ پگھلا سکا۔

اس کے برعکس امریکہ نے جو اب دنیا کی واحد سپر طاقت بن گیا تھا اور مستقبل کی منصوبہ بندی بہت پہلے سے کر رہا تھا، نئی عالمی صورت حال کو اپنے قابو میں کرنے، جہاد افغانستان کے ثمرات کو خود سمیٹنے اور مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی عالمی قوت کو کچلنے سے

روکنے بلکہ کچلنے کیلئے 'جہاں اور جس سے اقدامات نہایت تیز رفتاری سے کئے گئے ایک انتہائی شاطرانہ تباہ کن ڈرامہ "خلیج کے بحران" کی صورت میں بپا کر دیا۔ کہ ادھر عراق کے صدام حسین نے اسی کی شہ پا کر کویت پر اچانک غاصبانہ 'ظالمانہ اور منافقانہ قبضہ کیا اور امیر کویت کو سعودی عرب میں پناہ لینی پڑی' ـــــ ادھر امریکہ ہی نے اپنے سٹیلائٹ کی بھیجی ہوئی تصویروں کی مدد سے سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کو یہ باور کرا دیا کہ صدام کی فوجیں سعودی عرب میں گھسنے والی ہیں اور دیگر ریاستیں بھی اس کی زد میں ہیں اب تیل کے کنوؤں اور اپنی آزادی بچانے کی صورت سوائے اس کے نہیں کہ "نیو ورلڈ آرڈر" (نئے عالمی نظام) کی پہلی قسط کے طور پر ـــــ امریکی پناہ اور امریکی کمان قبول کر کے عراق سے فیصلہ کن جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ !

میں نہیں سمجھتا کہ کویت 'سعودی عرب اور خلیج کے دیگر حکمران اتنے سادہ لوح ہیں کہ امریکی فریب کو نہ سمجھ سکے ہوں 'لیکن صدام کو آلہ کار بنا کر امریکہ نے انہیں ایسے حال سے دوچار کر دیا تھا کہ اس کے پیش کردہ منصوبے کو "بادل ناخواستہ" بھی قبول کئے بغیر چارہ کار نہ تھا کیونکہ بصورت دیگر وہ صدام سے ہر وہ اقدام کرا سکتا تھا جس کی "خبر نما دھمکی" انہیں دی جا رہی تھی۔

ان مجبور کن حالات میں پاکستان سمیت کئی دیگر مسلم ممالک 'بجا طور پر 'سعودی عرب کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہوئے 'پاکستان کی تو فوج بھی اس کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہو گئی۔ کئی مسلم ممالک صدام کی حمایت پر اتر آئے 'کچھ مسلم ممالک الگ تھلگ رہے۔

اس طرح مسلم ممالک تین دھڑوں میں تقسیم ہو گئے اور امریکہ اپنے لاؤ لشکر اور مغربی حلیفوں کی بری 'بحری اور فضائی افواج لیکر "کویت کو آزاد" کرانے کیلئے آپہنچا ـــــ امریکہ نے عراق کے خلاف جنگ میں نہ صرف اپنے جدید ترین اسلحہ کی آزمائش اور عالمی سطح پر خوب نمائش کی بلکہ اس ساری جنگ کے مصارف بھی سعودی عرب اور کویت کو "مع کچھ زائد کے" برداشت کرنے پڑے۔

اس المناک جنگ کے نتیجے میں کویت اجڑ کر بحمداللہ آزاد تو ہو گیا لیکن امریکہ

نے اس پورے کھیل سے جو مقاصد حاصل کئے ان کی فہرست میں سے چند یہ ہیں :

۱ پاکستان سمیت پوری دنیا کی نظریں افغانستان سے ہٹ کر خلیج پر مرکوز ہو گئیں اور مجاہدین کو مسلم ممالک سے آنے والی امداد بھی تعطل کا شکار ہو گئی۔

۲ــــ سعودی عرب اور کویت جو مجاہدین افغانستان کو مالی امداد فراہم کرنے میں پیش پیش تھے ، اپنے حالات میں گرفتار ہو کر عرصے تک اس امداد کے قابل نہ رہے۔

۳ــــ عرب اور مسلم ممالک میں جنہیں جہاد افغانستان اور دیگر عوامل نے خاصہ قریب کر دیا تھا پھر دوریاں بلکہ کئی ملکوں میں عداوت پیدا ہو گئی۔

۴ کویت کو اجاڑ دیا گیا اور وہاں کی آبادی پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

۵ــــ عراق کی جدید ترین ٹیکنالوجی ، اہم تنصیبات اور عسکری قوت جو کبھی اسرائیل کے خلاف استعمال ہو سکتی تھی ، نشانے لگا لگا کر تباہ کر دی گئی۔ عراق کی کتنی ہی بستیاں اور محلے ملبوں کے ڈھیر بنا دیئے گئے ، بے گناہ مسلم آبادی کے بے شمار بوڑھے ، جوان ، عورتیں اور بچے لقمہ اجل بن گئے ــــ اگر خاص بات یہ کہ صدام کا بال بیکا نہیں ہوا ــــ !

۶ علاقے کے سارے ممالک اور ریاستوں کو ممنون احسان کر کے امریکہ وہاں کے تیل اور سارے وسائل کا پہرے دار بن گیا۔

۷ کویت کی تعمیر نو کے لئے ٹھیکے بڑے پیمانے پر امریکیوں کو ملے ، یہ بھی یہاں کی دولت کو امریکہ منتقل کرنے کے ایک بڑے پلان کا حصہ ہے۔

بہرحال ! خلیج کا یہ مصنوعی بحران بھی افغانستان میں مجاہدین کی تیز رفتار پیش قدمی میں کافی دیر تک رکاوٹ بنا رہا ــــ تاہم مجاہدین جو "فتح یا شہادت" کا عزم راسخ لے کر میدان جہاد میں اترے ہوئے تھے ، ان کے نزدیک ان ارتعاش واقعات کی حیثیت بھی اس سے زیادہ نہیں تھی کہ :

ستارے ڈوبنا ، شبنم کا رونا ، شمع کا جلنا
ہزاروں مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

خوست کی فیصلہ کن جنگ

"مسئلہ خلیج" کے موضوع پر شعبان ۱۴۱۱ھ (۵ ۲ فروری ۱۹۹۱ء کو) لاہور کے "الحمراء ہال" میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کی ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی، دیگر دانشور اور صحافی حضرات کے علاوہ سعودی عرب اور کویت کی اہم سفارتی شخصیات بھی شریک تھیں، آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار عبدالقیوم صاحب نے صدارت فرمائی

خلیج کی جنگ جاری تھی ـــــ اس کانفرنس میں بھی ناچیز نے "بحران خلیج" کے منظر و پس منظر اور آئندہ کے دور رس خطرات کے حوالے سے وہی تجزیہ قدرے تفصیل سے پیش کیا تھا جو پیچھے لکھ چکا ہوں، اب تو سارے حالات سامنے ہی آچکے ہیں۔

عین اسی وقت افغانستان میں "خوست" پر مجاہدین کے فیصلہ کن حملہ کی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں۔ پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کو اس بڑے حملے سے پہلے ایک اہم تنظیمی مرحلہ درپیش تھا، وہ میرے قیام لاہور کے دوران فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔ تنظیم کے دیرینہ سرپرست "مولانا ارسلان خان رحمانی" صاحب کو بھی پشاور سے بلالیا، شیخ طریقت حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہم (لاہور) نے بھی شرکت فرمائی بحمداللہ، دو دن کے لگاتار مشورے سے یہ مرحلہ طے ہو گیا۔

ان طویل مجلسوں میں مولانا ارسلان رحمانی صاحب کی معاملہ فہمی، اخلاص وتواضع، خود اعتمادی اور تنظیمی تجربے نے خاص طور سے متاثر کیا ـــــ یہ خوشخبری بھی انہی سے ملی کہ بحمداللہ خوست پر حملے کیلئے مجاہدین کی سب تنظیمیں مشترک منصوبہ تقریباً تیار کر چکی ہیں بقیہ امور بھی باہمی مشورے سے طے ہو رہے ہیں، اسی لئے وہ مجلس ختم ہوتے ہی ناچیز کی قیام گاہ سے سیدھے پشاور روانہ ہو گئے ـــــ

"حرکۃ" کے بہت سے مجاہدین پہلے سے محاذ پر تھے، باقیوں کی روانگی بھی اسی دن شروع ہو گئی اور میں ـــــ ! ان کی ہمرکابی کی حسرت لئے، رمضان المبارک سے ۴-۳ روز پہلے کراچی واپس آگیا!

حضرت سید نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم، جو شیخ طریقت اور ملک کے عظیم

ترین خطیب تو ہیں ہی، شعر و سخن کا ذوق بھی نفیس رکھتے ہیں اور کہتے بھی خوب ہیں۔ آپ نے لاہور کی اس مجلس مشورہ سے چند ماہ قبل یعنی ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ کو خوست کے اہم جنگی مرکز "تورہ ذئی پوسٹ" پر ایک حملے میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور ایک ولولہ انگیز نظم کہی تھی۔ یاد پڑتا ہے اس نظم کے کئی شعر مجھے بھی ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ۳ شعر یہ ہیں:

شہیدوں کے لہو سے خوست کو سیراب ہوتا ہے
یہ خطہ آج کل میں کشتِ زعفراں ہونے والا ہے
شہادت چاہنے والو! مبارک وقت آپہنچا
تمہارا رب تمہاری نصرت میں شامل ہونے والا ہے
نفیس! ایمان کہتا ہے، مرا وجدان کہتا ہے
ظہورِ نصرتِ ربِّ تعالیٰ ہونے والا ہے

"ایمان" اور "وجدان" نے جو کہا تھا آنے والے حالات ان کی تعبیر بن گئے۔

شوریٰ قوماندانان

جولائی ۱۹۹۰ء میں جبکہ عالمی طاقتیں مسئلہ افغانستان کو "جمہوری کے بھونڈے مذاکرات" سے حل کرنے اور افغانستان میں بقول ان کے "وسیع البنیاد" (مجاہدین، کمیونسٹوں اور ظاہر شاہ کے حامیوں کی) حکومت قائم کرنے کیلئے مجاہد تنظیموں کے رہنماؤں پر طرح طرح کے سیاسی دباؤ ڈال رہی تھیں، افغانستان کے بڑے بڑے کمانڈروں نے تنظیمی اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک مجلس "سراسری شوریٰ قوماندانان افغانستان" کے نام سے تشکیل دے کر فیصلہ کیا تھا کہ جہادی رہنماؤں کا فیصلہ جو بھی ہو تمام کمانڈر اپنے اپنے علاقے میں باہمی مشورے سے جہادی پیش رفت کو جاری رکھیں گے۔ اس مجلس شوریٰ میں ساتوں مجاہد تنظیموں کے کمانڈر شامل تھے۔

اس شوریٰ کے ایک جنگی منصوبے کے تحت طے ہوا تھا کہ تمام تنظیموں کے کمانڈروں کے ساتھ مل کر شمالی افغانستان کے ایک اہم شہر "خوجہ غار" پر کمانڈر احمد شاہ مسعود اور جنوبی افغانستان کے شہر خوست پر مولانا جلال الدین حقانی حملہ کریں گے ـــ "خوجہ غار" پر حملہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر نہ ہو سکا۔ بعد میں کبھی ہوا ہو تو میرے علم میں نہیں۔ خوست پر حملہ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ (۱۸ مارچ ۱۹۹۱ء) کو شروع ہو گیا۔

جلال آباد کے برخلاف اس جنگ کا منصوبہ ساتوں تنظیموں کے کمانڈروں نے مل کر کئی ماہ کی لگاتار محنت سے تیار کیا تھا، چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی طے کی گئیں، اور سات کمیٹیاں بنا کر ذمہ داریاں انہیں سونپ دی گئیں، ہر کمیٹی (شوریٰ) ساتوں تنظیموں کے تجربہ کار کمانڈروں پر مشتمل تھی جنہیں مختلف سمتوں سے اپنے اپنے ہدف کی طرف مقررہ وقت پر پیش قدمی اور دوسری کارروائیاں کرنی تھیں۔ ان کمیٹیوں کا رابطہ مرکزی کمان سے تھا، یہ مرکزی کمان بھی ساتوں تنظیموں کے مندرجہ ذیل سرکردہ کمانڈروں[۱] پر مشتمل تھی:

۱ــ مولانا جلال الدین حقانی — حزب اسلامی (یونس خالص گروپ)

۲ــ انجینئر فیض محمد صاحب — حزب اسلامی (حکمت یار گروپ)

۳ــ مولانا پیر محمد — اتحاد اسلامی (پروفیسر سیاف کی تنظیم)

۴ــ تورن امان اللہ خان — جمعیت اسلامی (پروفیسر برہان الدین ربانی کی تنظیم)

۵ــ کمانڈر گل مجید — حرکت انقلاب اسلامی (مولانا نصر اللہ منصور گروپ)

۶ــ حاجی بالا خان — حرکت انقلاب اسلامی (مولانا محمد نبی محمدی گروپ)

---

[۱] دیکھئے انٹرویو مولانا پیر محمد، ماہنامہ "الارشاد" اسلام آباد، فتح خوست نمبر ص [illegible] ان ساتوں کی کچھ تفصیل سے مجھے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے چند کارکن جانباز "محمد الیاس کشمیری" نے میری فرمائش پر بذریعہ خط مطلع کیا، یہ اس جنگ میں ایک بڑے مورچے کے امیر تھے، پیچھے بھی ان کا کئی معرکوں میں ذکر آیا ہے۔ کچھ تفصیل مولانا ارسلان رحمانی صاحب سے بعد کی ایک ملاقات میں معلوم ہوئی۔

۷۔ نور احمد شاہ صاحب　　نجات ملی (پروفیسر صبغت اللہ مجددی کی تنظیم)

۸۔ جگڑن فورجک　　(پاسدار شیر خان کوچی) محاذ ملی (پیر سید احمد گیلانی کی تنظیم)

ان تنظیموں کے نمائندوں اور متعدد کمانڈروں پر مشتمل ایک کمیٹی مولوی ارسلان رحمانی کی قیادت میں تھی، جو جنگ سے پہلے اور دوران جنگ خوست کے سارے محاذوں کا مسلسل جائزہ لیتی رہی تاکہ مجاہدین کی ان کے پاس جو ضرورت ہو پہنچائی جائے، غیر متوقع صورت حال کا بر موقع حل کیا جائے اور خدا نخواستہ کہیں باہمی رنجش پیدا ہو تو اس کا فوراً ازالہ کیا جائے۔

اس جنگ میں دشمن سے چھینے ہوئے کئی روسی ٹینک بھی مجاہدین نے مہارت سے استعمال کئے ۔۔۔ چھاپہ مار جنگ کا اصول یہ ہے کہ "اچانک مارو اور غائب ہو جاؤ" جبکہ خوست کی یہ آخری جنگ آمنے سامنے کی ایک منظم جنگ تھی جس کا مقصد "مار کر غائب ہونا" نہیں بلکہ شہر سمیت پورے ضلع خوست کو فتح کر کے اس پر اپنا کنٹرول قائم کرنا تھا۔ اس جنگ کا تجربہ مجاہدین کو پہلی بار خوست کے میدان میں ہوا۔

ہر تنظیم کے کمانڈروں نے یکجان ہو کر، اور جماعتی سیاست سے بالا تر ہو کر جس کامل اتحاد اور باہمی مشورے کی ایمان افروز فضا میں یہ جنگ لڑی اس نے دشمن کے بے پناہ اسلحہ اور ساری بین الاقوامی سازشوں کا تار پود بکھیر کر رکھدیا۔

رمضان سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے سے، مجاہدین اپنے ریڈیو سے مسلسل اعلانات اور پیغامات نشر کر رہے تھے کہ ان کی ہونے والی متوقع یلغار خوست کی مکمل آزادی تک جاری رہے گی، جو لوگ کمیونسٹ انتظامیہ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، اور جنگ میں حصہ نہیں لیں گے انہیں اسلامی روایات کے مطابق مکمل امان دی جائے گی۔ ریڈیو اور خطوط کے ذریعہ شہری آبادی کو (جو اب بڑی حد تک کمیونسٹوں، ملیشیا اور فوج ہی کے گھرانوں پر مشتمل رہ گئی تھی) بتایا جا رہا تھا کہ جو لوگ شہر سے نکل کر کہیں اور پناہ لینا چاہیں، انہیں محاصرہ سے باہر جانے کا راستہ دیا جائے گا۔

ان اعلانات کے نتیجے میں دیکھتے ہی دیکھتے خوست کی اکثر آبادی اطراف میں بستیوں میں منتقل ہو گئی۔ مجاہدین کے کمانڈروں نے بھی ان کی مدد کی۔ اس صورت حال نے دشمن فوج اور

ملیشیا کے مورچوں پر موثر ضرب لگائی

حملے کیلئے ماہ رمضان کا انتخاب کئی وجوہات سے مبارک اور مناسب تھا۔

۱ غزوہ بدر اور فتح مکہ کے تاریخ ساز واقعات بھی رمضان المبارک میں ہوئے تھے۔

۲۔ موسم بہار شروع ہوگیا تھا، سردی کی شدت میں روز بروز کمی آرہی تھی۔

۳ دینی مدارس میں سہ ماہی کی سالانہ تعطیلات کا زمانہ تھا اس میں طلبہ اور اساتذہ بھی بھرپور شریک ہو سکتے تھے، اور ایسا ہی ہوا۔

۴۔ خلیج میں بھڑکائی گئی ”آتش نمرود“ ابھی بجھی نہیں تھی، ہمیں اس کے دوران ان مجاہدین کی اس منظم یلغار سے دنیائے اسلام کو پیغام ملا کہ

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس وقت محاذ کی صورت حال

خوست کے ارد گرد کا طویل پہاڑی سلسلہ جو دشمن کی پہلی دفاعی لائن تھا ”تورغر“ کی فتح کے ساتھ پہلے ہی مجاہدین کے قبضہ میں مکمل طور پر آچکا تھا۔ یہاں سے ایئرپورٹ کو اپنی زد میں لیکر انہوں نے اگرچہ خوست کی رسد کمک کا فضائی راستہ بھی بند کر دیا تھا، لیکن اس عرصہ میں دشمن نے ایک نیا ایئرپورٹ بنا لیا تھا جس نے اس رمضان سے صرف ۳ ماہ قبل کام شروع کیا تھا، تاہم مجاہدین اس سے اترتے چڑھتے جہازوں کو یہاں بھی نشانہ بناتے رہے۔ اب کابل کے طیارے خوست پر اپنی امداد پیراشوٹ کے ذریعہ بھی پھینک رہے تھے۔

خوست کے گرد دشمن کی دوسری دفاعی لائن ”میدانی علاقہ“ تھا ”تورغر“ کی فتح کے بعد اس میں بھی مجاہدین قدم قدم پر اپنی جانوں اور قیمتی اعضاء کا نذرانہ دے

بکہ مغرب جنوب اور مشرق سے کئی کئی کلو میٹر تک کا علاقہ آزاد کرا کے دشمن کو "دریائے شامل" کے قریب تک دھکیل چکے تھے ـــ میدانی علاقے کا جو خاصہ بڑا حصہ مجاہدین آزاد کرا چکے تھے اس میں کئی مقامات فوجی اہمیت کے حامل تھے کچھ تفصیل ملاحظہ ہو:

۱ـــ ایئر پورٹ کے تقریباً مشرق میں ایک قبیلہ "ملکن" کہلاتا ہے وہاں کے بہت سے لوگ "کوچی" (خانہ بدوش) بھی ہیں یا بھی تھے۔ اس لئے اس علاقے کو "کوچیوں کا علاقہ" یا "ملکن کا علاقہ" کہا جاتا ہے۔ ان کی ایک مسجد کو "تورہ کئی" کے زمانے میں کمیونسٹوں نے جلا دیا تھا ـــ اب "ملکن" قبیلے نے "دریائے شامل" عبور کر کے ایئر پورٹ کے مشرق میں پہنچ کر وہاں کی خالی بستیوں کو جو پہاڑیوں اور ٹیلوں میں تھیں اپنا جنگی مرکز بنا لیا تھا "عبدالستان کوچی" نے اس علاقے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے تھے اور دشمن کے ۷ جہازوں کو تباہ کر ڈالا تھا ـــ مگر وہ خوست کی آخری جنگ سے پہلے ہی بارودی سرنگ سے شہید ہو گئے! ـــ یہاں سے ایئر پورٹ اور شہر کی طرف پیش قدمی کی راہ میں دریا حائل نہ تھا ـــ پھر اس رمضان سے صرف ۱۰ روز پہلے ان جانبازوں نے ایئر پورٹ کی طرف آگے بڑھ کر قصبہ "فاران باغ" (یا فارم باغ) کو بھی آزاد کرا کے مولانا جلال الدین حقانی کے کنٹرول میں دیدیا تھا۔ یہاں سے ایئر پورٹ اتنا قریب تھا کہ رن وے پر کھڑے جہازوں کے پر صاف نظر آتے تھے۔

۲ـــ "تور غر" کی فتح کے بعد مجاہدین نے جنوب مغرب میں "مالی کنڈو" اور "تور کمر" کی طرف سے نہ صرف خوست کی اہم تحصیل "ورگئی" کو آزاد کرا لیا تھا بلکہ آگے کا بھی کچھ میدانی علاقہ دشمن سے صاف کر کے وہ "دائم قلعہ" پر قابض ہو چکے تھے یہ قلعہ "تور کمر" سے کوئی ۸ کلو میٹر پر تھا۔ اس کامیاب مہم میں مولانا نصراللہ منصور کی تنظیم "حرکت انقلاب اسلامی" پیش پیش تھی اس کے ۷ ٹینکوں نے بھی جو دشمن ہی سے چھینے ہوئے تھے حصہ لیا تھا نیز "حزب اسلامی افغانستان" کے جانبازوں نے مولانا پیر محمد

کی قیادت میں' اور "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے مجاہدین نے "نصر اللہ لنگڑیال"[۱] کی قیادت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

اب "وائیم قلعہ" جنوب مغربی محاذ کا سب سے بڑا جہادی مرکز بن چکا تھا' یہ خوست شہر کے تقریباً جنوب مغرب میں ہے' یہاں سے شہر کی سمت میں تقریباً ۴ کلو میٹر پر دشمن کا اس طرف کا سب سے بڑا جنگی مرکز "کرزی پوسٹ" تھا' اس پر حملے کرنے کیلئے ___ کھلا میدان ہونے کی وجہ سے ___ کچھ دور تک تو مجاہدین ایک برساتی نالے سے گزرتے' آگے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے جوانوں نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا کہ تقریباً ایک کلو میٹر لمبی خندق قد آدم گہری کھود ڈالی جو "کرزی پوسٹ" کے قریب تک گئی تھی' خندق کے راستے وہ آئے دن اس پر حملہ کرتے رہتے تھے[۲] ___ اس طرح دشمن کا یہ بڑا جنگی مرکز بھی مجاہدین کی زد میں آگیا تھا۔

۳ ___ جنوب مشرق میں "باڑی" کی طرف سے مجاہدین تقریباً ۴ کلو میٹر تک کا میدانی علاقہ دشمن سے صاف کرکے اس کی ایک چوکی "شلک پوسٹ" پر قبضہ کر چکے تھے' یہاں سے شہر کی سمت (شمال) میں بالکل سامنے دشمن کا ایک جنگی مرکز "چنار پوسٹ" تھا' مجاہدین نے اس کے آس پاس ایک خندق اور کئی مورچے بنا کر اسے بھی اپنی زد میں لے لیا تھا اس کے پیچھے دریائے شمال تک دشمن کا کوئی اور جنگی مرکز نہ تھا

---

[۱] یہ وہی قابل فخر مجاہد ہیں جنہوں نے دشمن کے چھ کر شپ ہیلی کاپٹروں کو تن تنہا شکست دی تھی' وہ واقعہ جو ان کے حیرتناک کارناموں میں سے ایک ہے' بہت پیچھے بیان کر چکا ہوں۔ گجرات کی برادری "لنگڑیال" سے تعلق ہے' اس لئے نام کے ساتھ "لنگڑیال" کا لاحقہ لگائے بغیر انہیں پہچانا نہیں جاتا۔ خوست کی آخری جنگ کے وقت یہ تنظیم کے مرکزی نائب کمانڈر بنائے جا چکے تھے۔

[۲] خندق کی کھدائی سمیت اس طرف کے سب کارناموں میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بھی کئی طلبہ شریک رہے' ان میں سے ایک مولوی "نور الامین" صاحب ہیں' انہی کا خاندان کسی زمانے میں برما سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تھا۔ "باڑی" اور "وائیم قلعہ" کی طرف سے ہونے والی کارروائیوں کی معلومات مجھے ان سے اور "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے معروف کمانڈر مجاہد "محمد علی احمد" صاحب سے حاصل ہوئی ہیں۔

۳ـــ یہ مہم مولانا جلال الدین حقانی کی مرکزی رہنمائی میں افغان اور عرب مجاہدین نے، اور پاکستانی مجاہدین کی ایک اور تنظیم "حرکۃ المجاہدین"[1] نے انجام دی تھی۔

۴ـــ جنوب مغرب سے شہر کی سمت میں کافی آگے بڑھ کر مجاہدین، دشمن کی "درملک پوسٹ" پر تقریباً ۹ ماہ سے قابض تھے، یہ یہاں کی سب تحصیل "شیخ امیر" کی ایک دفاعی چوکی تھی، اس معرکے میں افغان مجاہدین اور دونوں پاکستانی تنظیموں نے حصہ لیا تھا ـــ "درملک پوسٹ" کو اپنا جنگی مرکز بنا کر انھوں نے "شیخ امیر" کو ایک حد تک زد میں لے لیا تھا جو اس طرف سے دریائے شمل کے جنوبی کنارے کے پاس دشمن کا سب سے بڑا جنگی مرکز، اور فوجیوں کی بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔

خلاصہ یہ کہ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو خوست پر آخری جنگ شروع ہوئی تو اس سے پہلے ہی دشمن کی دوسری دفاعی لائن بھی، جنوب مشرق، اور جنوب مغرب اور جنوب سے دریائے شمل کے کنارے کے پاس تک سمٹ چکی تھی، اور مشرق میں مجاہدین دریائے شمل کو بھی عبور کرکے، ایئرپورٹ اور شہر کے عقب میں پہنچ کر اپنی پوزیشن مستحکم کرچکے تھے۔

خوست کے شمال سے میدانی علاقے میں مجاہدین نے رمضان سے پہلے کہاں

---

[1] پاکستانی مجاہدین کی تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کا ذکر تو اس کتاب میں آپ بار بار پڑھتے آ رہے ہیں کیونکہ اس کے امیر، کمانڈروں اور مجاہدین سے میرا بہت قریبی رابطہ تھا، لیکن پاکستانی مجاہدین ہی کی تنظیم "حرکۃ المجاہدین" جو مولانا جلال الدین حقانی کے ساتھ منسلک تھی، اس کا ذکر یہاں پہلی بار آیا ہے، وجہ یہ ہے کہ میں اس کی جہادی خدمات سے اجمالاً تو واقف تھا، اس کے ہونہار مجاہدین اور امیر صاحب سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں، بلکہ دارالعلوم کراچی (کورنگی) میں اس تنظیم کے بھی کئی جانباز زیر تعلیم تھے، لیکن ان حضرات سے اتنی تفصیلی اور بے تکلف ملاقاتوں کی نوبت نہ آئی کہ اپنی عادت کے مطابق ضروری نوٹ کرکے واقعات کی چھان بین کرسکوں ـــ اب مجھے اس تنظیم کے ایک دیرینہ مخلص مجاہد "مولوی محمد حیات خان کشمیری" دارالعلوم کراچی میں دورۂ حدیث کے طالب علم ہیں، ان سے معلومات حاصل کرنے کا موقع میسر آیا، یہ خوست پر مشترکہ حملے کے دوران بھی "درملک پوسٹ" کی طرف سے ہونے والی جنگی کارروائیوں میں شریک تھے۔ اس سمت سے فتح خوست کی تفصیلات میں نے ان ہی سے حاصل کی ہیں، کچھ مدد اس تنظیم کے ماہنامہ "صدائے مجاہد" سے لی گئی ہے۔

تک پیش قدمی کی تھی؟ اس کی تفصیل مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ اس طرف سے کسی مجاہد سے رابطہ ہی نہ ہو سکا۔ البتہ "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ہونہار جوان "عدیل احمد" سلمہ نے جو خوست کے مشرقی، مغربی اور جنوبی محاذوں پر پچھلے ۳ سال سے برسرِ پیکار بلکہ پیش پیش تھے بتایا کہ اس طرف سے میدانی علاقے میں بھی بہت آگے تک پیش رفت ہو چکی تھی، لیکن شمال مغرب کے ایک اونچے پہاڑ پر جو "کیارک زیارت بابا" کے نام سے معروف ہے اور جس پر ایک مزار ہے، دشمن کا ایک مضبوط جنگی مرکز اب تک فتح نہ ہوا تھا۔

اس ساری صورتحال سے یہ بات بہرحال واضح ہے کہ خوست کی اصل جنگ رمضان کی آخری جنگ سے پہلے ہی پچھلے گیارہ برسوں سے بے شمار چھوٹے بڑے معرکوں کی صورت میں لڑی جا چکی تھی۔ گیارہ برسوں پر پھیلی ہوئی ان صبر آزما لڑائیوں میں مجاہدین نے ایک ایک قدم بڑھنے کیلئے جس بے جگری سے اپنی قیمتی جانوں اور اعضاء کی قربانیاں پیش کیں، دشمن کے رفقاء کو توڑنے کیلئے جو پے در پے جن مصائب و آلام کو سہا، اور عزم و ہمت اور مردانگی کی جو ولولہ انگیز مثالیں قائم کیں، وہ اس دور میں بہت تابناک تو ہیں ہی، مگر اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضخامت درکار ہے۔ اس محاذ کے جن مجاہدین سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں، ان میں سے بھی چند کے کارنامے، وہ بھی بہت مختصر سے بیان کر سکا ہوں۔ چند ورق پیچھے "تورغر" اور "باڑی" کے دو معرکوں کی روداد بھی خوست کے ارد گرد کے ان بے شمار معرکوں کے محض نمونے کے طور پر بیان کی ہے جن کا نظارہ میں آسمان حیرت سے کرتا رہا ہوں۔ یہ اس محاذ کے ہزاروں شہیدوں اور زخمیوں کا خون ہی تھا جس میں تیر کر مجاہدین اب "دریائے شمل" کے قریب پہنچ کر دشمن کی چھاؤنی پر سوار ہو چکے تھے۔ یہاں سے اب یہ مڑ کر پیچھے کے میدانی علاقے اور ہیبت ناک پہاڑی سلسلے کو دیکھتے تھے جو گیارہ سال میں طے ہوا تھا ـــــ تو بقول بھائی جان مرحوم یوں لگتا تھا کہ

ہم بیٹھے سوچ رہے ہیں اب، ہر منزل اہلِ وفا
کیسے آساں سے سالک گذرے، رستہ لینا مشکل تھا!

اسکڈ میزائل

روسی فوجوں کی پسپائی کے بعد جس دشمن سے اب مقابلہ تھا اس کی رگوں میں بھی خون تو افغانی ہی تھا۔ اس سے اب بھی بہت دشواری تھی۔ روس کی آلۂ کار کابل انتظامیہ خوست کے دفاع میں اپنی بہترین اور بھرپور قوت استعمال کر رہی تھی۔ مجاہدین کے خلاف طیاروں اور ''اسکڈ میزائلوں'' کے حملوں میں بھی تیزی آگئی تھی۔

روس کے زمین سے زمین پر مار کرنے والے ''اسکڈ میزائل'' ـــــ جو صدام حسین نے جنگ خلیج کے دوران چند ''تل ابیب'' پر اور چند سعودی عرب کی سرحدی بستیوں پر پھینک کر دنیا میں کہرام مچا دیا اور جس کے توڑ پر ''امریکہ بہادر'' نے ''پیٹریاٹ میزائل'' استعمال کر کے اپنی ٹیکنالوجی کا لوہا منوایا تھا ـــــ میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ یہ صدام کو کابل کی کمیونسٹ انتظامیہ ہی نے فراہم کئے تھے کیونکہ اس کے پاس ان کی کمی نہ تھی۔

۱۹۸۸ء میں جب نام نہاد ''جینیوا سمجھوتہ'' ہوا اور روسی فوج نے اپنی واپسی (پسپائی) کے شیڈول کا اعلان کیا تو یہ میزائل اس نے اپنے ''قائم مقام'' کے طور پر کابل انتظامیہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ روزنامہ جنگ کراچی میں اس خبر کے ساتھ ایک کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی، جو ایک اونچے گرجے جیسا موٹا اور بے ڈھنگا سا مینار لگتا تھا۔ ان میزائلوں کی رینج کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ صدام ان کو عراق سے فائر کر کے اسرائیل کے دارالحکومت ''تل ابیب'' کو اور سعودی عرب کے سرحدی شہروں کو نشانہ بنا رہا تھا۔

۸۹ء میں جب کابل انتظامیہ ان میزائلوں سے کئی حملے کر چکی تھی، میں نے ان کے متعلق کمانڈر زبیر شہید سے کراچی کی ایک ملاقات میں پوچھا، تو انہوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے جواب دیا ''حضرت! یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، پہاڑوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں گے۔''

اب تک کے حالات نے یہ جواب درست ثابت کیا تھا، کیونکہ یہ میزائل شہروں میں تو بہت تباہی پھیلا سکتے ہیں، پہاڑوں اور چٹانوں میں بسیرا کرنے والے شاہینوں کو نشانہ

جانوں کی قربانی درکار تھی' اسے پیش کرنے کیلئے افغانستان' پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ بھی کتنے ہی ملکوں سے آئے ہوئے سرفروش ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کیلئے بے تاب تھے' ___ اور ہر ایک کا سینہ اس عزم سے لبریز تھا

وہ سنگ گراں جو حائل ہیں رستے سے ہٹا کر دم لیں گے
ہم راہ وفا کے رہرو ہیں' منزل ہی پہ جا کر دم لیں گے

کامیاب آغاز جنگ

یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ (۱۸ مارچ ۱۹۹۱ء) کو جنوب مغربی محاذ کے مجاہدین' جس کا مرکز "دالیم قلعہ" تھا "قرزئی پوسٹ" پر فیصلہ کن حملے کی تیاری میں مصروف تھے کہ شام کو اچانک اطلاع ملی کہ آج صبح مولانا بشیر محمد کی قیادت میں مجاہدین نے "بازی" (جنوب) کی طرف سے "شیخا میر" کی تین اہم دفاعی پوسٹوں پر حملہ کیا اور انھیں فتح بھی کر لیا ہے۔

اس ولولہ انگیز خوشخبری کے ساتھ ہی انھیں ہدایت ملی کہ اب "قرزئی پوسٹ" پر طاقت اور وقت خرچ کرنے کے بجائے وہ "شیخا میر" ہی کی مغربی پوسٹوں اور قرار گاہ پر حملہ آور ہوں۔

اس نئی حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ "شیخا میر" کی حفاظتی پوسٹیں' جو اس کے مغرب اور مشرق میں باقی رہ گئی ہیں' ان کا بھی صفایا کر کے تینوں سمتوں سے "شیخا میر" پر یکبارگی حملہ کیا جائے' اور اسے فتح کر کے وہاں سے اور اس کے آس پاس سے دریا عبور کر کے شہر کی طرف پیش قدمی کی جائے' اور "قرزئی پوسٹ" جیسی دور دراز پوسٹوں پر' جنھیں فتح کئے بغیر بھی شہر کی طرف پیش قدمی ممکن ہے' دباؤ رکھنے کیلئے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے قریبی مراکز اور مورچوں میں موجود رہیں۔

اس (جنوب مغربی) محاذ پر ڈیڑھ ہزار مجاہدین "دالیم قلعہ" اور آس پاس کے

چھوٹے چھوٹے قلعوں (حویلیوں) اور مورچوں میں تعینات تھے، جن کی قیادت مرکزی کمان کے اہم رکن "نگل مجید" خود کر رہے تھے۔ ان کے تحت مختلف ٹکڑیوں کے مجاہدین اپنے اپنے امیروں کی ذیلی قیادت میں تھے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ۵۰ مجاہدین تھے ان کی ذیلی قیادت "نصراللہ (لنگڑیال)" کے ہاتھ میں تھی۔

رمضان کی تیسری شب کو ۲ بجے ہی سحری کھا کر ۳۰۰ جانباز "والم قلعہ" سے مشرق کی سمت پیدل روانہ ہوئے اور رات کی تاریکی میں طویل فاصلہ طے کر کے دشمن کے مورچے سے تقریباً دو سو میٹر پہلے ایک خشک تالاب میں پہنچ کر اس کے کنارے کی اوٹ میں رک گئے، یہ کنارہ دشمن کی طرف تھا مگر اتنا لمبا نہ تھا کہ سب کو اوٹ مل سکے، بقیہ مجاہدین کیلئے مورچے کھودنے پڑے، فجر کی نماز یہیں ادا کی گئی ـــ قیادت کی طرف سے روزہ نہ رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا ـــ جہاد میں اگر کمزوری کا اندیشہ ہو تو شرعی حکم یہی ہے کہ روزہ نہ رکھا جائے، رمضان کے بعد قضاء کر لی جائے، تاہم جن کو یہ اندیشہ نہ تھا وہ روزے سے تھے۔

دشمن کی جو قرارگاہ اور چوکیاں ان کا ہدف تھیں ان کے اور "ڈکرزی پوسٹ" کے درمیان، پرانی حویلیوں میں مجاہدین کے کئی اہم ٹھکانوں میں سے ۳ تقریباً سو سو میٹر کے فاصلے پر تھے، ایک کے امیر "محمد الیاس کشمیری" تھے، دوسرے کے "نیازت کشمیری" اور تیسرے کے "خالد محمود" کراچوی ـــ وہی خالد محمود جن کی دائیں ٹانگ "تورکمر" کے خونریز معرکے میں بارودی سرنگ سے گھٹنے تک اڑ گئی تھی اور کمانڈر نذیر شہید کے ساتھ انہیں بھی خطرناک حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا تھا، صحت یاب ہو کر مصنوعی ٹانگ سے کام چلانے کی کوشش کرتے رہے، رمضان کی اس جنگ سے چند روز قبل لاہور میں ملاقات ہوئی تو بیساکھی بھی ساتھ تھی، وجہ یہ بتائی کہ مصنوعی ٹانگ پر بوجھ ڈالنے سے ران میں تکلیف ہوتی ہے۔ وہم و گمان میں نہ تھا کہ یہ اس حالت میں بھی خوست فتح کرانے والی گولہ باری سے دشمن کے چھکے چھڑا دیں گے۔

یہ تینوں مورچے 'تالاب' میں چھپے ہوئے مجاہدین کے پیچھے ذرا بائیں طرف خاصے فاصلے پر تھے۔ تالاب کے دائیں طرف دور پہاڑی سلسلے کے پاس عرب اور افغان مجاہدین اپنے توپ خانوں میں طلوع صبح کا انتظار کر رہے تھے۔ سب کا باہم ریڈیو پر ایک دوسرے سے رابطہ قائم تھا' سامنے قدرے دائیں طرف دشمن کا ایک مضبوط مورچہ اور اس کے پیچھے قرار گاہ تھی' قرار گاہ کے بائیں طرف ایک حفاظتی پوسٹ اور پیچھے دو پوسٹیں تھیں۔

صبح کی روشنی پھیلتے ہی قرار گاہ اور اس کی حفاظتی پوسٹوں پر دائیں طرف سے عرب اور افغان مجاہدین نے راکٹ برسانے شروع کر دیئے' مگر سامنے کے قریبی مورچے پر نہیں پھینکے تاکہ قریب ہی تالاب میں چھپے ہوئے مجاہدین زد میں نہ آجائیں۔

۵ بجے کمانڈر گل مجید نے ایک راکٹ بردار دستہ اس مورچے کی طرف جھاڑیوں کی اوٹ میں روانہ کیا' اس نے صرف ۱۵۰ میٹر کے فاصلے سے اس پر راکٹ پھینکے' اس دستے میں اسلم وزیر اتفاقی' اور دارالعلوم کراچی کے ہونہار طالب علم "مولوی مطیع الرحمن" کے علاوہ "عدیل" بھی پیش پیش تھے ۔۔۔ باڑی کے معرکے میں دو سال قبل عدیل کی ایک کلائی بری طرح ٹوٹ گئی تھی' وہ ہاتھ ابھی تک سینے پر بندھا ہوا تھا' یہ ایک ہی ہاتھ سے لانچر تھامے راکٹ پر راکٹ فائر کرتے رہے ۔۔۔ دشمن فوجی اس بلائے ناگہانی کی تاب نہ لا سکے اور مورچہ چھوڑ کر اس عمارت سے فرار ہوئے کہ ایک بھی بھاگتا نظر نہ آیا۔

مجاہدین کے ٹینک

پونے دس بجے مولانا نصراللہ منصور کی تنظیم "حرکت انقلاب اسلامی" کے ۲ ٹینک آگئے' ایک تو کچھ خرابی کے باعث آگے نہ جا سکا' دوسرے نے بڑھ کر قرار گاہ اور اس کی حفاظتی پوسٹوں پر آگ برسانی شروع کی' اور پیدل مجاہدین اس کی آڑ میں فائر کرتے اور نعرے لگاتے ہوئے بڑھنے لگے۔ ابتدائی طبی امداد کا دستہ اور دفاعی مقاصد کیلئے باقی مجاہدین تالاب ہی میں رکے رہے۔ کمانڈر نصراللہ لنگریال کو بھی مرکزی کمانڈر گل مجید نے یہیں تعینات کیا' اور خود آگے چلے گئے۔

ٹینک قرارگاہ اور اس کے بائیں طرف کی پوسٹ کے پاس پہنچا تو دشمن دونوں جگہ سے خندقوں کے راستے (جو قرارگاہ کو آس پاس کی پوسٹوں سے ملاتی تھیں) بھاگ کھڑا ہوا۔

دارالعلوم کراچی کے ہونہار طالب علم مولوی "نورالامین" سامنے جا پائے ہم سے بھاگتے فوجیوں پر کلاشنکوفوں سے فائر کئے مگر وہ دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے کی حفاظتی پوسٹ کے عقب میں غائب ہوگئے اور فوراً ہی ہم پر ۳ طرف سے زبردست فائر کی بارش شروع ہوگئی۔ قرارگاہ کے پیچھے کی حفاظتی پوسٹ کے عقب سے دشمن کا ایک ٹینک زمین دوز مورچے میں چھپا ہوا تھا وہ آگ برسانے لگا اس کی ہمیں صرف جھلک نظر آئی۔ اس کے بائیں طرف خاصے فاصلے پر ایک برجوں والا قلعہ تھا وہاں سے بڑی مشین گنوں اور اینٹی ایئرکرافٹ (دہشکہ) کی گولیاں بارش کی طرح آرہی تھیں، اور دائیں طرف جنوب مشرق کے دور کے ایک ٹیلے سے راکٹوں اور گولوں کی بارش ہونے لگی۔

دشمن کے فائر کا خاص ہدف ہمارا ٹینک تھا، جو ایک افغان جانباز بڑی مہارت سے چلا رہا تھا، اسی کا سولہ سترہ سالہ بیٹا اس ٹینک کا توپچی تھا، یہ ٹینک دشمن پر گولے برساتا اور اپنے بچاؤ کیلئے زگ زیگ کے انداز میں چلتا ہوا قرارگاہ کے پیچھے کی حفاظتی پوسٹ کی طرف بڑھ گیا تاکہ اس کی اوٹ سے اپنی کارروائی جاری رکھ سکے۔

پیدل مجاہدین میں سے کچھ قرارگاہ میں اور کچھ بائیں طرف کی پوسٹ میں بھاگتے اور کرالنگ کرتے (پیٹ کے بل لیٹ کر کہنیوں سے چلتے) ہوئے جا چھپے۔ اس پوسٹ میں پہنچ کر کمانڈر گل محمد کی ہدایت پر عدیل، مصیح الرحمن اور دیگر راکٹ بردار مجاہدین نے دشمن کے ٹینک پر راکٹ فائر کئے، مگر وہ مورچے میں محفوظ تھا، راکٹ بیکار گئے۔

نصراللہ (منظوریاں) نے ٹاپ سے یہ صورت حال دیکھتے ہی الیاس کشمیری، لیاقت کشمیری اور خالد محمود کراچوی کو وائرلیس پر اشارہ دیا، ان تینوں نے فوراً برجوں

والے قلعے پر تابڑ توڑ گولے برسائے' اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے فائر بند ہو گیا' ادھر دشمن کے ٹینک پر بھی سکوت چھا گیا اور جس پوسٹ کے پیچھے یہ چھپا ہوا تھا' ہمارے ٹینک کو قریب دیکھ کر دشمن وہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا ۔۔۔۔

ایک گھنٹے کی اس خون ریز جنگ میں اب تک آٹھ افغان ساتھی شہید' اور کئی زخمی ہو چکے تھے' دور کے جنوب مشرقی قلعے سے گولوں اور راکٹوں کی بارش اب بھی جاری تھی۔ اسی حالت میں کچھ ساتھیوں نے شہیدوں اور زخمیوں کو خشک تالاب میں پہنچایا' مگر دشمن کے ٹینک سے' اور برجوں والے قلعے سے دوبارہ فائر شروع ہو گیا۔

کلسٹر بم

اسی دوران ایک طیارہ شہر کی طرف سے آیا اور " کلسٹر بم " (جس میں بہت سارے " فضائی گرنیڈ " ہوتے ہیں' اور ہر گرنیڈ تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا' اور نو دس انچ موٹا ہوتا ہے) برساتا ہوا گزر گیا ۔۔۔۔

دشمن کے اس چار رخے خوفناک حملے کا مقصد " مفتوحہ قرار گاہ" پر سنولوں اور مجاہدین کے ٹینک کو تباہ کرنا تھا' اکثر ساتھی اس وقت قرار گاہ میں تھے' اور غنیمت کا اسلحہ جمع کر رہے تھے ۔۔۔۔ وہی طیارہ دوبارہ آیا' اور اللہ کی یہ مدد ساتھ آئی کہ وہ فضائی گرنیڈ برسا کر لوٹ ہی رہا تھا کہ کسی نامعلوم گولے کا شکار ہوا' اور دھویں کے بادل چھوڑتا ہوا' دشمن ہی کے علاقے میں دور جا گرا' اس کے برسائے ہوئے سارے گرنیڈ بھی میدان میں کھیت ہوئے ۔۔۔۔

مطیع الرحمٰن سلمہ کا بیان ہے کہ اس دوران دشمن کے قلعے سے ایک گولہ آکر قرار گاہ میں پھٹا' بیشتر مجاہدین قرار گاہ کے پختہ مورچوں میں پناہ لے چکے تھے' لیکن ہمارے ساتھی عبدالعلیم جو فیصل آباد سے آئے تھے' شدید زخمی ہو گئے۔ ادھر ہمارے ٹینک کا کم سن توپچی جو ٹینک کی ٹوپی سے سر نکال کر' دشمن کے ٹھکانوں کا جائزہ لے رہا تھا' مشین گن کی ایک گولی اس کی گردن میں آ لگی ۔۔۔۔ یہ نوخیز پھول باپ کے دیکھتے ہی دیکھتے ان

شہیدوں میں شامل ہو گیا جو امت کے مستقبل کو یہ مژدہ سنا گئے ہیں کہ

سیماب کی رفتار میں، موجوں کی تڑپ میں
ہم سینۂ دریا پہ ابھرتے ہی رہیں گے

۱۲ بجے کے قریب دشمن کا فائر کم ہوا تو مجاہدین اپنے شہید توفیق اور تین زخمیوں کو لے کر جھاڑیوں کی آڑ میں روانہ ہوئے۔ قرارگاہ کے باہر جنوب اور مغرب میں بڑے ہونے پہ بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں یعنی "ٹینک شکن بارودی سرنگیں" دھوکہ دینے کیلئے جنگل زمین پر بھی رکھی پڑی تھیں جن کے نیچے "بوبی ٹریپس" لگے ہوئے تھے کہ مجاہدین اٹھائیں تو یہ پھٹ پڑیں۔ دشمن یہاں بچھانے میں آئے بغیر احتیاط سے تالاب تک جا پہنچے۔ غنیمت کا سامان بھی، جس میں طرح طرح کی مشین گنیں، چھوٹی بڑی توپیں، راکٹ لانچر اور بے شمار گولہ بارود تھا۔ منتقل کر لیا گیا۔ حافظ محمود وغیرہ کے مورچوں سے دشمن پر بہت تیز گولہ باری شام تک ہوتی رہی۔ دشمن ٹینک بھی ان پر گولے برساتے رہے۔ وہاں ان کے ایک ساتھی عبدالستار بقم رنگی زخمی ہو گئے۔

نیپام بم

نماز ظہر کے بعد زخمیوں کو میران شاہ اور شہیدوں کو محفوظ مقامات کے لئے گاڑیوں میں روانہ کر رہے تھے کہ طیارے پھر سر پر آگئے اور جنوب مغرب کی خالی بستیوں پر یہ سمجھ کر نیپام بم برساتے رہے کہ ان میں مجاہدین ہیں۔ آگ دور تک پھیل گئی مگر مجاہدین کو تو شیخ تک نہ آئی۔ اسی دوران ایک مسئلہ پیدا کر دشمن ہی کے علاقے میں گولہ باری پوری ہوا___ نماز عصر کے بعد یہ فاتح مجاہدین فاتح قلعہ کو اس حالت میں واپس ہوئے کہ قرارگاہ اور اس کی قریبی پوسٹوں کی تباہی کے بعد باقی پوسٹیں بھی اس قابل نہ رہی تھیں کہ "ٹیٹا میرہ" پر چند روز بعد ہونے والی یورش میں کوئی بڑی رکاوٹ پیدا کر سکیں۔

اسی رات (رمضان المبارک کی چوتھی شب) خوست شہر کے جنوب مشرق میں "چنار پوسٹ" پر حملہ کیا گیا یہ چوکی شہر کے تقریباً مشرق میں تھی اس مہم میں افغان تنظیموں کے دوش بدوش عرب جانبازوں اور "حرکۃ المجاہدین" نے بھی حصہ لیا۔ "حرکۃ المجاہدین" کا مرکز جسے "باڑی" کی پہاڑیوں میں ۳ غاروں، چند کمروں اور ایک مسجد پر مشتمل تھا۔۔۔

دارالعلوم کراچی کے طالب علم مولوی "محمد غیاث خان" کشمیری نے، جو ۲۰ شعبان ہی سے مفتوحہ "شلگہ پوسٹ" کے آس پاس چھپے وادی حمل و نقل، توپوں کی تنصیب اور مورچے وغیرہ بنانے میں شریک تھے، بتایا کہ رمضان کی دوسری اور تیسری شب ہم نے خندق میں گزاری جو ہم نے "شلگہ پوسٹ" اور "چنار پوسٹ" کے درمیان کھود رکھی تھی، پیش قدمی کا حکم کسی وقت بھی مل سکتا تھا، چوتھی شب مولانا جلال الدین حقانی کے ۴ ٹینک جن میں سے ایک کو ان کے بھائی "حاجی خلیل" چلا رہے تھے، پہنچ گئے ان کے آتے ہی مولانا کے گروپ کمانڈر "حاجی خان محمد" ایک مختصر دستے کو لیکر آگے بڑھے اور "چنار پوسٹ" سے ۴۰۰-۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر رک گئے۔ آگے بیشمار بارودی سرنگوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہی بارودی سرنگیں ان کا ہدف تھیں۔

موت کے "بیج"۔۔۔ اور "بارود کی فیتہ"

افغانستان میں مجاہدین اور عوام کو جتنا جانی اور جسمانی نقصان ان سرنگوں سے پہنچا، شاید ہی کسی اور ہتھیار سے ہوا ہو۔ یہ "موت کے بیج" پہلی جنگ عظیم کا تحفہ ہیں، اس سے پہلے دشمن کے گھڑ سوار دستوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے ان کی راہ میں لوہے کے "ڈوکھرو" بچھائے جاتے تھے جن کے چاروں طرف نوک دار میخیں نکلی ہوتی تھیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان میں میخوں کے بجائے بارود بھر کر "بارودی سرنگ" کا نام دیا گیا۔ اب یہ بے شمار مختلف شکلوں اور مختلف جسامت کی بنائی جاتی ہیں۔ عموماً یہ چھوٹی کہ باآسانی جیب میں رکھی جا سکیں مگر کاری اتنی کہ جس کے پاؤں تلے آجائیں جسم سے

ہاتھ دھو بیٹھے ورنہ معذوری تو یقینی ہے، دشمن کی راہ میں انہیں بچھانا اور چھپانا آسان ہے۔ اس کی تیاری پر صرف ۳ ڈالر لاگت آتی ہے ــــ دوسری جنگ عظیم سے اس "خفیہ قاتل" کی ایک زیادہ مہلک قسم استعمال ہونے لگی جو ٹینک کو بھی ناکارہ بنا دیتی اور "ٹینک شکن بارودی سرنگ" کہلاتی ہے۔

کم قیمت، آسان اور انتہائی موثر ہونے کے باعث مغربی طاقتوں نے مصر، انگولا، موزمبیق، کمبوڈیا، ویت نام وغیرہ میں ــــ اور اب سب سے زیادہ افغانستان میں ــــ ان کا بے دریغ استعمال کیا۔ امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ایک رپورٹ جس کا نام "خفیہ قاتل" ہے، جولائی ۱۹۹۳ء میں جاری کی ہے۔ اس کے مطابق افغانستان میں جہاد کے دوران ساڑھے تین لاکھ سے ۵ لاکھ افراد ان کا شکار ہو چکے ہیں۔ افغانستان کے طول وعرض میں بچھائی گئی بارودی سرنگوں کی تعداد ۱ کروڑ ہے، جنہیں ہٹانے کیلئے عام طریقے استعمال کئے جائیں تو "ہلاس امر" کی رپورٹ کے مطابق چار ہزار تین سو (۴۳۰۰) سال کا عرصہ درکار ہوگا۔[۹۱]

ان "موت کے بیجوں" سے راستہ صاف کرنے کیلئے مجاہدین اب تک جو طریقہ سمجھ میں آیا استعمال کرتے رہے۔ بہت سے صفائی کے دوران انہی کا شکار ہو گئے ــــ شاید آج پہلا موقع تھا کہ ان کا بیج مارنے کیلئے مجاہدین "بارودی فیتہ" استعمال کر رہے تھے۔ یہ ایک بار استعمال ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور جتنا لمبا ہو اتنی ہی لمبائی میں صرف ایک فٹ چوڑا راستہ "خفیہ قاتلوں" سے صاف ہو جاتا ہے۔ حاجی خان محمد نے یہ فیتہ آگے پھینک کر ایک کنارے کو جو ان کے ہاتھ میں تھا، بیٹری سے کرنٹ دیا، فیتہ پھٹا اور جانبازوں کیلئے ایک ایک کی لائن میں احتیاط سے گزرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

سحری کے وقت ہم مورچوں سے "چنار پوسٹ" پر ایک گھنٹے تک لگاتار گولہ باری کی گئی اور نماز فجر کے فوراً بعد ۱۰۰ مجاہدین نے ۳ طرف سے پیش قدمی شروع

---

[۹۱] روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۵ جنوری ۱۹۹۳ء (مڈویک میگزین ص ۲ - ۵)

اینٹی ٹینک اینٹی پرسنل زمین دوز سرنگیں اور بارودی فیتہ

مجاہدین کے زمین دوز مورچوں کا ایک منظر

دشمن کا پھینکا ہوا
ایک میزائل جس
نے پھٹنے سے انکار
کر دیا

مقدر جو ڈالا
گیلیٹ سے
دوچار ایک اور بم

کی 'ایک ٹینک دائیں طرف سے اور دوسرا سامنے سے گولے برساتا ہوا بڑھا ___ بارودی سرنگیں' جو ٹینک شکن نہ ہوں 'اس کی چین کے نیچے آکر ناکارہ ہو جاتی ہیں 'اور پیچھے آنے والوں کیلئے راستہ صاف ہو جاتا ہے ___ پیدل مجاہدین کی دو دو قطاریں ہر ٹینک کی چینوں کے نشان پر نعرے لگاتی اور فائر کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں ___ ایک پانچویں قطار خاموشی سے 'بائیں طرف کے اس راستے پر ہولی' جو رات حاجی خان محمد نے صاف کیا تھا ___

دشمن نے "چنار پوسٹ" اور اس کے دائیں بائیں کے مورچوں سے ہر قسم کا فائر بے تحاشہ کھول دیا تھا۔ حملہ آور مجاہدین سے دائیں طرف خاصے فاصلے پر قدرے پیچھے 'اس کا ایک ٹینک "گرگرے مورچے" میں چھپا کھڑا تھا' وہ بھی گولے برسانے لگا ___ اس ٹینک کے پیچھے چھپے ہوئے ۵ جانباز اسی لمحے کے منتظر تھے 'وہ اس پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے 'ٹینک کے فوجیوں پر یہ حملہ ایسا اچانک ہوا کہ وہ حوصلہ کھو بیٹھے ' ۲ پکڑے گئے ' اور باقی ٹینک وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ___ چند لمحوں کی اس کارروائی سے "چنار پوسٹ" ایک بڑے سہارے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

ادھر مجاہدین کا ایک ٹینک 'جس کے پیچھے بیرونی حصے پر ایک افغان جانباز "ملا قند حاری" بیٹھے فائر کر رہے تھے اور پیچھے آنے والے پیادہ مجاہدین کی رہنمائی بھی کرتے جاتے تھے ' پوسٹ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اچانک ایک دھماکے سے اس کی چین ٹکڑے ہو کر بکھر گئی ___ "ٹینک شکن بارودی سرنگ" نے دشمن کے راکٹوں کو یہ غیر متحرک آسان ہدف مہیا کر دیا تھا ___ وہ اس پر بے تحاشا برس پڑے 'اندر کے ۵ میں سے کئی ساتھی زخمی ہو گئے ___ اور ملا قند حاری ۲ ساتھیوں سمیت شہیدوں کے مقدس قافلے سے جا ملے ___ مگر

موت کو سمجھے ہیں غافل 'اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

چنار پوسٹ کی فتح

مگر اس دوران حاجی خلیل کا ٹینک آگ برساتا ہوا' پوسٹ تک پہنچ چکا تھا' پیادہ مجاہدین اس کی آڑ سے نکل کر بھوکے شیروں کی طرح پوسٹ میں جا گھسے' دائیں بائیں کے جانباز بھی یکبارگی ہلہ بول کر نعرے لگاتے اور کلاشنکوف کے برسٹ مارتے ہوئے جھپٹ پڑے' اس ہمہ جہتی تند و تیز یلغار سے بوکھلا کر دشمن بھاگ نکلا۔ مجاہدین نے تعاقب کیا' دریا کے کنارے ایک گاؤں کے پاس اس کے دو ٹینک کھڑے تھے' فوجیوں نے دریا عبور کرنے سے پہلے ایک کو خود آگ لگادی' تاکہ مجاہدین استعمال نہ کر سکیں۔ دوسرا بھاگنے کی کوشش میں دریا کی دلدل میں جا پھنسا ____ گاؤں کے مکین گھروں کو کھلا' اور گھر ستی کا سارا سامان' جس میں کھانے پینے کا بھی ہر قسم کا سامان تھا یوں کا توں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ پاس ہی ایک تباہ شدہ طیارہ کھیت میں بکھرا پڑا تھا۔

اگلی رات دائیں طرف کی "مکتب پوسٹ" بھی فتح ہوگئی' مجبوراً بائیں طرف کے مورچے بھی دشمن نے لڑے بغیر خالی کر دیئے ____ لیکن ان مورچوں کی طرف بڑھتے ہوئے ۳ جوشیلے نوجوان بارودی سرنگوں سے یہاں بھی شہید ہوئے۔

غرض ۵ رمضان تک دریائے کے جنوب مشرقی کنارے کا یہ خاصا طویل علاقہ دشمن سے صاف ہو گیا ____ یہاں سے ہوائی اڈہ دریا کے پار شمال مشرق میں کوئی ۲ کلو میٹر پر تھا' سامنے دریا کے پار شمال میں تقریباً ایک کلو میٹر پر خوست کا سب سے بڑا فوجی مرکز "قلعہ تخت بیک" تھا' شہر وہیں سے شروع ہوتا ہے' اور شہر کے پیچھے ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کے پاس ایک پہاڑی پر "قلعہ متون" ۔ یہ دونوں قلعے خوست کے سب سے اہم جنگی مراکز تھے' بے تحاشا آگ برسا رہے تھے' ایئرپورٹ کی توپوں نے بھی آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ____ حاجی خلیل نے اپنا ٹینک دریا کے کنارے' مورچے میں محفوظ کر کے ان سب کو نشانہ بنانا شروع کر دیا ____

دشمن کی فضائی بمباری کا سلسلہ ۲۹ رمضان ہی سے بہت تیزی پر تھا مگر طیارے میزائلوں کے خوف سے نیچے آئے بغیر ہی بہت بلندی سے بم پھینک پھینک کر اپنا بوجھ ہلکا کر رہے تھے۔ ان کا نشانہ سے کوئی واسطہ نہ تھا قسمت کا مارا کوئی جہاز نیچے آ بھی جاتا تو اسے بچنے کے دینے پڑ جاتے۔

آسمانی رسد

۲۹ رمضان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ حاجی خلیل کے پاس گولے ختم ہو گئے تھے۔ مولوی غیاث کشمیری جو اس وقت وائرلیس کی ڈیوٹی پر تھے بتاتے ہیں کہ حاجی صاحب نے وائرلیس پر مولانا حقانی سے ٹینک کے گولے طلب کئے۔ وہاں سے کسی اطمینان بخش جواب کا انتظار ہی تھا کہ دشمن کے دو ٹرانسپورٹ طیاروں نے بہت بلندی سے تقریباً ۲۰ پیراشوٹ پھینکے، قوت کیلئے بھیجی گئی یہ رسد بہت بڑے بڑے صندوقوں میں تھی، کچھ پیراشوٹ دریا میں، باقی سب کے سب اس گاؤں میں اور اس کے آس پاس گرے۔

صبح کا وقت تھا، ہم نے دو تین بکس کھولے تو فوراً اور طرح طرح کا اسلحہ نکلا —— اکثر میں ٹینک کے گولے تھے، ہر کسی میں ۹-۶ گولے بکسوں سمیت — پھر اسی طرح کی "آسمانی رسد" کئی روز تک دن میں کئی کئی بار آتی رہی —— اتنے گولے تو حاجی خلیل نے مانگے بھی نہ تھے ——!

ایئرپورٹ کے مشرق میں "کوچیوں کے علاقے" اور "نادان باغ" کی طرف سے جہاں مجاہدین رمضان سے پہلے ہی دریا عبور کر کے اپنے مراکز قائم کر چکے تھے، یکم رمضان سے ان کی توپیں ایئرپورٹ اور شہر کے فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنا رہی تھیں اور ان کے جانباز دستے آگے بڑھ کر راستے کی چوکیوں اور مورچوں کا صفایا کرنے اور پیچھے سے اپنی رسد اور کمک کو منظم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

"فاران باغ" کی طرف سے

دارالعلوم کراچی کے خاموش مزاج طالب علم "مولوی محمد ابراہیم کشمیری" جن کا گھر کراچی میں ہے' دورۂ حدیث شریف پڑھ رہے ہیں رمضان سے ۲۰ روز قبل ہی "باڑی" کے مرکز پہنچے تھے جس دن "فاران باغ" کا قصبہ فتح ہوا۔ اسی وقت سے مجاہدین اور سامان کو "فاران باغ" اور "چنار پوسٹ" کے محاذوں پر لانے لیجانے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

یہ بتاتے ہیں کہ مقبوضہ میدانی علاقے میں جگہ جگہ بے شمار بارودی سرنگیں اب تک چھپی ہوئی تھیں' اور آئے دن پھٹتی رہتی تھیں۔ مجاہدین نے انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر' اور گاڑیاں چلا چلا کر ___ اور بہت سے مواقع میں جانی نقصان اٹھا کر ___ جو راستے بنالئے تھے' ہم انہی راستوں پر گاڑی چلاتے تھے۔ اس میں ہمیں تین احتیاطوں کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ ایک یہ کہ گذرنے والی گاڑیوں کے پہیوں سے کچی زمین میں جو دو نالیاں سی بن گئی تھیں' ہماری گاڑی کے پہیے بھی انہی نالیوں میں چلیں کہ صرف انہی نالیوں کا بارودی سرنگوں سے پاک ہونا یقینی تھا۔ دو چار انچ ادھر ادھر ہو جائیں' تو سرنگیں پھٹ کر جان لے سکتی تھیں ___ دوسری یہ کہ مجاہدین کی گاڑیوں نے یہ راستے "زگ زیگ" کے انداز میں بنائے تھے' تاکہ گھات میں رہنے والی دشمن کی دور مار توپیں اور طیارے انہیں آسانی سے نشانہ نہ بنا سکیں ___ تیسری یہ کہ ہم گاڑی اتنی تیز چلاتے کہ غبار خوب اٹھے' اور گاڑی اس میں چھپ جائے' دشمن غبار پر گولے پھینکتا' گاڑی اس سے بہت آگے جا چکی ہوتی ___ آنکھ مچولی کا یہ کھیل شب و روز جاری تھا۔ رات کو اس "پل صراط" پر یہ دوڑ گاڑی کی ساری بتیاں بند کر کے لگائی جاتی تھی۔

ایک بار میری گاڑی کا پانی ختم ہو گیا' دن کا وقت تھا' مجبوراً ایک تالاب کے پاس رکنا پڑا' میں بونٹ کھول کر پاس ہی پڑے ہوئے ایک مستعمل گولے کے خول سے

پانی بھر کر کشتی میں ڈال رہا تھا کہ ٹینک کا ایک زناٹے دار گولا اسکے پاس سے گذرا کہ چند
بھر میں بہت کچھ نکل گیا

ایک مرتبہ دشمن طیارہ ایسا اچانک سر پر آیا کہ گاڑی روک کر کسی پناہ کی طرف
بھاگنے کا تصور بھی ممکن نہ رہا۔ یہ یقین کر کے کہ آخری وقت آگیا ہے کلمہ پڑھا اور پڑھتے
پڑھتے گاڑی چلاتا رہا۔ جہاز نے بالکل سر پر آکر دو بم پھینکے لیکن نشانہ خطا گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا
فضل ہوا کہ اس کے پاس اب کوئی اور بم باقی نہ رہا تھا۔

دارالعلوم کراچی کے ایک نوخیز طالبعلم "حافظ محمد عباد" جو ضلع رحیم یار خان
سے تعلق رکھتے ہیں، ۲۰ رمضان تک "ارگون" میں "حرکۃ المجاہدین" کے مرکز میں
تراویح پڑھاتے رہے۔ یہ بتاتے ہیں کہ تنظیم کے امیر "مولانا فضل الرحمٰن خلیل" کی
ہدایت پر ۲۰ رمضان کو ہم دس ساتھی "قاران باغ" کے لئے روانہ ہوئے۔ مولوی
محمد ابراہیم ہمیں دریا کے پاس گاڑی سے اتار کر "قاران باغ" سے واپس ہونے والے
مجاہدین کے انتظار میں رک گئے ـــــ دریا کی گہرائی تو موسم سرما کے باعث ناف سے ذرا
اوپر تھی لیکن اس کا برفاب خون منجمد کئے دے رہا تھا اور دھارا اتنا تند و تیز کہ پاؤں
زمین پر ٹکتے نہ تھے۔ بہت ہی مشکل سے ہم اپنا پورا زور لگا کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے
آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے کہ "حمد متون" سے دشمن کے گولے آنے لگے۔ بار بار
تیز رفتار دھارے کے سامنے جسم کی طاقت اور حرارت جواب دے جاتی، اور گولے
موت کا پیغام سنانے لگتے

الحمدللہ کہ یہ مرحلہ طے ہوا اور ہم سرسبز و شاداب قصبے "قاران باغ"
جا پہنچے۔ یہاں مکانات پختہ تھے۔ "حرکۃ المجاہدین" کی طرف سے یہاں ہمارے امیر ایک
اسماعیل خان کے ایک نوجوان "محمد اکرم" صاحب تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی انہوں نے یہاں
کے دس مجاہدین کو ارگون واپس بھیج دیا کہ چند روز وہاں رہ کر تازہ دم ہو آئیں۔

یہاں مجاہدین کی تعداد زیادہ نہ تھی، کچھ افغان اور عرب بھائی تھے۔ کچھ "حرکۃ

"مجاہدین" کے ساتھی بہت بڑی تعداد آگے اینٹ پورٹ کے بالکل پاس پہنچ چکی تھی جہاں انہوں نے جگہ جگہ مورچے وغیرہ بنا کر کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ نئے مورچے بنانے "اور توپوں وغیرہ کی تنصیب کیلئے طرح طرح کا سامان فاران باغ کے راستے مسلسل آگے جا رہا تھا" بڑے پیمانے کی نقل و حمل کیلئے مجاہدین' دشمن سے چھینے ہوئے دیو ہیکل "مینو ٹرک" استعمال کر رہے تھے' جو دریا کو ایسے مقامات سے عبور کرتے تھے جہاں اس کا پاٹ چوڑا "اور گہرائی کم تھی ـــــ

جمعرات چلنے تک تو فاران باغ میں کھانے پینے کا سامان "بازی" کے مرکز سے آتا رہا۔ پھر آگے کا ایک گاؤں دشمن خالی کر گیا تو مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے دستے یہ سامان حسب ضرورت وہاں سے اٹھا کر لاتے رہے۔

میں یہاں دوپہر کو پہنچا تھا' اسی شام "اکرم صاحب" نے ہم دس ساتھیوں کو "الیاس صاحب" کی قیادت میں وہاں بھیجا' ہم خاموشی سے کھلے میدان اور ایک نیلی پیڈ سے گذرتے ہوئے اس گاؤں میں پہنچے' سارے گھر کھلے پڑے تھے' جن میں گھریلو اور کھانے پینے کا سامان وافر موجود تھا' مرغیاں اور مویشی ادھر ادھر پھر رہے تھے ـــــ قبرستان کے سے اس سناٹے میں ہم نے جلدی جلدی ضرورت کا سامان جمع کیا' کئی گدھے بھی گھوم رہے تھے' ایک پر سامان لادا' اور جتنا جتنا ممکن ہوا خود بھی اٹھا کر واپس گاؤں کے کنارے پہنچے تو مغرب ہو رہی تھی' اور ـــــ دشمن کے شمالی مورچوں سے فائرنگ شروع ہو گئی تھی' یہ روشنی والی بڑی بڑی گولیاں اسی میدان سے گذر رہی تھیں جسے ہمیں عبور کرنا تھا' الیاس صاحب نے بتایا کہ رات کی یہ "احتیاطی فائرنگ" دشمن کے معمول کا حصہ ہے۔

ہم ایک ایک کر کے میدان سے کبھی بیٹھ کر' کبھی لیٹ کر' اور کبھی بھاگ کر گذرنے لگے ـــ میں نے چینی کی ایک چھوٹی بوری کندھے پر اٹھا رکھی تھی' ایک گولی سنسناتی ہوئی اتنے قریب سے گذری کہ میں گھبراہٹ میں گر پڑا' جہاد میں شرکت کا یہ میرا پہلا موقع تھا ـــ خدا خدا کر کے میدان ختم ہوا اور میں نے ایک ٹوٹے پھوٹے ویران گھر کی اوٹ

میں بیٹھ کر روزہ افطار کیا۔ باقی ساتھی بھی سلامتی سے پہنچ گئے ــــ

طیارے ہر رات بمباری کرتے رہے، دشمن کی توپوں نے بھی آسمان سر پہ اٹھائے رکھا، ایک روز ایک اسکڈ میزائل بھی قریب کے میدان میں گر کر پاش پاش ہوا مگر اب میں ان چیزوں کا عادی ہو گیا تھا ــــ بلکہ مزا آنے لگا تھا۔

اگرچہ عشق میں آفت بھی ہے، بلا بھی ہے
مگر برا نہیں یہ درد کچھ، بھلا بھی ہے

مزید کامیابیاں

۵ رمضان کے لگ بھگ، خوست شہر کے شمال مغرب میں ایک بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ وہاں کی پہاڑی چوٹی جو "لیکا زیارت بابا" کے نام سے معروف ہے فتح ہو گئی۔ اس پر مجاہدین کی شمالی شوریٰ (کمیٹی) نے حملہ کیا تھا۔ اس چوٹی کی اہمیت شمال مغرب میں تقریباً ایسی تھی جیسی جنوب مشرق میں "تورغر" کی ــــ یہاں دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر بھی شکار کیا گیا ــــ اب وہاں کے جانباز باقی ماندہ میدانی پوسٹوں کا تیزی سے صفایا کر رہے تھے۔ وہاں سے بھی شہر کی طرف پیش قدمی کی راہ میں دریا حائل نہ تھا۔

۱۶ رمضان کو "ٹیکا میر" پر تینوں طرف سے بھرپور حملہ کیا گیا، اس میں دشمن کے قلعوں، پوسٹوں، پختہ مورچوں، خندقوں اور فوجی سازوسامان کی بہتات تھی، مرکزی قلعہ ایک ٹیلے پر تھا، دشمن نے جم کر مقابلہ کیا، اس کی فضائیہ نے اور خوست شہر کے قلعوں اور ایئرپورٹ کی دور مار توپوں نے بھی قیامت برپا کر دی۔ لیکن غازی جو "فتح یا شہادت" کا عزم لے کر نکلتے تھے، اپنے زخمیوں اور شہیدوں کی پروا کئے بغیر آگے بڑھتے گئے۔ ان کی توپوں اور ٹینکوں نے بھی دشمن کے چیتھڑے بکھیرنے میں کوئی کسر نہ

۱؎ اس چوٹی سے متعلق یہ معلومات مجھے "مدینہ سرہ" نے فراہم کی ہیں۔

چھوڑی تاہم آخری مرحلے میں ان دونوں ٹینکوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا ___ !

”نورالامین“ جو دائیم قاصد تھے کہتے ہیں کہ ”شیخا میر“ کی جنگ ہم بہت دور سے دیکھ رہے تھے اور سراپا دعا بنے ہوئے تھے ___ غروب کے وقت خوفناک دھماکوں اور دھوئیں کے مرغولوں میں ہمیں دشمن کے بھی ٹینک جلتے نظر آئے جن کے اندر رکھے ہوئے گولے اڑ اڑ کر جنوب کے پہاڑوں سے اپنا سر پھوڑنے لگے۔ ہم جنگ کے قریب دشمن کے طیارے آج تک ہمارے اوپر سے نیچی پرواز کرتے ہوئے شیخا میر کی طرف گئے، ہم اور زیادہ رو رو کر دعائیں کرنے لگے کہ ایک تو بم پھینک کر جا تا ہے، دوسرے کو شکار کر لیا گیا ___ تھوڑی دیر بعد رفتہ رفتہ دھماکے کم ہوتے گئے پھر وائرلیس پر اطلاع ملی کہ دشمن بھاگ رہا ہے اس کا تعاقب شروع ہو گیا ہے۔

اس فتح سے مجاہدین کو صحیح سالم ٹینکوں سمیت بے شمار اسلحہ اور بے حد و حساب ساز و سامان ہاتھ آیا سب سے بڑھ کر یہ کہ اب مشرق سے مغرب تک دریائے شمل کا پورا جنوبی کنارا دشمن سے صاف ہو چکا تھا (سوائے آرڈی پوسٹ کے کہ اس پر حملے جاری تھیں) اور خوست شہر پر حملہ آور ہونے کیلئے صرف دریا عبور کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا تھا ___ شیخا میر کی قیمت مجاہدین کو بہت سے زخمیوں اور شہیدوں کی صورت میں ادا کرنی پڑی ___

موت کی تیغیں دل دانا کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں

دریا پار (شمالی کنارے پر) فاصلے فاصلے سے دشمن کی بہت سی چوکیاں بنی ہوئی تھیں، ان کی سرکوبی کیلئے مجاہدین کے سرفروش دستے، مشرق سے مغرب تک جنوبی کنارے اور وہاں کی خالی بستیوں میں پھیل گئے، ان کی تابڑ توڑ گولہ باری نے دشمن کو نئی چوکیاں اور مورچے بنانے سے باز رکھا اور اسے سخت نقصان پہنچایا۔ اب وہ ایسے مقامات

تلاش کر رہے تھے جہاں سے دریا عبور کرنا نسبتاً آسان اور جنگی حکمت عملی کے زیادہ مناسب ہو۔

المناک حادثہ

"حرکۃ الجہاد" کے جانباز جو کمانڈر نصر اللہ (انگریال) کی قیادت میں "شیخا میر" کے قریب ایک ساحلی بستی "سرگئی" میں آگئے تھے ' رمضان کی تقریباً دسویں شب کو بست سے افغان اور عرب بھائیوں کے ساتھ وہاں سے آزمائشی طور پر دریا پار کرنے اور دوسرے کنارے کا جائزہ لینے (ریکی) کی غرض سے نکلے 'ابھی دریا کو پار کرنے کیلئے مناسب مقام کی تلاش جاری تھی کہ ۸ عرب جانباز جنہیں پہاڑی دریائی شوخیوں کا اندازہ نہ تھا اس میں اتر پڑے 'ساتھیوں کو خبر اس وقت ہوئی جب برفاب کا سرکش دھارا انہیں اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ بچانے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۸ ساتھیوں کے اس طرح چھن جانے کے باعث بقیہ رات اس تردد میں گذری کہ دریا پار کریں 'یا واپس جائیں؟ سحری کے وقت دشمن کے فائروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا 'بہ مشکل نماز فجر کے بعد واپسی ہوئی۔

پرخطر لیکن ناگزیر

"جنار پوست" کے سامنے بھی دریا کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ دشمن کے کئی قلعے 'ٹینکوں کے دستے 'اور ان کے پیچھے شمال ہی میں دشمن کا مضبوط ترین قلعہ "دشتِ قلعہ" تھا 'جب تک یہ قلعے زیر نہ ہوں 'اس طرف سے بھی دریا عبور کرنا ممکن نہ تھا ان رکاوٹوں سے نمٹنے کیلئے ایک مرحلہ وار منصوبے پر عمل کرنا پڑا 'جو پرخطر بھی تھا ناگزیر بھی ــــ تاہم اس کیلئے دشمن کا ایک "مقصو ضعیف" تلاش کر لیا گیا تھا۔

"حرکۃ المجاہدین" کے مرکزی کمانڈر "مولوی شبیر احمد" چنار پوسٹ کی قریبی بستی سے تقریباً ۵۰ ساتھیوں کے ہمراہ دریا کے کنارے کنارے مشرق کی طرف چل کر ایئرپورٹ کے جنوب میں جا پہنچے۔ یہ رمضان کی ۱۲ ویں شب تھی ___ یہاں دریا کے پار سامنے دشمن کی ایک بستی تھی اور اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایئرپورٹ کا علاقہ شروع ہوتا تھا، وہیں ایئرپورٹ سے متعلق ایک دور افتادہ عمارت بھی تھی، شہر یہاں سے تقریباً شمال مغرب میں تھا ___ مشرق سے "فاران باغ" کے مجاہدین پہلے سے ایئرپورٹ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے "کوچیوں کے علاقے" اور شمال سے بھی شہر پر حملوں کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اور دشمن فوجیں ان کے ساتھ بری طرح الجھی ہوئی تھیں ___ مولوی شبیر صاحب کو اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، یہاں سے دریا عبور کر کے سامنے کی بستی پر قبضہ کرنا تھا ان کے سب ساتھی تیراک تھے۔

نصف شب کے قریب ان کے پیچھے (جنوب) سے مجاہدین کی توپوں نے اس بستی پر اچانک شدید گولہ باری شروع کی اور کئی گھنٹے بعد، جب یہ اندازہ ہوا کہ بستی کو دشمن خالی کر چکا ہو گا، آخر شب میں ان جانبازوں نے اس فائر کے سائے میں دریا کو نہایت خاموشی سے عبور کر لیا، بستی خالی پڑی تھی کسی مزاحمت کے بغیر قبضے میں آگئی۔ دشمن جو ایئرپورٹ کی دور افتادہ عمارت اور مورچوں کی طرف پسپا ہو چکا تھا ان مجاہدین سے بے خبر تھا جو بستی میں پہنچ چکے تھے ___ ان کے تحفظ اور بستی پر ان کا قبضہ برقرار رکھنے کیلئے پیچھے (جنوب) سے مجاہدین کی توپیں دشمن کی عمارت اور مورچوں کو نشانہ بناتی رہیں ___

۵۱ جانبازوں کا یہ دستہ، فائر کے سائے میں دن بھر اپنی پوزیشن مستحکم بنانے میں مشغول رہا، بھوکے پیاسوں کیلئے، دشمن کے علاقے میں یہ سخت آزمائش کا دن تھا، لیکن دشمن کے شکستہ حوصلے نے یہ مرحلہ آسان کر دیا ___ ان میں ۱۱ جانباز "حرکۃ المجاہدین" کے اور باقی ۴۰ دینی مدارس کے افغان طلبہ تھے جن کا تعلق مولانا جلال الدین حقانی کی تنظیم سے تھا۔ منصوبے کی تفصیل تو انہیں بھی معلوم نہ تھی، لیکن یہ احساس ذمہ داری ان کے حوصلوں کو "دوآتشہ" کرنے کیلئے کافی تھا کہ جو کردار انہیں سونپا گیا ہے، وہ

ہی تھا کہ سامنے کی چھوٹی پہاڑیوں سے دھویں کی ایک لکیر تیزی سے اس کی طرف دوڑتی ہوئی نمودار ہوئی' وہ بچنے کیلئے اوپر ہوا' لکیر بھی اوپر گئی' اور ہیلی کاپٹر میں جا گھسی ____ ریموٹ سے کنٹرول کیا جانے والا میزائل اس کے پرخچے اڑا چکا تھا!

رات کو حاجی خان محمد نے بھی ۱۵ تیراک جانبازوں کے ساتھ' جن میں سہیل احمد اور حافظ رب نواز سمیت کئی ساتھی "حرکۃ المجاہدین" کے تھے' دریا عبور کر لیا ____ آسمان صاف تھا' ۱۴ رمضان کا چاند پورے ماحول پر آب وتاب سے چاندنی بکھیر رہا تھا البستی کی طرف جاتے ہوئے اس دستے کو دشمن طیارے نے تاک لیا' اور بہت بلندی سے کلسٹر بم پھینکے' لیکن یہ کسی نقصان کے بغیر بستی کے فاتح ساتھیوں سے جا ملے ____ یہ ان کے لئے کھانا بھی لائے تھے اور مزید اسلحہ بھی۔

صبح (۱۵ رمضان کو) ۸ بجے کے قریب ایئرپورٹ کی اسی عمارت سے بکتربند گاڑیاں نمودار ہوئیں' پیچھے پیدل فوجی بھی تھے' وہ فائرنگ کرتے ہوئے البستی کی طرف بڑھ رہے تھے' یہاں سرفروشوں نے' جو ایسی ہر صورت حال سے نمٹنے کیلئے پہلے سے مورچہ زن تھے' ڈٹ کر مقابلہ کیا' پیچھے (جنوب) سے مجاہدین کی توپوں نے بھی گولہ باری کی۔ ۲ گھنٹے کی لگاتار جھڑپ کے نتیجے میں فوجیوں کو اپنی کئی لاشیں چھوڑ کر اسی عمارت میں پسپا ہونا پڑا ____

دوسرا مرحلہ

دشمن کی اس نیم دلانہ کوشش سے یہاں اس کی نفری کی قلت' اور ٹوٹے ہوئے حوصلوں کا مجاہدین کو خوب اندازہ ہو گیا' اب وہ زیادہ خود اعتمادی سے اگلا مرحلہ شروع کرنے کیلئے تیار تھے۔

یہاں "سہیل" سمیت کچھ جوانوں کو مولوی شبیر صاحب کی قیادت میں چھوڑ کر' حاجی خان محمد تقریباً ۲۰ ساتھیوں کے ہمراہ' مغرب کی طرف دریا کے کنارے ان چھوٹے چھوٹے چار قلعوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہو گئے جو یہاں سے "چار پوسٹ"

تنگ کے علاقے تک مجاہدین کیلئے دریا پار کرنے میں سدِ راہ بنے ہوئے تھے ان قلعوں پر مجاہدین کی توپوں اور ٹینکوں نے جنوبی کنارے سے گولے برسانے شروع کر دیئے تھے ـــــ "معرکہ کا مجاہدین" کے کمٹ مشن جانباز "حافظ رب نواز" بھی حاجی صاحب کے ساتھ گئے شوقِ شہادت اور اللہ پر توکل کا "زادِ راہ" بھی ساتھ لے گئے۔

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

تیسرا مرحلہ

عین اسی وقت یہاں سے بہت دور مغرب میں "معرکہ کیلا بندر" کے کمانڈر نصر اللہ نے "سرکی" بستی میں اپنا قائم مقام مولوی عبدالقیوم کو مقرر کیا اور خود تقریباً ۲۲ ساتھیوں کو لیکر دریا کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ مشرق کی سمت روانہ ہوئے اور عصر کے وقت ایک اور مفتوحہ ساحلی بستی میں جا پہنچے
یہاں سے وہ چار قلعے جن کی سرکوبی حاجی فضل محمد کر رہے تھے مشرق ہی میں کئی کلو میٹر پر تھے اس بستی سے کمانڈر نصر اللہ نے چند روز پہلے ایک گھوڑا اور ایک فوجی پکڑا تھا جو خود کو شیعہ بتاتا تھا اس کا کہنا تھا کہ وہ مجبور ہے اور کمیونسٹ انتظامیہ نے اسے کابل سے پکڑ کر زبردستی یہاں بھیجا ہے۔

مولوی "نور الامین" صاحب کا بیان ہے کہ بستی کے آس پاس جگہ جگہ پیراشوٹ بکھرے پڑے تھے جن میں بندھے ہوئے صندوقوں میں گولہ بارود، ڈیزل کے ڈرم اور کھانے پینے کا وافر سامان تھا۔ سامنے دریا کے پار جھاڑیوں میں چھپی ہوئی دشمن کی "وزیری پوسٹ" تھی جس پر مجاہدین کئی دن سے گولہ باری کر رہے تھے یقیناً یہ رسد اس کیلئے پھینکی گئی تھی مگر کاتبِ تقدیر اس پر نام مجاہدین کا لکھ چکا تھا ـــــ
یہ پوسٹ ہم سے بے خبر تھی اور دور جنوب مشرق کے مجاہدین پر فائرنگ

کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں مولانا جلال الدین حقانی کے وردیوں میں ملبوس مجاہدین بھی آکر پوسٹ کی سرکوبی کیلئے توپیں نصب کرنے لگے ___ کچھ ساتھیوں نے خالی بستی میں گھومتی ہوئی مرغیاں پکڑ کر افطاری تیار کرنی شروع کر دی۔

ہمارا خیال تھا کہ پروگرام رات کو دریا پار کر کے پوسٹ پر حملہ کرنے کا ہے، لیکن اس پر عصر کے بعد ہی موت کی سی خاموشی چھا گئی ___ بعد میں پتہ چلا کہ دشمن اسے خالی کر کے شہر کی راہ لے چکا ہے۔ اتنے میں مولانا پیر محمد اور "حرکۃ الجہاد" کے مرکزی امیر مولانا سعادت اللہ بھی "سرکی بستی" سے ہوتے ہوئے وہاں کے باقی مجاہدین کو ساتھ لے کر یہاں آپہنچے۔ اس طرح یہاں کئی سو مجاہدین ہو گئے۔

مولانا پیر محمد کا رابطہ وائرلیس پر مشرق کے مجاہدین سے قائم تھا۔ انہوں نے آتے ہی سب کو جمع کیا اور فوراً دریا پار کرنے کا ولولہ انگیز حکم سنا دیا۔ پھر تو کسی کو تازہ بنائے ہوئے پراٹھوں کا ہوش رہا نہ انڈوں اور بھونی ہوئی مرغیوں کا ___ جذبۂ شہادت کا ایک امڈتا ہوا طوفان تھا جو چھلانگ لگاتا دریا کی طرف دوڑ پڑا۔

سب سے پہلے کچھ افغان ساتھیوں نے دریا عبور کیا، پھر وہ ساتھیوں کے ہمراہ نصر اللہ اترے، وہ ایک بڑا رسہ بھی ساتھ لے گئے، جس کا ایک سرا یہیں اور دوسرا دوسرے کنارے پر باندھ دیا گیا۔

میدانی علاقوں سے آئے ہوئے مجاہدین کے لئے پہاڑی دریا بالکل نئی آزمائش تھی، تیراکوں کے لئے بھی اس میں تیرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ انہوں نے رسہ کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کی، لیکن برفاب کا تیز دھارا زمین پر پاؤں ٹکنے نہ دیتا تھا، رسے کو بھی تند و تیز لہروں میں قرار نہ تھا، اس نے ایسے زوردار جھٹکے دیئے کہ کئی جوان قلابازی کھا گئے ___ سرگودھا کے محمد نعیم اور ان کے ساتھی "نعیم اللہ" بے قابو ہو کر گرے اور دھارے میں بہہ پڑے، انہیں تنظیم کے امیر "مولانا سعادت اللہ" کے "مشق کو رہا مجاہد "بختیار حسین بنگلہ دیشی" اور "رحمت اللہ افغانی" نے اپنی جانوں پر کھیل کر نکالا، محمد نعیم

بے ہوش تھے نعیم اشرف کی کلاشنکوف بہہ گئی تھی ـــــ باقی مجاہدین کنارے پر تذبذب اور بے بسی کی حالت میں کھڑے تھے کہ اچانک مولانا بیر محمد کی آواز گونجی:

"غازیو! کسی دریا نے آج تک مجاہدین اسلام کا راستہ نہیں روکا۔ کیا تم اللہ کے راستے کے مجاہد نہیں؟"

آواز کیا تھی! مومن کا یقین زبان پر آکر چیخ اٹھا تھا، ایک بجلی تھی جو ہر ایک کے رگ و پے میں کوند گئی ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے کنارہ خالی تھا، اور دریا روتے دھاڑتے مجاہدین کے بپھرے ہوئے طوفان کا سامنا کر رہا تھا۔ بہت سوں نے روزہ دریا ہی میں افطار کیا، اور ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے کنارہ نصراللہ سے جا ملے

ہم تو نصراللہ شعر و سخن کے آدمی نہیں، اور "قال" کے بجائے "حال" کے قائل ہیں۔ لیکن آج دوا تنے پر جوش تھے کہ مولوی نور الامین کے بیان کے مطابق ـ ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور چیخ چیخ کر ساتھیوں کا استقبال اس شعر سے کر رہے تھے

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

گھوڑا

غنیمت میں سے ہوئے گھوڑے نے جس کے سب سے زیادہ مستحق "خالد محمود کراچوی" تھے، انہیں بیساکھیوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ یہی گھوڑا کئی دن سے ان کا عارضی مشغلہ تھا، اور دونوں میں خوب دوستی ہو گئی تھی ـــــ

وہ کہتے ہیں کہ ساتھیوں کو دریا عبور کرنے میں مشکل اس لئے پیش آئی کہ انہوں نے جنوبی کنارے سے شمالی کنارے کی طرف سیدھے جانے کی کوشش کی، جبکہ میں نے دریا کے جو مشرق کی طرف بہہ رہا تھا ـــــ قدرے صلح کر کے گھوڑا ترچھے رخ پر (جنوب سے شمال مشرق کی طرف) چلایا، اور کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

گھوڑے کا ذکر آیا ہے تو جہاد کے حوالے سے اس کے بارے میں قرآن وسنت کی کچھ ہدایات کا بیان یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے ــــــ قرآن حکیم نے مسلمانوں پر فریضہ عائد کیا ہے کہ :

"وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِه عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُم وَاٰخَرِينَ مِن دُونِهِم، لَا تَعلَمُونَهُم، اَللّٰهُ يَعلَمُهُم، وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيكُم وَاَنتُم لَا تُظلَمُونَ"

"اور ان (کفار) کے لئے جتنی تم سے ہو سکے "قوت" اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے (معلوم) دشمنوں پر اور دوسرے (دشمن) پر جن کو تم نہیں جانتے اللہ ہی ان کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ (مثلاً جہاد) میں خرچ کرو گے وہ تم کو (آخرت میں بصورت ثواب اور دنیا میں بصورت مال غنیمت) پورا پورا ملے گا اور تمہارے حق میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

(سورۃ الانفال ... ۶۰)

اس آیت میں ۳ باتیں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ یہاں "ما استطعتم" (جتنی تم سے ہو سکے) فرما کر یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہاری کامیابی کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان

ہے تم بھی اتنا تو حاصل کر لو بلکہ اتنا کافی ہے کہ اپنی قدرت کی حد تک جو سامان ہو سکے اس میں کمی نہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔
(تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۲۶۲)

(۲) یہاں قرآن حکیم نے اس زمانے کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ''قوت'' کا جامع لفظ اختیار فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ ''قوت'' ہر زمانے اور ہر ملک و مقام میں مختلف ہو سکتی ہے۔ اس زمانے کے اسلحہ تیر، تلوار، نیزے اور منجنیق تھے، اب رائفل، توپ، راکٹوں، ایٹم بم، میزائلوں اور آبدوزوں کا دور ہے۔ آئندہ ان سے بھی زیادہ موثر ہتھیار ایجاد ہو سکتے ہیں، مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے جدید ترین ہتھیار اور سامان جنگ تیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں کہ یہ سب اسی ''قوت'' میں داخل ہیں جس کی تیاری قرآن کریم نے فرض کی ہے۔

(۳) اس آیت میں لفظ ''قوت'' کے بعد، جو ہر قسم کے سامان جنگ کو شامل ہے، ایک خاص ''قوت'' کا صراحتاً بھی ذکر فرمایا گیا ہے ''ومن رباط الخیل'' یعنی ''پلے ہوئے گھوڑے'' ___ یہاں خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا ذکر فرمانے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اس زمانے میں گھوڑے ہی جہاد کیلئے سب سے زیادہ کار آمد اور کارگر سواری تھے ___ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلحہ اور دوسرا سامان جنگ تو وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، نئی ایجادات پچھلے سامان کی جگہ لے لیتی ہیں، لیکن گھوڑے کی ضرورت و افادیت پھر بھی باقی رہتی ہے ___ موجودہ مشینی دور میں بھی جبکہ طرح طرح کی جنگی سواریاں ایجاد ہو رہی ہیں اور جانوروں کا استعمال نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے، بہت سی جنگی مہمات میں گھوڑے ناگزیر ہوتے ہیں، دنیا کی کوئی اچھی فوج آج بھی گھوڑوں کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتی اور فوجیں ان کی نسل بڑھانے اور پرورش و تربیت کا اہتمام کرتی ہیں ___ تو یہاں گھوڑوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں شاید یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جہاد میں گھوڑوں کی ضرورت و افادیت آئندہ زمانے میں اگرچہ کم ہو جائے لیکن ختم نہیں ہوگی ___ اور آنحضرت ﷺ نے تو اس کی تقریباً صراحت ہی فرما دی ہے، حضرت جریر بن عبداللہ

ہوئے کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی سے بل دیتے ہوئے فرما رہے تھے کہ :

"اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ
الْقِیَامَةِ اَلْاَجْرُ وَ الْغَنِیْمَةُ"

"گھوڑوں کی پیشانی کے ساتھ "خیر" قیامت تک بندھی رہے
گی، (یعنی) ثواب اور مال غنیمت۔"
(صحیح مسلم ۱۰۰)

جہاد کیلئے گھوڑے پالنے کا عظیم اجر و ثواب متعدد احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کی پرورش و تربیت اور دوڑ کے مقابلوں کا اہتمام فرماتے تھے ___ اسلامی معاشرے میں جہاد کے گھوڑوں کا اتنا احترام تھا کہ خواتین اسلام ان کے کانوں کا غبار اپنی اوڑھنیوں سے پونچھتی تھیں ___ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مشہور جاں نثار شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو اپنے ایمان افروز نعتیہ قصیدوں کے ذریعے کافر شاعروں کی خرافات اور الزامات کا منہ توڑ جواب دیتے، دوران جنگ آنحضرت ﷺ کی حمایت میں ضرب کاری لگاتے تھے ___ کہ شعر اس زمانے کے ذرائع ابلاغ میں دشمن کو گھائل کرنے کا موثر ترین ذریعہ تھا ___ انھوں نے ایسا ہی ایک قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آپ نے دعائیں دیں اور فرمایا کہ "حسان نے دل ٹھنڈا کر دیا" اسی قصیدے میں کئی شعر[۲] مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی شان و شوکت بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :

تَظَلُّ جِیَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ
تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

۱۔ صحیح مسلم ___ حدیث جلد ۲ (کتاب) باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۔ ترجمہ "ہمارے [illegible] (پسینے) [illegible] جنھیں
جاتے ہیں [illegible] عورتیں اپنی اوڑھنیوں سے پونچھتی (جھاڑتی) ہیں۔"

حافظ رب نواز

دشمن نے "نوشتہ دیوار" بہت دیر سے پڑھا مگر بہرحال پڑھ لیا تھا' چنانچہ حاجی خان محمد اور حافظ رب نواز کے دستے کا بھی وہ کہیں جم کر مقابلہ نہ کر سکا اس دستے اور دیگر مجاہدین کی تو پوں نے عصر تک چاروں قلعوں کو دشمن سے خالی کرا لیا تھا' جس کے فوراً بعد وہ شمالی کنارے کی بقیہ پوسٹوں کو بھی لڑے بغیر ہی خالی کر گیا ___ شہر کی فتح کا دروازہ کھل گیا تھا۔

مولوی "سہیل احمد" بتاتے ہیں کہ جیسے ہی وائرلیس پر یہ اطلاع ملی' جنوب سے مجاہدین فوج در فوج دریا پار کرنے لگے' اور ہم شبیر صاحب کی قیادت میں ان مفتوحہ قلعوں کو بائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے' تیزی سے "قلعہ تختہ بیگ" کی طرف روانہ ہوئے' راستے میں تازہ دم مجاہدین کے بہت سے دستے ہمارے ساتھ شامل ہوتے گئے' مجاہدین کے کئی ٹینکوں نے بھی اس راستے سے دریا عبور کر لیا جسے دشمن کے ٹینک استعمال کرتے تھے ___ کچھ آگے جا کر ہم حاجی خان محمد اور حافظ رب نواز کے دستے سے ملے' جسے اب شمالی کنارے سے دشمن کا صفایا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا' جا ملے' اور "قلعہ تختہ بیگ" پر حملہ آور ہو گئے۔

قلعے سے کچھ دیر فائرنگ ہوتی رہی' مگر مجاہدین کی تعداد اور حملوں کی شدت میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا' تھوڑی ہی دیر میں قلعے پر موت کا سا سناٹا چھا گیا' یہ قلعہ کچھ بلندی پر تھا' دیواریں بھی اونچی تھیں' دروازہ کسی اور طرف تھا' مجاہدین مختلف سمتوں سے فائر کرتے ہوئے' قلعے پر چڑھنے لگے ___

شام کا دھندلکا شروع ہو گیا تھا' ہمارے کمانڈر مولوی شبیر صاحب نے ہدایت کی کہ کوئی پاکستانی ساتھی قلعے میں داخل نہ ہو' اسی دوران ہمیں آس پاس اور دائیں بائیں سے روشنی کی گولیوں کا برسٹ گذرتا ہوا دکھائی دیا' پھر دوسرا برسٹ گذرا' تو فوراً

کمانڈر صاحب نے سرتیجوں کو آڑ میں چھپنے کا حکم دیا۔

یہ فائر قریب کے ایک اسلحہ ڈپو سے آرہے تھے' اسی طرف کچھ پرانے مکانات تھے' ہم پناہ لینے کیلئے ان کی طرف دوڑے' کچھ زمین پر لیٹ گئے' حافظ رب نواز میرے قریب ہی کھڑے تھے' میں نے بھاگتے ہوئے انہیں بھی آواز دی' انہیں پیچھے آواز میں پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ وہیں ایک درخت کی اوٹ کی طرف بڑھ رہے تھے ـــــ

میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہیں گولی لگی' اور وہ زور سے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا کر گر پڑے' ـــــ گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں' انہیں اٹھا کر لانا خطرناک تھا۔ اس وقت فوجی قیدی جنہیں مجاہدین نے راستے سے پکڑا تھا' ہمارے پاس تھے' ہم نے ان پر کلاشنکوف تان کر حکم دیا تو وہ بھائی رب نواز کو گولیوں کی بارش سے نکال کر ہمارے پاس لے آئے۔

بھائی رب نواز خندقی کے سے عالم میں تھے' میگزینوں کی جو پیٹی ان کے سینے پر بندھی ہوئی تھی' دشمن کی گولی اس میں آ لگی تھی جس سے میگزینوں کی گولیاں بھی پھٹ کر ان کے پیٹ اور جسم کے دوسرے حصوں میں پیوست ہو گئی تھیں ـــــ!

کمانڈر صاحب نے مجھے حکم دیا کہ انہیں پیچھے منتقل کروں اور دونوں قیدی بھی ساتھ لے جاؤں' بازی کے مرکز سے وائرلیس پر درخواست کی گئی کہ فوراً ایک گاڑی دریا کے کنارے بھیج دی جائے۔

میں نے جلدی جلدی بھائی رب نواز کو ایک چادر پر لٹایا' اگلی چیزیں' خنجر اور کمرے بندھا ہوا رسہ جو گزشتہ رات دریا پار کرنے کیلئے ساتھ لائے تھے' اور غیر ضروری کپڑے اتار دیئے' اور ایک افغان ساتھی اور دونوں قیدیوں کی مدد سے ان کو چادر میں اٹھا کر ہم ویران مکانات کی اوٹ لیتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ آگے ڈھلوانی کھیت تھے' ہم فائرنگ رکنے کے انتظار میں آخری مکان کی اوٹ میں جا کر بیٹھ گئے۔

قلعہ تخت بیگ ہماری پشت پر تھا' اتنے میں تقریباً تیس فوجی قلعہ سے نکل کر بھاگے

نظر آئے وہ سب سادہ لباس میں اور خالی ہاتھ تھے ان کا رخ بھی دریا کی طرف تھا 'کچھ مجاہدین اوٹ سے نکل کران کے تعاقب میں جھپٹے لیکن واسطہ وہیں سے ان پر فائرنگ ہوئی تو واپس لوٹ گئے ۔

بھگوڑے فوجیوں نے انہیں دیکھ لیا تھا وہ دریا کی طرف ہم سے کترا کر بڑھے تو ادھر سے مجاہدین کے ٹینک پیش قدمی کر رہے تھے ' اور دشمن ان کی طرف راکٹ برسا رہا تھا مجبوراً وہ چند پرانے مکانات کے پیچھے چھپ گئے ۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ' افغان ساتھی کو وہیں چھوڑا اور کلاشنکوف سے ہوائی فائر کرتا ہوا ان کے سر پر جا پہنچا ' میرے پاس چھ میگزین بھری ہوئی تھیں ' جیبوں میں بھی کافی گولیاں تھیں ' میں نے پہنچتے ہی للکار کر ان کے ہاتھ اٹھوائے اور کلاشنکوف سے ہانکتا ہوا بھائی رب نواز کے پاس لے آیا ' افغان ساتھی کی مدد سے سب کی فوراً فوراً تلاشی لی ' اور فائرنگ کا زور کم ہوتے ہی بات ہی قطار بنوا کر ہم نے تیزی سے کھیتوں کو عبور کر لیا ۔ دریا کے قریب خالی بستی سے ایک چارپائی تلاش کی ' اور اس پر بھائی رب نواز کو لٹا کر آگے روانہ ہوئے ۔

دریا کے کنارے "حاجی خلیل صاحب " چار ٹینکوں کے ساتھ موجود تھے ۔ قیدی ان کے حوالے کئے ــــــ انہوں نے ایک قیدی کو فوراً اہل شہر کی طرف یہ پیغام دیکر روانہ کر دیا کہ " آپ لوگ اب بھی ہتھیار ڈالدیں تو امان دیدی جائے گی " ۔

ہم نے ایک "مینو" ٹرک پر دریا عبور کیا ' یہ ٹرک مجاہدین کو دریا عبور کرانے ہی کیلئے کھڑے تھے ' اس دوران طیاروں نے حملہ کیا ' مگر اللہ نے بچا لیا ۔

آگے بھائی رب نواز کو ایک جیپ میں لیکر روانہ ہوئے ۔ اب مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا تو یہ دیکھ کر دل ڈوبنے لگا کہ ان کی حالت بہت نازک ہو چکی ہے ' سسکیاں سی آرہی تھیں ' سید ھا لیٹنا مشکل تھا ' غنودگی کے عالم میں گاڑی کے ہر جھٹکے پر ان کے منہ سے "الحمد اللہ " کی صدائیں نکل رہی تھیں ۔

اچانک افغان ڈرائیور نے مغرب کی نماز کیلئے گاڑی روک دی' ہم نے سمجھانے کی کوشش کی کہ وقت میں گنجائش ہے' آگے جاکر پڑھ سکتے ہیں مگر اس نے سنی ان سنی کر دی ــــــ

اس وقت بھائی رب نواز آنکھیں بند کئے پرسکون لیٹے تھے - مجھے تشویش ہوئی' اور انگلیوں سے ان کی آنکھیں کھول کر دیکھنی چاہیں تو انہوں نے سر کے خفیف سے اشارے سے منع کر دیا ــــــ ان کی زبان آہستہ آہستہ ذکر میں مشغول تھی -

ہم نے جلدی جلدی وضو کیا' ایک ساتھی نے اذان دی' اور دوسرے نے جاکر بھائی رب نواز کو دیکھا تو وہ ست دور ــــــــــ جاچکے تھے ــــــ اپنے اصلی وطن' جس کی تمنا میں وہ برسوں سے افغانستان کے مختلف محاذوں پر سرگرداں تھے - وہ سروں کے لئے خوست کا دروازہ کھولنے والا رب نواز' جنت کا رخ کرچکا تھا - اناللہ و انا الیہ راجعون -

نماز مغرب باجماعت ادا کر کے آگے روانہ ہوئے تو پیچھے اسی سلجو ژ چوکی طرف سے جس کی گولی بھائی رب نواز کے سینے میں لگی تھی' ایک بہت بڑا شعلہ آسمان کو چھوتا دکھائی دیا' دھماکے بھی سنائی دیئے ــــــ! معلوم ہوا کہ اسے مجاہدین نے بارود سے اڑا دیا ہے' اور اندر کے اسلحے نے پھٹ کر اندر کے سفاک فوجیوں کے پرخچے اڑا دیئے ہیں ــــــ اس خبر کی ٹھنڈک دیر تک دھکتے ہوئے سینے کو تھپتھپاتی رہی ــــــ!

جہاد افغانستان کے دوران کئی ساتھیوں سے میں نے شہداء کے خون سے خوشبو آنے کے واقعات سنے تھے' ایک بار کسی کے رومال پر لگے خون کے دھبوں سے خوشبو سونگھی بھی تھی' لیکن خود کسی شہید کا مشاہدہ نہیں کیا تھا ــــــ

یہ خیال آتے ہی میں نے اپنی انگلی بھائی رب نواز کے خون میں ڈبو دی - سونگھا تو وہ بالکل عجیب و غریب خوشبو تھی' میں اسے کسی اور خوشبو سے تشبیہ نہیں دے سکتا' کیونکہ وہ اتنی دلکش تھی کہ کبھی تصور میں بھی نہ آئی تھی -

غرض! دل کی دنیا میں ایک ہلچل اور عجیب سی کیفیات لئے ہم مولانا حقانی کے

مرکز "سلمان فارسی" پہنچے اور شہید کے جسم کو ایمبولینس میں ساتھ لیا (پاکستان) روانہ کردیئے گئی، یہاں جسم تو ــــ وہ شان کی روح تو اس منزل مقصود پر پہنچ چکی تھی جس کی تمنا ہر مجاہد کو رہتی ہے اور جس کی تڑپ میں آج بھی انھوں نے جنگ میں جانے سے پہلے ساتھیوں سے کہا تھا "میری شہادت کی دعا کرنا" ــــ !

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

فتح مبین

ادھر مغرب کی طرف سے مجاہدین کے جس قافلے نے مولانا پیر محمد صاحب کی قیادت میں دریا پار کیا تھا، وہ بھیگے کپڑوں ہی میں نماز مغرب کے فوراً بعد شہر کا رخ کر چکا تھا۔

مولوی نور الامین جو "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ساتھیوں کے ہمراہ اس قافلے میں شامل تھے کہتے ہیں کہ راستے میں درجنوں قلعے اور چوکیاں آئیں مگر سب خالی پڑی تھیں، ہم پرجوش ترنم کے ساتھ حضرت کیفی مرحوم[ا] کی ولولہ انگیز نظمیں "نگاہ ضرب حیدری" ورد

وہ سنگ گراں جو حائل ہیں رستے سے ہٹا کر دم لیں گے

پڑھتے ہوئے برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے چلے گئے ــــ

مولانا پیر محمد صاحب نے اعلان کر دیا تھا کہ جس مکان سے فائرنگ نہ ہو اس

[ا] یعنی "مجاہد" کے "بھائی جان" جناب محمد زکی کیفی مرحوم۔ مجموعہ کلام "کیفیات" بار بار چھپ چکا ہے، تغزل ان کی شاعری کا اصل میدان تھا، اسی لئے ان کی نظموں میں بھی بلا کی سلاست اور تاثیر ہے، بہت سی نظمیں مجاہدین کو ازبر یاد ہیں اور ان کے جذبات کو گرمائے رکھتی ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں لاہور میں انتقال ہوا، اس کتاب میں بھی ان کے اشعار جابجا آئے ہیں۔ قارئین سے ان کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ رفیع

سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے نیز عورتوں اور بچوں پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے۔ اس شرعی حکم کی سختی سے پابندی کی گئی اور ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں شہر کے مغربی حصے میں جا پہنچے۔ یہاں ایک ہیلی کاپٹر صحیح سالم خالی کھڑا تھا، کچھ آگے ٹینکوں کے ورکشاپ میں پندرہ بیس ٹینک کھڑے تھے جنہیں کچھ مجاہدین اپنی تحویل میں لے کر ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔

اب تک دشمن کی طرف سے کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی تھی، ہم خوست بازار کی طرف بڑھے تو "قلعہ متون" کی طرف سے فائر آنے لگے، ہم رکے بغیر مرکزی فوجی ہسپتال پہنچے جو کئی منزلہ تھا، اس میں کئی سو فوجی زخمی پڑے تھے اور اسے جناب حکمت یار گلبدین کے مجاہدین اپنی تحویل میں لے چکے تھے۔

ہم تیزی سے خوست کے سب سے بڑے فوجی ورکشاپ کی طرف بڑھے جو کافی بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا، فوج یہاں سے بھی بھاگ چکی تھی، اسی کے سامنے فائر بریگیڈ اسٹیشن مع اپنی گاڑیوں کے خالی پڑا تھا۔ ورکشاپ میں درجنوں بلڈوزر، ٹرک، ٹریکٹر، بڑی مقدار میں نئے اسپیئر پارٹس اور گاڑیوں کے پرزے بنانے والی مشینیں موجود تھیں۔

یہ ورکشاپ "قلعہ متون" کے بہت قریب تھا، مگر وہاں اب خاموشی چھائی تھی، ہم یہ سمجھ کر کہ دشمن وہاں سے بھی فرار ہو چکا ہے اس کی طرف سے بے فکر ہو گئے اور ایک پختہ روڈ سے جس کے دونوں طرف کئی کئی منزلہ مکانات تھے گذرتے ہوئے جیسے ہی قریبی چوک پر پہنچے تو ایک مکان سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ مولانا نیر محمد صاحب مجھ سمیت ایک دستے کو مولانا عبدالقیوم صاحب کی قیادت میں اس مکان کی خبر لینے اور ورکشاپ کی پہرے داری کیلئے مقرر کر کے آگے روانہ ہو گئے۔

ہمارا خیال تھا کہ دشمن صرف اسی مکان میں ہے مگر ساتھیوں نے جیسے ہی اس پر ہلہ مارا، اوپر قلعہ متون کی پہاڑی سے آٹومیٹک مشین گنوں نے گولیوں کی موسلا دھار بارش شروع کر دی، اب پتہ چلا کہ قلعہ پر دشمن اب تک ڈٹا ہوا ہے، ہماری تعداد بہت کم

تھی جن میں سے ۴ ساتھی یہاں زخمی ہو گئے، اس لئے مولانا عبدالقیوم صاحب نے فیصلہ کیا کہ دشمن کے خلاف مزید کارروائی امیر صاحب کے مشورے اور نئی منصوبہ بندی کے بغیر نہ کی جائے اور فی الحال زخمی ساتھیوں کی جان بچانے کی کوشش کی جائے جو اب تک دشمن کے پاس پڑے تھے۔

"حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے ماہنامے "الارشاد" کے مدیر مولوی عبدالحمید عباسی بتاتے[1] ہیں کہ ہم مولانا پیر محمد صاحب کی قیادت میں وسط شہر میں پہنچے تو وہاں مختلف اطراف سے فتوحات کر کے آنے والے مجاہدین کے جتھے ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔

ہمارا دستہ کمیونسٹ فوج کی خفیہ تنظیم "خاد" کے مرکز اور وزارت تعلیم کی عورتوں کی تلاشی لیتے، اور ان پر پہرہ مقرر کرتا ہوا "شورائی زنان افغانستان" (خواتین افغانستان کونسل) کے دفتر پہنچا۔ اس میں ایک تصویر آویزاں تھی جس میں عورتیں اور مرد ایک ساتھ حوض میں ننگے نہاتے دکھائے گئے تھے، اور نیچے پشتو میں تحریر تھا کہ:

> "روس کے افغانستان میں آجانے کے بعد مرد و زن کو آزادی ملی، اور کابل حکومت نے لوگوں کو "تفریح" کے مواقع فراہم کئے۔"

یہاں سے خواتین کے لئے ایک ماہنامہ بھی نکلتا تھا۔

یہاں سے ہم نے خوست کی مضبوط چھاؤنی تخت بیک کا رخ کیا، یہ شہر اور ایئرپورٹ کے درمیان ایک اونچائی پر واقع ہے، فصیل کی موٹائی ۸۔۹ فٹ ہوگی، دروازے پر کمیونسٹ فوجیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں، مشرقی حصے سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے۔

---

[1] ماہنامہ "الارشاد" فتح خوست نمبر ص ۱۰

یہ رمضان المبارک کی ۱۵ویں شب تھی ' ہر طرف بکھری چاندنی میں پورا شہر نظر آرہا تھا ' شہر کے مفتوحہ علاقوں سے مجاہدین رنگ برنگی گولیاں فائر کر کے خوشیاں منا رہے تھے ' بعض علاقوں میں اب تک جھڑپیں جاری تھیں ' وہاں دو طرفہ فائرنگ ہو رہی تھی۔

اس قلعے میں ۶ ہزار سے زیادہ کلاشنکوفوں کے علاوہ بھاری توپیں ' راکٹ لانچرز ' طیارہ شکن توپیں ' ٹی ٹی پستول ' دیگر طرح طرح کا اسلحہ اور بے حساب گولہ بارود موجود تھا۔ اس پورے اسلحہ کو جلد از جلد پیچھے مجاہدین کے پہاڑی مراکز میں منتقل کرنا ضروری تھا جس کا انتظام مولانا یحییٰ محمد صاحب کے سپرد ہوا تھا کیونکہ یہ یقینی تھا کہ صبح ہوتے ہی کابل کے اسکڈ میزائل اور بمبار طیارے خوست شہر کو کھنڈر کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ غنیمت میں ملے ہوئے ٹرکوں کی قطار لگی ہوئی تھی جن میں اسلحہ تیزی سے روانہ کیا جا رہا تھا۔

ہم کچھ ساتھی واپس ورکشاپ پہنچے تو یہاں ہونے والی جھڑپ اور زخمیوں کا حال معلوم ہوا ' رحیم یار خان کے محمد خالد کی پیٹھ میں "زرکئی" مشین گن کی دو گولیاں لگی تھیں وہ شدید زخمی تھے ' کشمیر کے محمد عاصم کی ٹانگ پر گولی لگنے سے گہرا زخم آیا تھا ' جبکہ محمد افضل کی ٹانگ پر بھی گولی لگی تھی مگر زخم زیادہ گہرا نہ تھا۔ فائر مسلسل آرہے تھے ____

اب سب سے پہلی ضرورت یہ بن گئی کہ زخمیوں کو کسی طرح پیچھے منتقل کیا جائے ' ورکشاپ میں کھڑی کوئی گاڑی اسٹارٹ نہ ہو سکی ' مجبوراً زخمیوں کو اٹھا کر پیدل ہی دوبارہ "قلعہ تخت بیگ" لے گئے کہ وہاں سے بیوٹرک حاصل کیا جائے کیونکہ دریا کو بیوٹرک ہی کے ذریعہ عبور کیا جا سکتا تھا۔

پہلے غم تھا کہ ٹوٹے قفس

اب غم یہاں دو پہر مل گیا

جوتے

عباسی صاحب کہتے ہیں کہ رات کے ۲ بج چکے تھے 'روزے کے بعد افطاری میں بھی کچھ کھائے بغیراب تک کی مسلسل مہمات سے ساتھیوں پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ دریا عبور کرتے وقت بھی سمیت کئی ساتھی اپنے جوتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے 'دریا سے نکلتے ہوئے پہلے خاردار جھاڑیوں سے 'پھر دلدل سے واسطہ پڑا تھا اس کے بعد پتھریلی زمین پر ۵ کلو میٹر سے زائد فاصلہ ننگے پاؤں طے کرنے کے باعث میرے قدموں کی حالت غیر ہو رہی تھی ۔۔۔ اب دوبارہ قلعہ تحت تک پہنچے تو مجھے ایک تدبیر سوجھی 'میں فوراً فوجیوں کی لاشوں کی طرف بڑھا کہ کسی لاش کے بوٹ اتار کر اپنے پاؤں کا مسئلہ حل کروں ـــــ لیکن شاید مجھ سے زیادہ ضرورت مند پہلے ہی یہ کام کر چکے تھے 'ساری لاشوں کے بوٹ غائب تھے ـــــ!

خالد اور عاصم شدید زخمی تھے 'ان کی چارپائیاں قلعے کے صحن میں رکھ کر ٹرک کے انتظار میں رات کے ۳ بج گئے ۔ پاس بیٹھے ہوئے اکثر ساتھی اونگھ رہے تھے کہ اچانک مغرب کی طرف سے طیاروں کا ایک غول نمودار ہوا ان کی آواز تیزی سے قریب آرہی تھی ـــ دل اور زبانیں پھر اللہ کے ذکر میں سجدہ ریز ہو گئیں ـــــ پورا علاقہ بمباری سے لرز رہا تھا۔

طیاروں نے ۳ مرتبہ قلعے کو نشانہ بنایا 'لیکن اللہ تعالی کے فضل و کرم سے سارے بم باہر گرے 'بموں سے نکلنے والے کچھ گرنیڈ قلعے کے اندر آگرے مگر ان سے بھی زیادہ نقصان نہیں ہوا ـــــ پورا قلعہ گولہ بارود سے بھرا ہوا تھا 'ایک بم بھی اندر گرتا تو بارود آگ پکڑ لیتا اس لئے مجاہدین نے فوراً قلعہ خالی کر دیا 'ہم نے بھی زخمیوں کو اٹھایا اور پیدل چل پڑے ۔

میری حالت اب اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ زخمی تلوے زمین پر رکھنا مشکل

تھا۔ ساتھیوں سے کپڑے کی پٹیاں مانگ کر قدموں پر لپیٹیں کہ شاید کچھ کام چل جائے' اتنے میں اللہ کی رحمت بن کر ایک خالی ٹرک آگیا اس میں زخمیوں کو لیکر روانہ ہوئے اور نماز فجر "باڑی" کے پاس آکر ادا کی۔

عباسی صاحب اور ان کے رفقاء کو غیر اختیاری طور پر ان چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل نصیب ہوا جن کے مبارک قدم آنحضرت ﷺ کے ساتھ "غزوات ذات الرقاع" میں پیدل چلتے چلتے زخمی ہو گئے تھے ____ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تو پاؤں کے ناخن بھی جھڑ گئے تھے ____ اور انہیں اپنے قدموں پر پٹیاں لپیٹنی پڑی تھیں' اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" (پٹیوں والا غزوہ) مشہور ہوا[1] ____

رضی اللہ عنہم و من تبعہم۔

جوتے پہننا تو عام حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسلامی آداب معاشرت میں شامل ہے' لیکن جہاد میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے کہ یہ بھی سامان جہاد کا ضروری حصہ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "میں نے ایک سفر جہاد میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ رَاكِبًا مَّا انْتَعَلَ"

"جوتے زیادہ لو'[2] کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہے' سوار (کی مانند) رہتا ہے" (کہ تھکان کم ہوتی ہے' اور پاؤں

---

[1] صحیح مسلم شریف۔ حدیث نمبر ۴۶۹۰' کتاب الجہاد والسیر' باب غزوۃ ذات الرقاع
[2] کتاب اللباس والزینہ

زمین کی سختی اور کانٹوں وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں۔)

(بیج سنم ۵۴ء)

"نورالامین" جو ورکشاپ پر مقرر کئے گئے دستے میں شامل تھے اور رات بھر اور اگلے روز بھی وہیں رہے، بتاتے ہیں کہ ۵ رمضان کو صبح ہوتے ہی بارش شروع ہوگئی اس بارش میں مجاہدین کی تنظیموں نے مل کر "قلعہ متوت" پر یلغار کی تو دشمن اپنے بیرونی مورچے چھوڑ کر قلعہ بند ہوگیا، فصیل ۶ - ۷ فٹ موٹی تھی، اس کے پیچھے قریب ہی دشمن کے وائرلیس، اسٹیشن اور ریڈیو اسٹیشن کی عمارات تھیں، عمارتوں کے اندر سے وہ راکٹ تو نہیں چلا سکتا تھا لیکن مشین گنوں سے آخر دم تک مقابلہ کرتا رہا، مجاہدین نے غنیمت میں ملے ہوئے ٹینکوں سے گولے اور دور سے میزائل برسانے شروع کردیئے۔

مقام عبرت ہے، حالات نے کیسی کروٹ لی! چنگیز صفت کمیونسٹ فوج نے جتنے غریب افغانوں کی بستیاں جن دیو ہیکل ٹینکوں سے ملیا میٹ کر ڈالیں، بے گناہ بچوں، عورتوں، بیماروں اور بوڑھوں کو آگ اور خون برسا برسا کر بھسم کر ڈالا آج وہی ٹینک اس سفاک فوج پر قہر الٰہی بن کر برس پڑے تھے ___ فرق اتنا ہوا کہ وہ بے گناہ غریب افغان تو شہادت کا جام شہادت پی گئے اور ہتھیار ڈالنے کی ذلت گوارا نہیں کی، اور یہ بزدل سفاک فوج جس میں زیادہ تر روسی افسران تھے تھوڑی ہی دیر میں ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آئی اور مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ غرض صبح دس بجے کے قریب اس آخری قلعے پر بھی مجاہدین کا قبضہ ہوگیا ___ نورالامین بتاتے ہیں کہ یہ سارا واقعہ ہمارے سامنے پیش آیا۔

"اس قلعے میں مغرب کی سمت میں ایک بستی پر ہندو فوجی، جنگی عورتیں بھی کمانڈوز تھیں جو اب تک قابض تھے، معروف و مشہور تھا کہ یہ کمیونسٹ انتظامیہ کی مدد کیلئے بھارت سے آئے ہیں، بعض بھارتی کمانڈو عورتوں سے ہمیں چند روز پہلے ہی دشمن کی ایک پوسٹ کے قریب واسطہ پڑا تھا ___ اس بستی کے کمانڈوز مرد و زن نے ۲ گھنٹے تک مجاہدین سے بھرپور جنگ کی "مجبوراً مجاہدین کو ٹینک استعمال کرکے ان سب کو ہلاک کرنا

پڑا۔ [۴۲]

اسلام اس دنیا کا وہ پہلا دین ہے جس نے عین حالت جنگ میں بھی دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام کیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کی صریح ممانعت فرمائی ہے۔[۱۷]

لیکن احادیث ہی کی رو سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ دشمن کی عورتیں یا بچے بھی جنگ کرنے لگیں ایسی صورت میں مجبوراً انہیں بھی قتل کرنے کی گنجائش ہے۔ دوسری یہ کہ جنگ رات کو ہو اور اندھیرے کے باعث مرد و زن اور بڑوں چھوٹوں میں امتیاز نہ ہو سکے ایسی صورت میں اگر غیرارادی طور پر عورتیں اور بچے بھی مارے جائیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی معاف قرار دیا ہے۔[۱۸] قصداً انہیں مارنا یہاں بھی جائز نہیں۔

یہی حکم ہمارے زمانے میں بمباری کا ہے کہ اگر عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ مقصود دشمن کی طاقت کو توڑنا ہو اس میں اگر غیرارادی طور پر عورتیں اور بچے بھی مارے جائیں تو معاف ہے۔

جو حکم عورتوں اور بچوں کا ہے وہی ان سب کافروں کا ہے جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً بوڑھے اپاہج اندھے دیوانے معذوروں اور عبادت خانوں میں مشغول عبادت رہنے والے بشرطیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں —— تاجمہ ثبوت بھائی جان (حضرت کیفی) مرحوم

خدا کے خوف ہی پر منحصر ہے امن عالم کا
یہ ہے شیرازہ ہستی اسے برہم نہ ہونے دو

۱۷۔ صحیح مسلم —— حدیث ۴۴۱۱ کتاب الجہاد والسیر۔
۱۸۔ صحیح مسلم —— حدیث ۴۳۲۱ کتاب الجہاد والسیر

مجاہدین کی جو سات تنظیمیں اس جنگ میں شریک تھیں شہر پر آخری ۲۴ گھنٹوں کی جنگ میں ان کے صرف ایک ایک دو دو مجاہد شہید ہوئے ___ جبکہ بعض تنظیموں کا ایک مجاہد بھی شہید نہیں ہوا۔ ([illegible])

☆ نئے اور پرانے ایئرپورٹ پر کھڑے ہوئے اور تباہ شدہ طیاروں کی تعداد سو سے زائد تھی جن میں چالیس طیارے (بقول مولانا پیر محمد صاحب) مرمت کے بعد قابل استعمال تھے۔ (حوالہ بالا)

☆ شہر فتح کے بعد مجاہدین سے بھرا ہوا تھا' جگہ جگہ ٹینکوں اور بکتربند گاڑیوں کے ٹھکانے تھے' ہر طرح کا بھاری اور خفیف اسلحہ اور گولہ بارود کے انبار موجود تھے ___ یقین سے کہا جا رہا تھا کہ صبح ہوتے ہی کابل کے بمبار طیارے اور اسکڈ میزائل سارے اسلحہ کو تباہ کرنے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی بھرپور کوشش کریں گے ___ لیکن صبح ہوتے ہی پورے خوست پر کالے بادل اللہ کی رحمت بن کر چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی ۔ یہ سلسلہ دو دن جاری رہا' کوئی طیارہ خوست نہ آسکا اور مجاہدین کو سارا اسلحہ باہر منتقل کرنے کا موقع مل گیا۔

([illegible])

☆ جنگ میں نو سو ملین "افغانی" نوٹ موجود تھے' جو مرکز مجاہدین میں منتقل کر دیئے گئے۔ ([illegible])

☆ فتح کے دن اور بعد کے دو دنوں میں کابل سے درجنوں اسکڈ میزائل شہر پر آ کر گرتے رہے' اکثر بے کار گئے' ایک سے ۲ مجاہد' ایک سے ۴ اور ایک سے ۵ مجاہد شہید ہوئے بہت سے زخمی بھی ہوئے' لیکن شہر مجاہدین سے بھرا رہا' اور وہ شہر میں امن و امان قائم کرنے اور اسلحہ منتقل کرنے میں مشغول رہے۔ ([illegible])

☆ فوجی مرکزوں اور بہت سے مکانات سے شراب کی بوتلیں' عورتوں کی برہنہ

تصویریں، بھارتی فلمیں اور کمیونسٹ لٹریچر بڑی تعداد میں برآمد ہوا۔

([illegible])

☆ مولانا جلال الدین حقانی، جو خوست کی جنگ کے دوران وہاں تھے، اور بیشتر جنگی لباس میں رہتے ہیں، فتح کے بعد سفید لباس پہن کر شہر میں داخل ہوئے۔

(صدائے مجاہد [illegible])

☆ فتح کے فوراً بعد خوست کی جامع مسجد کیلئے مولانا حقانی کے بھائی "مولانا حاجی خلیل" نے ضروری سامان مسجد میں پہنچایا، اور اذان اور نماز کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ([illegible])

☆ مولوی نورالامین کا بیان ہے کہ خوست میں ایک مسجد "میرک کارل" نے بنائی تھی، مگر کمیونسٹ انتظامیہ نے اسے اسلحہ کا ڈپو بنا دیا تھا، ہم نے خود جا کر اسے صاف کیا اور اذان دے کر نماز ادا کی۔

☆ مولوی نورالامین کا بیان ہے کہ شہر میں ایک زمین دوز کارخانہ بھی ہم نے دیکھا، جس میں اسلحہ بنائے جاتے تھے، یہ بہت بڑے تہہ خانے میں تھا، جدید ترین قسم کی مشینیں نظر آرہی تھیں۔

☆ ڈاکٹر نجیب اللہ نے پیر کو (خوست کی فتح کے دن) "قوم" سے خطاب کرتے ہوئے اپیل کی کہ مستقبل کو اس شکست پر یوم سوگ منایا جائے۔

([illegible])

☆ کابل انتظامیہ نے ایک بار پھر پاکستان کی سرحدی فوجوں پر الزام لگایا کہ وہ خوست کی لڑائی میں باقاعدہ عملی صورت شریک تھی۔ ([illegible])

مگر مجاہدین رہنماؤں نے اس کی پر زور تردید کی۔ (صدائے [illegible])

☆ پاکستان میں اس زمانے میں "اسلامی جمہوری اتحاد" کی حکومت تھی، جناب

نواز شریف وزیراعظم تھے۔

☆ کمیونسٹ انتظامیہ نے بہت سے ان پڑھ مسلمانوں کو بھی زبردستی، یا لالچ اور دھوکے سے خوست کی جنگ میں جھونک رکھا تھا، جن میں سے بیشتر دورانِ جنگ ہی مجاہدین سے آ ملے، باقیوں نے جنگ میں صرف برائے نام حصہ لیا اور موقع ملتے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

☆ گرفتار ہونے والے فوجیوں میں ایک بڑی تعداد کم سن بچوں کی تھی، جنہیں وردی پہنا کر کابل انتظامیہ نے زبردستی جنگ میں جھونک دیا تھا ___ مولانا جلال الدین حقانی نے اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ بچوں کے ساتھ وحشیانہ اور انسانیت سوز حرکت کے خلاف موثر اقدامات کرے۔ (صدائے مجاہد مئی ۱۹۹۱ء)

☆ فتح کے چند روز بعد مولانا حقانی نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ہم قیدی فوجیوں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق سلوک کر رہے ہیں، انہیں اچھا کھانا اور اچھی سہولتیں دی جا رہی ہیں بلکہ جنہوں نے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ نجیبی فوج میں شامل نہ ہوں گے، انہیں رہا کر دیا گیا اور (اطمینان کرنے کے بعد) مزید کو رہا کیا جا رہا ہے۔ (الارشاد مئی ۹۱ء)

☆ فتح کے کئی ماہ بعد تک خوست پر دشمن کے بمبار طیاروں اور اسکڈ میزائلوں کے حملے جاری رہے، بعض مجاہدین ان سے بھی شہید ہوئے۔ (الارشاد مئی ۹۱ء)

☆ صرف خوست کے مختلف محاذوں اور معرکوں میں نومبر ۱۹۸۸ء سے مئی ۱۹۹۱ء تک پاکستانی مجاہدین کی تنظیم ”حرکۃ الجہاد الاسلامی“ کے ۲۴ جانباز شہید اور ۹۰ زخمی ہوئے ___ زخمیوں میں سے ۷ جانباز اپنی ایک ایک ٹانگ سے، اور ایک مجاہد اپنی دونوں آنکھوں سے[1] معذور ہو گیا ___ پاکستانی مجاہدین کی دوسری

---

[1] ماہنامہ ”الارشاد“ مئی ۱۹۹۱ء ص ۳۰

تنظیم "حرکۃ المجاہدین" کے ۲۶ جانبازوں نے جام شہادت نوش کیا۔ زخمیوں اور معذورین کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔۔۔

ہر لحظہ نیا طور' نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

قیدی جنرل کا انٹرویو

خوست سے گرفتار کئے گئے ایک فوجی جنرل "محمد ظاہر صلاح الدین" سے روزنامہ جنگ راولپنڈی کے نمائندے جناب حنیف خالد نے انٹرویو لیا اس کے چند سوال و جواب ملاحظہ ہوں:

جنرل: سقوط خوست کے عوامل بڑے ہیں' موسم خراب تھا' ہمیں سپلائی اور ری انفورسمنٹ نہیں ملی۔

سوال: آپ کے فوجیوں کا مورال کیسا تھا؟

جنرل: جب شکست ہو جائے تو مورال کہاں رہتا ہے۔

سوال: مجاہدین کا سلوک کیسا ہے؟

جنرل: انسانی' اسلامی اور افغانی روایات کے مطابق مجاہدین ہمارا خیال رکھ رہے ہیں۔

سوال: دوسرے افغان فوجیوں کا مجاہدین کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جنرل: حقیقت یہ ہے کہ جب سے ہم گرفتار ہوئے مجاہدین کے تعلقات ہمارے ساتھ بڑے اچھے ہیں۔

سوال: آپ کو دس دن قبل خوست کیوں بھیجا گیا؟

---

[1] ماہنامہ "صدائے مجاہد" شمارہ ۱ جلد ۲ مورخہ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ (جون ۱۹۹۱ء)

جنرل : صورتحال کا تجزیہ کرنے کیلئے اور رپورٹ دینے کیلئے۔

سوال : کیا آپ کے خلاف پاکستانی فوج کے لوگ لڑ رہے ہیں؟

جنرل : خوست کی لڑائی میں ہم نے پاکستانی فوج کو اپنے خلاف لڑتے نہیں دیکھا۔

سوال : خوست کے سقوط سے کابل حکومت کو کیا فرق پڑے گا؟

جنرل : سیاسی لحاظ سے اور بین الاقوامی لحاظ سے اخبار نویس بہتر جانتے ہیں' جغرافیائی لحاظ سے ہم بڑا اہم علاقہ ہار گئے ہیں' یہ علاقہ بڑا اہم علاقہ ہے۔

سوال : آپ کی عمر کیا ہے؟

جنرل : ۴۸ سال (سفید بالوں سے وہ ۵۸ سال کے لگ بھگ لگ رہے تھے)

(نمائندہ جنگ)

سوال : آپ کو جنگی قیدی بننے کے بعد یہ خطرہ نہیں ہے جس طرح نجیب حکومت مجاہدین کے کمانڈروں کو جان سے مار رہی ہے' آپ کو بھی مار دیا جائے گا؟

جنرل : ہم اور مجاہدین دونوں افغان بھائی ہیں' مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا' کیونکہ ہمیں امید ہے کہ ہم مل جل کر افغانستان کی تعمیر نو کریں گے۔

سوال : آپ نے شروع میں مجاہدین کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟

جنرل : پہلے تو لڑتے رہے' جنگی قیدی بننے کے بعد افغان مجاہدین کا عمدہ حسن سلوک دیکھ کر فیصلہ کیا ہے کہ رہائی کی صورت میں ہم افغان فوج میں دوبارہ شامل نہیں ہوں گے۔

سوال : افغان فوجوں کو کتنے دن سے سپلائی و کمک بند تھی؟

جنرل : صرف دو دن پہلے بند ہوئی تھی۔

سوال : کیا یہ درست ہے کہ آپ مجاہدین کے پاس مذاکرات کیلئے آئے تھے اور انہوں نے آپ کو جنگی قیدی بنالیا؟

جنرل : مجھے مذاکرات کیلئے نہیں بھجوایا گیا تھا اور نہ ہی اس دوران مجاہدین نے جنگی

قیدی بنایا نہیں، سقوط خوست کے بعد پکڑا گیا ہوں۔ جنگ کا مطلب جنگ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نجیب نے مجھے جنگ کیلئے بھیجا تھا" میرا نجیب انتظامیہ فوج کو پیغام ہے کہ مجاہدین ظالم نہیں رحم دل ہیں، وہ دشمن نہیں دوست ہیں۔

لیکن آخر دم تک کمیونسٹوں کی غلامی میں مگن اور مسلمانوں سے برسرپیکار رہنے والے اس افغان جرنیل کا ___ کیونزم سے علی الاعلان توبہ یا مکمل اظہار برات کئے بغیر ___ یہ کہنا کہ "ہم اور مجاہدین دونوں افغان بھائی ہیں" "ہم مل جل کر افغانستان کی تعمیر نو کریں گے"۔ مضحکہ خیز تو ہے ہی اس حقیقت کا بھی انکار ہے کہ:

ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش
وہ بندہ افلاک ہے، یہ خواجہ افلاک

مشورے کی دینی اہمیت

خوست کی عظیم الشان فتح مجاہدین کے اس اتحاد، مشترکہ منصوبہ بندی اور باہمی صالح مشورے کا انعام ہے جو اس جنگ میں بحمداللہ اول سے آخر تک قائم اور جاری رہا۔ ورنہ یہ وہ وقت تھا کہ ان کے خلاف امریکہ، روس، بھارت، اسرائیل اور دیگر دشمن طاقتیں متحد ہو چکی تھیں، اور نت نئی اور پیچ در پیچ سازشوں کے جال ہر طرف بچھے ہوئے تھے۔ یہ مجاہدین کی جرات مندانہ ایمانی فراست تھی کہ انہوں نے جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر حق کی سربلندی کے لئے باطل سے بھرپور جنگ لڑی اپنی یکجہتی سے دشمن کی ساری طاقتوں اور سازشوں کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا ___ اور قرآن حکیم کی دی ہوئی اس خبر کی صداقت پھر سامنے آگئی کہ:

"اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا"

"واقع میں شیطانی تدبیریں لچر اور کمزور ہوتی ہیں۔"
(سورہ نساء ___ ۷۶)

یہ حقیقت بہرحال پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ جب چاہیں محض اپنے فضل و کرم سے کسی شرط کے بغیر فتح و کامیابی عطا فرمادیں۔ لیکن جہاں تک فتح و نصرت کے وعدہ کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ نے دو شرطوں کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔

ایک خلوص نیت کہ جہاد صرف دین کی سربلندی اور مظلوموں کی مدد کے لئے ہو، دوسری یہ کہ ہر قدم پر اللہ و رسول اللہ ﷺ کے احکام و ہدایات کی پابندی کا اہتمام کیا جائے[1] ___ جب اخلاص اور شرعی احکام کی پابندی کے ساتھ کام لیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ضرور شامل حال ہوتی ہے ___ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مسلمانوں کو جب بھی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ انہی دو شرطوں میں کوتاہی و غفلت کا نتیجہ تھا، خواہ وہ کوتاہی کچھ ساتھیوں سے ہوئی ہو یا سب سے۔

اتحاد کی شرعی اہمیت و ضرورت تو سب ہی جانتے ہیں کہ قرآن و سنت میں اس کی جا بجا تاکید کی گئی ہے، لیکن قرآن و سنت ہی کا یہ حکم بہت سی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ اہم امور میں باہمی صلاح و مشورہ بھی شرعاً ضروری ہے۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ اس کے بغیر اتحاد بھی زیادہ عرصے باقی نہیں رہتا۔

مجاہد رہنماؤں نے مرحوم صدر ضیاء الحق اور مرحوم جنرل اختر عبدالرحمن کی رہنمائی اور بھرپور تعاون سے جو اتحاد قائم کیا تھا اس کی قیادت میں جہاد عرصہ دراز تک تیز رفتاری سے ترقی کرتا رہا تھا ___

ان دونوں کی شہادت کے بعد سب سے بڑا نقصان جہاد افغانستان کو یہ پہنچا کہ وہ اتحاد بیرونی سازشوں اور بعض زعماء کی خود رائی کا شکار ہو کر بکھرتا چلا گیا، باہمی رابطے اور مشوروں کے بغیر بڑے بڑے اقدامات کئے جانے لگے، جس کے نتیجے میں جلال آباد پر حملہ بری طرح ناکام ہوا، جبکہ روسی فوجوں کی واپسی جو فروری ۱۹۸۹ء میں مکمل ہو چکی تھی، اس کے دو سال بعد تک کوئی ایک شہر بھی فتح نہ کیا جا سکا۔

---

[1] یہ دونوں شرطیں قرآن کریم سے [illegible] ثابت ہیں [illegible]
[illegible] سورۃ الانفال آیت [illegible]

اس کے برخلاف خوست کی آخری جنگ میں سارے کمانڈروں کے اتحاد اور باہمی رابطے اور مشورے کی برکت سے فتح مبین ملی ___ بہت کم جانوں کی قربانی لے کر ___ ان کے قدموں کو چوم لیا۔

باہمی مشورہ اتحاد کی جان ہے اس کے بغیر کوئی اتحاد قائم ہوتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے' اہم معاملات میں صلاح و مشورے سے باہمی اعتماد و یگانگت بڑھتی' اور دلوں کی صفائی ہوتی رہتی ہے جبکہ خود رائی کا زہر قاتل مضبوط سے مضبوط اتحاد کو موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لیتا ہے ___ انسانی فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا کہ خود رائی سے کام لینے اور ساتھیوں کو اعتماد میں لئے بغیر بڑے بڑے فیصلے کرنے والے کے مخلص ترین ساتھی بھی زیادہ عرصے تک اس کا ساتھ نہیں دے پاتے ___

اور تو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ___ جن سے بڑھ کر اطاعت شعاری اور جاں نثاری کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا ___ ان کے بارے میں بھی آنحضرت ﷺ کو یہ تلقین فرمائی گئی کہ[1]

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ"

---

[1] مشورے سے متعلق آنے والی بحث اعلیٰ تعلیمات' تفسیر "معارف القرآن" سے اختصار کے ساتھ ماخوذ ہیں' پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۲۱۲ تا ۲۲۴ اور جلد ۷ ص ۲۰۰ تا ۲۰۷۔ البتہ احادیث کے عربی متن اور مفصل حوالوں کا' نیز "مغربی جمہوریت" کے عنوان سے کچھ تشریحی تفصیل کا اضافہ راقم نے کیا ہے۔ رفیع

"تو اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ (ﷺ) ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نرم رہے' اور اگر آپ (ﷺ) تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ (ﷺ) کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے' پس آپ ان کو معاف کر دیجئے' اور ان کیلئے استغفار کیجئے اور ان سے خاص خاص (اہم) باتوں میں (بدستور) مشورہ لیتے رہا کیجئے' پھر جب آپ (کسی ایک جانب) رائے پختہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسا بھروسہ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔" (سورہ آل عمران ۔۔ ۱۵۹)

یہ آیت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے' اس جہاد میں بعض مسلمانوں کی لغزش اور غلط فہمی کی بناء پر میدان چھوڑنے سے جو صدمہ اور غم آنحضرت ﷺ کو پہنچا تھا' اگرچہ آپ نے طبعی اخلاق اور عفو و کرم کی بنا پر ان کو اس پر کوئی ملامت نہیں کی اور کوئی معاملہ سختی کا بھی نہیں فرمایا' لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کے ساتھیوں سے دلجوئی اور خود ان کے دلوں میں اپنی اس غلطی پر جو صدمہ اور ندامت تھی اس کو دھونا منظور ہوا' چنانچہ پچھلی اسی سورت کی آیت (۱۵۵) میں ان کی معافی کا اعلان فرما دیا گیا' اور اس آیت (۱۵۹) میں آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ مزید لطف و کرم کا' اور ان سے اہم معاملات میں حسب سابق مشورہ لیتے رہنے کا حکم دیا گیا۔

یہاں ایک خاص بات توجہ طلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین رسول اور صاحب وحی ہیں' بظاہر انہیں کسی مشورے کی ضرورت نہ تھی' آپ کو ہر بات حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی تھی' پھر بھی آپ کو ساتھیوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تو کوئی اور شخص خواہ وہ کتنا ہی دانشمند' تجربہ کار' باصلاحیت اور اپنے ساتھیوں میں مقبول ہو' باہمی صلاح مشورے سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے؟

اسلام میں مشورے کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی ایک بڑی سورت کا نام ہی "شوریٰ" (مشورہ) ہے۔ اس سورت میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

"وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"

"اور ان کا ہر اہم کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔"

(الشوریٰ ۳۸)

حتیٰ کہ ماں باپ میں سے کوئی اگر بچے کا دودھ مدتِ رضاعت سے پہلے چھڑانا چاہے تو قرآن کریم نے انہیں بھی ہدایت فرمائی کہ یہ کام دونوں کے باہمی مشورے سے ہونا چاہئے۔[1]

باہمی صلاح مشورے کا چونکہ نظمی، اجتماعی اور جماعتی مصالح سے بھی بہت گہرا تعلق ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں چند امور کی وضاحت قرآن و سنت کی روشنی میں ہو جائے۔

۱۔ مشورہ کن امور میں ہونا چاہئے

اوپر کی دونوں آیتوں میں لفظ "امر" مذکور ہے یعنی دونوں آیتوں میں اصولی طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ مشورہ "امر" کے بارے میں ہونا چاہئے۔ لفظ "امر" عربی زبان میں کئی معنی کیلئے آتا ہے، ہر معاملہ یا شان قول و فعل کو بھی کہا جاتا ہے، اور حکم اور حکومت کو بھی ___ لفظ امر کے خواہ پہلے معنی مراد لئے جائیں یا دوسرے، حکومت کے معاملات میں مشورہ لینا بہر صورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر پہلے

---

[1] دیکھئے سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۳

ہی معنی مراد لیں تب بھی عمراور حکومت کے معاملات مہتم بالشان ہونے کی حیثیت سے قابل مشورہ ٹھہریں گے 'اس لئے "امر" کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو' خواہ حکومت سے متعلق ہو یا دیگر معاملات سے ۔

البتہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشورہ صرف انہی چیزوں میں سنت یا واجب ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی واضح قطعی حکم موجود نہ ہو' ورنہ جہاں کوئی قطعی اور واضح شرعی حکم موجود ہو اس میں کسی سے مشورے کی ضرورت نہیں بلکہ جائز بھی نہیں مثلاً کوئی اس میں مشورہ کرے کہ نماز' زکوۃ' روزے اور حج جیسے فرائض ادا کرے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ مشورے کی چیزیں نہیں' شرعی طور پہ قطعی فرض ہیں البتہ اس میں مشورہ کیا جا سکتا ہے کہ حجاج کو پانی کے جہاز سے جائیں یا ہوائی جہاز سے؟ زکوۃ کن مستحقین کو کتنی کتنی دی جائے؟ وغیرہ کیونکہ ان امور میں قرآن وسنت نے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا بلکہ بندوں کو اختیار دیا ہے کہ حالات کے پیش نظر جس صورت کو مناسب سمجھیں اختیار کر لیں ـــــ ایک حدیث میں اس کی تشریح خود رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا "یا رسول اللہ! اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کا کوئی واضح حکم یا ممانعت (قرآن وسنت میں) موجود نہ ہو تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا:

"شَاوِرُوْا فِيْهِ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِيْنَ وَلَا تُمْضُوْا فِيْهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ"[۱]

"اس میں ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جو فقہاء اور عبادت

---

[۱] رواه الطبراني في الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح، كذا في مجمع الزوائد للهيثمي باب في الاجماع ص ۱۷۸ ج ۱ وكنز العمال ص ۱۸۱ ج ۳ حديث ۷۶۹۲

گزار ہوں اور اس میں کسی کی تمہاری رائے کو نافذ نہ کرو۔"

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مشورہ صرف انتظامی اور سیاسی یا نجی معاملات ہی میں نہیں بلکہ جن شرعی مسائل میں قرآن و سنت کے صریح احکام نہ ہوں ان مسائل میں بھی مشورہ مسنون ہے۔

۲ــــ ارکان شوریٰ میں دو وصف ضروری ہیں

اسی حدیث سے یہ اصول بھی سامنے آیا کہ جن لوگوں سے مشورہ لیا جائے ان میں دو وصف ہونے ضروری ہیں، ایک یہ کہ وہ موجودہ لوگوں میں عبادت گزاری (دیانت داری) میں معروف ہوں، دوسرے یہ کہ جو معاملہ زیر مشورہ ہے اس میں اچھی بصیرت اور تجربہ رکھتے ہوں ــــ مذکورہ بالا حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوال چونکہ صرف شرعی مسائل (کسی چیز کے شرعاً جائز، واجب یا ناجائز ہونے) کے بارے میں تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "فقہاء" یعنی ایسے علماء دین سے مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی، جو "فقہ" میں گہری بصیرت رکھتے ہوں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ زیر غور معاملہ اگر فقہی مسئلہ نہیں بلکہ کسی اور علم و فن سے متعلق ہو تو وہاں مشورہ اس میدان کے دیانت دار علماء یا ماہرین سے لینا چاہئے، البتہ عبادت گزاری اور دیانت داری کا وصف، جس کا حاصل "تقویٰ" ہے دونوں قسم کے مشیروں میں ضروری ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ [1]

---

[1] رواہ الطبرانی عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ورجالہ رجال "الصحیح" ورواہ البزار کذا فی مجمع الزوائد ص ۹۷ ج ۶ ــــ اما حدیث علی رضی اللہ عنہ فانظر لہ فی مجمع الزوائد ص ۹۶ ج ۸۔

"جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے"

یعنی مشورہ اس کے پاس ایک امانت ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملے میں جو کام وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہی کی رائے دوسرے کو بھی دے اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔

۲۔ مشورے کی شرعی حیثیت

مذکورہ بالا قرآن حکیم کے ارشادات اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے اہم معاملے میں جس میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں، مشورہ لینا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے، جیسے معاملات حکومت ان میں دیانت دار اہل بصیرت (اہل حل و عقد) سے مشورہ لینا واجب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآن کریم کی آیات مذکورہ اور رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کا مسلسل عمل اس کی روشن سند ہے۔

غرض شورائیت اور مشورے کو اسلامی حکومت کیلئے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر امیر (حاکم) مشورے سے آزاد ہو جائے، یا ایسے لوگوں کے مشوروں پر انحصار کرنے لگے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورے کے اہل نہیں تو اسے (قانونی اور پرامن طریقے سے) معزول کر دینا واجب ہے۔ (تفسیر بحر المحیط)

باہمی صلاح مشورے کے شرعی حکم پر عمل کرنے سے جو فوائد و ثمرات اور برکات اسلامی قوتوں اور پورے معاشرے اور افراد کو حاصل ہوتے ہیں ان کا کچھ اندازہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے لگائیے کہ:

"مَنْ اَرَادَ اَمْرًا فَشَاوَرَ فِيهِ وَقَضٰى لِلّٰهِ هُدِيَ لِاَرْشَدِ الْاُمُوْرِ"

"جو شخص کسی اہم کام کا ارادہ کرے، اور باہم مشورے کے بعد اخلاص کے ساتھ فیصلہ کرے، تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کو بہترین فیصلے کی ہدایت مل جاتی ہے۔"

(شعب الایمان للبیہقی ۰۵۴۸)

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ:

"إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ، فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا"

"جب تمہارے حکام تم میں کے بہترین افراد ہوں، اور تمہارے مالدار سخی ہوں، اور تمہارے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت (پر زندہ رہنا) تمہارے لئے اس کے پیٹ (قبر) سے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام تم میں کے بدترین افراد ہوں، اور تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے اہم معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں، تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔" (جامع ترمذی — حدیث ۲۲۶۶)

مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے اہم معاملات (جن میں حکومت کے معاملات بھی داخل ہیں) عورتوں کے اختیار میں دیدو تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لئے موت بہتر ہے ـــ ورنہ جہاں تک مشورے کا تعلق ہے تو وہ کسی خاتون سے لینا بھی کوئی ممنوع نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے جس کی بہت سی مثالیں سیرت طیبہ اور صحابہ کرام کی سیرتوں میں موجود ہیں۔ اور پیچھے سورہ بقرہ کی آیت (۲۳۳) کے حوالے سے آچکا ہے کہ بچے کا دودھ مدت رضاعت میں چھڑانا باپ اور ماں کے باہمی مشورے سے ہونا چاہئے اس میں چونکہ معاملہ عورت سے متعلق ہے اس لئے قرآن حکیم نے وہاں تو خاص طور پر عورت کے مشورے کا پابند کیا ہے۔

۳ــــ آنحضرت ﷺ کو مشورہ لینے کا حکم کیوں دیا گیا؟

اس کی وجہ بعض علماء کرام نے یہ بیان کی ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کو ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی تھی اس لئے آپ کو نہ مشورے کی ضرورت تھی نہ اس پر آپ کے کسی کام کا مدار تھا صرف صحابہ کرام کے اعزاز اور دلجوئی کیلئے آپ کو ان سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ـــ

لیکن امام ابوبکر جصاص ؒ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کی مجالس مشورہ کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عام امور میں تو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک طریق کار متعین کر دیا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت سے بعض معاملات کو آپ کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تھا ایسے ہی معاملات میں مشورے کی ضرورت ہوتی ہے اور آپ کو اسی قسم کے امور میں مشورہ لینے کا حکم دیا گیا۔

غزوہ بدر، غزوہ احزاب، صلح حدیبیہ اور قصہ افک وغیرہ کے موقع پر آپ کے صحابہ کرام سے مشورہ لینے کے واقعات سیرت طیبہ اور کتب حدیث میں موجود ہیں بہت

مرتبہ آپ نے اپنی رائے چھوڑ کر بھی بعض صحابہ کرام کے مشورے کو قبول فرمایا اور ان کی رائے پر فیصلہ فرمایا۔ یہ سب معاملات وہ تھے جن میں آنحضرت ﷺ کے لئے بذریعہ وحی کوئی خاص جانب متعین نہیں کی گئی تھی' ورنہ اس کے خلاف آپ ہرگز کسی کی رائے قبول نہ فرماتے ـــــ اور ایسا کرنے میں حکمت و مصلحت یہ بھی تھی کہ آئندہ امت کیلئے مشورے کی سنت آپ کے عمل سے جاری ہو جائے کہ جب آپ بھی مشورے سے بے نیاز نہیں تو پھر کون ایسا ہے جو بے نیازی کا دعویٰ کر سکے۔ چنانچہ جب یہ آیت جس میں آپ کو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ :

"أَمَا إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ غَنِيَّانِ عَنْهَا، وَلٰكِنْ جَعَلَهَا اللّٰهُ رَحْمَةً لِأُمَّتِيْ، فَمَنْ شَاوَرَ مِنْهُمْ لَمْ يَعْدَمْ رُشْدًا، وَمَنْ تَرَكَ الْمَشُوْرَةَ مِنْهُمْ لَمْ يَعْدَمْ عَنَاءً"

"اللہ اور اس کے رسول کو مشورے کی حاجت نہیں' لیکن اللہ نے اس کو میری امت کیلئے ایک رحمت بنایا ہے' پس ان میں سے جو شخص مشورہ کرے گا وہ (بہتر کام کی) ہدایت سے محروم نہ رہے گا' اور جو شخص مشورہ لینا چھوڑ دے گا وہ مشقت سے بچا نہیں رہے گا۔" (شعب الایمان للبیہقی ـ حدیث [illegible])

۵ ـــــ اسلام کا طرز حکومت "شورائی" ہے

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے کہ اسلامی حکومت ایک "شورائی" حکومت ہے' جس میں

امیر و سربراہ کا انتخاب مشورے سے ہوتا ہے خاندانی وراثت نہیں۔

آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے، لیکن اب سے ۱۴ سو برس پہلے کی دنیا کی طرف مڑ کر دیکھئے، جب پوری دنیا پر "دو بڑوں" قیصر و کسریٰ کی حکومت تھی۔ یہ دونوں حکومتیں شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھیں، جس میں شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت و صلاحیت سے نہیں، بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصول کی بنا پر حکمرانی کرتا تھا، اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی شاہی انعام سمجھا جاتا تھا۔ یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصے پر مسلط تھا، صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور نا تمام نقوش پائے جاتے تھے، لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مبہم تھے کہ ان اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہ بن سکی، بلکہ وہ "ارسطو" کے فلسفے کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔

اس کے برخلاف اسلام نے حکومت و ریاست میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے سربراہ حکومت و ریاست کو مقرر اور معزول کرنا جمہور (عوام) کے اختیار میں دیدیا جس کو وہ اپنے نمائندوں (اہل حل و عقد) کے ذریعہ استعمال کر سکیں۔ بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ فطری نظام سے آشنا ہوئی ___ اور یہی روح ہے اس طرز حکومت کی، جس کی بگڑی ہوئی شکل کو آج "جمہوریت" کا نام دیا جاتا ہے۔

مغربی جمہوریت

لیکن موجودہ طرز کی جمہوریتیں ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کی پیروی میں قائم ہوئیں، یہ انقلاب بلا شبہ مطلق العنان بادشاہت پر ایک فیصلہ کن ضرب لگاتا ہوا نمودار ہوا، اور انیسویں اور بیسویں صدی کے زمانے میں یورپ کے اکثر ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم ہوتی چلی گئیں ___

مگر خود یہ انقلاب لادینیت (سیکولرزم) کی آغوش میں پروان چڑھا تھا، اور

نظام سرمایہ داری (کیپٹل ازم) کے کندھوں پہ سوار ہو کر بادشاہتوں کے جبر و استبداد اور ظلم و ستم کے ردعمل کے طور پہ رونما ہوا اس نے مغربی جمہوریتیں بھی اسی بے اعتدالی اور انتہا پسندی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو "____ بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ عوام کے نام پہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور زور آور طبقوں کو ____ مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون کا بیا آزاد مالک بنا دیا کہ وہ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کو پیدا کرنے والے خدا سے اور اس تصور سے بھی بیگانہ ہو گئے کہ اصل حاکم اور مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے۔ اب ان کی جمہوریت اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر اللہ تعالیٰ ہی کی عائد کی ہوئی پابندیوں کو بھی بار خاطر اور خلاف انصاف تصور کرنے لگی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بے لگام سیاسی اقتدار ہاتھ میں آ جانے کے بعد ان زور آور طبقوں پر کوئی قانونی یا اخلاقی پابندی بھی باقی نہ رہی انھوں نے پورے ملکی قانون ہی کو اپنے ذاتی مفادات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ رہے غریب اور بے سہارا عوام تو یہ جمہوریتیں جو ان ہی کے نام پہ وجود میں آئی تھیں ان کے دکھوں کا مداوا بننے کے بجائے زور آور طبقوں اور ان کے خود غرضانہ مفادات کی آلۂ محض بن کر رہ گئیں۔ غریب عوام کا خون پہلے بادشاہتیں نچوڑ رہی تھیں تو اب پر فریب سرمایہ دارانہ نظام ان کا خون سودی بنکاری اور طرح طرح کی معاشی شعبدہ بازیوں سے کشید کرنے لگا کوئی اس نظام کا ذرا گہری نظر سے جائزہ لے تو بے اختیار پکار اٹھے گا کہ

تجھ پہ کوئی داغ نہ دامن پہ کوئی چھینٹ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو!

جو نظام سرمایہ داری ان مغربی جمہوریتوں کے ذریعے تکمیل کو پہنچا اسی کی چیرہ دستیوں کے ردعمل میں کمیونزم کا وہ عفریت نمودار ہوا جس کے سامنے چنگیز اور ہلاکو خان کی درندگی بھی ماند پڑ گئی اور عوام پہلے سے زیادہ مظلوم و مقہور ہو کر کمیونزم کا ایک بے جان پرزہ بن کر رہ گئے ____ یہ تحریک لادینیت (سیکولرازم) ہی تھا جس کی ایک کوکھ سے ظالمانہ

نظام سرمایہ داری نے جنم لیا تو دوسری کوکھ سے سفاک کیونزم برآمد ہوا اور دونوں نے دنیا کے غریب و بے بس عوام کا خون نچوڑنے میں کوئی دقیقہ فراموش نہیں کیا۔

غرض سیکولرزم (لادینیت) ایسی دلدل ثابت ہوئی جس میں پھنس کر دنیا کا بڑا حصہ بادشاہت کے پنجے سے نکلا تو نظام سرمایہ داری کے جال میں جا پھنسا، اس سے نکلنے کی کوشش کی تو کیونزم کے شکنجے میں کسا گیا ــــــ شاعر مشرق نے یہ کہہ کر محض شاعری نہیں کی تھی کہ

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے پنجے سے نجات دلائی، اسی طرح جمہور اور ان کے نمائندوں کو بھی خدا شناسی اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتایا کہ ملک کے حکام ہوں یا عوام، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں، عوام اور ان کے نمائندوں کے اختیارات، قانون سازی اور منصب داروں کا عزل و نصب اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود میں رہنا ضروری ہے، ان پر لازم ہے کہ امیر و سربراہ کے انتخاب میں، اور پھر عہدوں اور اختیارات کی تقسیم میں، ایک طرف قابلیت و صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری طرف ان کی دیانت و امانت کو پرکھیں، اپنا امیر و سربراہ یا نمائندہ ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، خوف خدا، امانت و دیانت اور تجربے میں سب سے بہتر ہو۔ پھر امیر بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں بلکہ دیانت دار اہل رائے سے مشورہ لینے کا پابند ہے ــــــ

خلافت راشدہ اسی نظام "شورائیت" کا وہ حسین ترین نمونہ تھی جس نے مذہب و ملت، مقامی و غیر مقامی، امیر و غریب اور رنگ و نسل کی تفریق کے بغیر ہر ایک کو حقیقی انصاف اور قابل عمل فطری مساوات عطا کی، اور پورے معاشرے کو معاشی اعتدال و توازن دیکر امن و امان اور چین و سکون کا گہوارہ بنا دیا۔

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

۶ــــ مشورے میں اختلافِ رائے ہو جائے تو فیصلہ کیسے ہو؟

قرآن و سنت اور صحابہ کرام کے مسلسل عمل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اکثریت کی رائے کا پابند ہے بلکہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اپنی صوابدید سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے، وہ خواہ اکثریت کے موافق ہو یا اقلیت کے، البتہ اپنا اطمینان حاصل کرنے کیلئے دیانت داری کے ساتھ جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہو جانا بھی بسا اوقات اس کیلئے سببِ اطمینان بن سکتا ہے۔

جس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے اسی میں اس حکم کے فوراً بعد ارشاد ہے کہ: "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" یعنی مشورے کے بعد جب آپ (کسی جانب کو ترجیح دے کر اس کا) عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے، یہاں "عزمت" کے لفظ میں "عزم" یعنی "عمل کے پختہ ارادے" کو صرف آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے "عزمتم" (تم لوگ عزم کرلو) نہیں فرمایا جس سے "عزم" میں صحابہ کرام کی شرکت معلوم ہوتی۔ اس کے اشارے سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد فیصلہ اور عزم صرف امیر ہی کا معتبر ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی رائے کو جمہور صحابہ کی رائے پر ترجیح دی ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے ان دونوں حضرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِي مَشُورَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا"[1]

"جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ، تو میں تمہارے خلاف نہیں کرتا۔"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بعض اوقات دلائل کے لحاظ سے اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ فرما دیتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عمر، علم اور تعداد میں بہت زیادہ ہوتے تھے۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی اور شخصی حکومت کا طرز ہے اس سے عوام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلی ہی کر لی ہے کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں، بلکہ ان پر لازم ہے کہ علم و عمل، صلاحیت، خوف خدا اور دیانت میں جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اس کو امیر منتخب کریں۔ تو جو شخص ان اعلیٰ اوصاف کے تحت منتخب کیا گیا ہو اس پر ایسی پابندیاں لگانا جو بددیانت اور فاسق و فاجر پر لگائی جاتی ہیں، عقل و انصاف کا خون کرنا اور کام کرنے والوں کی حوصلہ شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

۷ ــــ ہر کام میں تدبیر کے ساتھ اللہ پر توکل ضروری ہے

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل توجہ ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں مشورے کے حکم کے فوراً بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کام کرنے کا عزم کر لو تو اپنی

---

[1] رواہ احمد، ورجالہ ثقات، الا ان ابن غنم لم یسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کذا فی مجمع الزوائد ص ۵۳ ج ۹، باب فیما ورد من الفضل لابی بکر وعمر۔

عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بلکہ بھروسہ اور توکل صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیونکہ مشورہ بھی ایک تدبیر ہے اور تدبیروں کا موثر یا مفید ہونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ چاہے تو زہر سے تریاق کا کام لے لے اور چاہے تو کسی کیلئے تریاق ہی کو زہر بنا دے۔ انسان کیا اور اس کی رائے اور تدبیر کیا، ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں اپنی تدبیروں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

مولانا روی نے خوب فرمایا ہے:

خویش را دیدم و رسوائی خویش
امتحان ما مکن اے شاہ بیش

لیکن واضح رہے کہ وہ توکل اسباب کو اختیار نہ کرنے اور تدبیر و کوشش چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے کا نام نہیں، بلکہ ایسا کرنا سنت انبیاء اور قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس کتاب میں دفاع اور سامان جنگ کی تیاری کے قرآنی احکام اور آنحضرت ﷺ کی ہدایات پیچھے آچکی ہیں، خود مشورہ بھی ایک تدبیر ہے جس کا حکم قرآن و سنت کے حوالے سے ابھی بیان ہوا ہے۔ لہٰذا معقول تدابیر و اسباب کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اختیار کرنا اور مناسب کوشش و جدوجہد کرنا ہرگز توکل کے خلاف نہیں۔ ہاں دور از کار اور موہوم تدبیروں کے پیچھے پڑنا یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو موثر اور کافی سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا بے شک خلاف توکل ہے۔[1]

---

[1] تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۲۲۸

اشاریہ

اس کتاب میں آنے والی آیات و احادیث

—— مرتب ——

مولانا محمد عمران اشرف عثمانی

آیات	صفحات

آیات	صفحات
✿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ	۳۵۱
✿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ	۹۲
✿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ	۱۵۰، ۵۳
✿ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	۱۵۸
✿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ	۳۳۷
✿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا	۳۷۸
✿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ	۱۳۳
✿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ	۳۲۸

آیات | **صفحات**

آیات	صفحات
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا	
❁ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا	۳۲۸
❁ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ	۱۵۱
❁ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ	۳۳۰

احادیث	صفحات
❁ إذا التقى المسلمان بسيفهما فقتل احدهما صاحبه فالقاتل والمقتول في النّار	۳۸
❁ اذا كان امراء كم خيار كم' واغنياؤكم سمحاء كم وامور كم شورى بينكم' فظهر الارض خيرلكم من بطنها۔ واذا كان امراؤكم شراركم' واغنياء كم بخلاء كم' وامور كم الى نسائكم فبطن الارض خير لكم من ظهرها۔	۳۵۷
❁ اذا لهوتم فالهوا بالرمى' و اذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض	۱۳۸
❁ اذا مات احدكم فلا تحبسوه واسرعوا به إلى قبره	۲۰۰
❁ إرموا' من بلغ العدو بسهم رفعه اللّٰه به درجةً قال ابن النحام يارسول اللّٰه وما الدرجة ؟ قال أما أنها ليست بعتبه امك ولكن ما بين الدرجتين مأة عام	۱۳۷

احادیث **صفحات**

صفحات	احادیث
	رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔

احادیث	صفحات
عن ابی لبید قال کنا مع عبدالرحمٰن بن سمرۃ بکابل، فاصاب الناس غنیمۃ فانتہبوھا، فقام خطیباً، فقال سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی عن النھبی، فردوا ما اخذوا فقسمہ بینھم	۲۸۵
عینان لاتمسّھما النار عین بکت من خشیۃ اللّٰہ و عین باتت تحرس فی سبیل اللّٰہ	۴۲
قفلۃ کغزوۃ	۱۷۳
کان شعار المھاجرین "عبداللّٰہ" وشعار الانصار عبدالرحمٰن	۱۳۶
لا تمنوا لقاء العدوّ وسلوا اللّٰہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا، واعلموا أن الجنّۃ تحت ظلال السیوف	۴۳
لا تخافوا فی اللّٰہ لومۃ لائم	۵۳
لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض	۳۸
للشھید عنداللّٰہ ست خصال، یغفر لہ فی	۲۹۲

احادیث صفحات

احادیث

صفحات

احادیث	صفحات